الجمال والکمال

تفسیر سورۂ یوسف



تالیف

قاضی محمد سلیمان سلمان منصورپوری

تحقیق وتخریج

محمد سرور عاصم

مکتبہ اسلامیہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الجمال و الکمال

تفسیر سورۂ یوسف

تالیف

قاضی محمد سلیمان سلمان منصورپوری

تحقیق و تخریج

محمد سرور عاصم

مکتبہ اسلامیہ

نام کتاب ------------ اَلجمالُ والکمال

مصنف ------------ قاضی محمد سلیمان سلمان منصور پوری

تخریج ------------ محمد سرور عاصم

اشاعت ------------ اگست 2009ء

قیمت ------------

ملنے کا پتا

مکتبہ اسلامیہ

بالمقابل رحمان مارکیٹ غزنی سٹریٹ، لاہور - پاکستان فون:042-7244973
بیسمنٹ اٹلس بینک بالمقابل شیل پٹرول پمپ کوتوالی روڈ، فیصل آباد - پاکستان فون:041-2631204
E-Mail:maktabaislamiapk@gmail.com

فہرست

قاضی محمد سلیمان سلمان منصور پوریؒ

قاضی محمد سلیمان سلمانؔ منصور پوری کا مختصر شجرہ نسب یہ ہے: محمد سلیمان بن احمد شاہ بن معزالدین بن باقی باللہ......!

بیان کیا جاتا ہے کہ ان کے خاندان کے ایک بزرگ کا نام پیر محمد تھا۔ وہ عہد مغلیہ میں دہلی کے منصب قضا پر فائز تھے اور منصب کی رو سے انہیں قاضی کہا جاتا تھا۔ اس کے بعد خاندان کے ہر فرد کو قاضی کہا جانے لگا اور یہ خاندان ''قاضی خاندان'' کے نام سے مشہور ہو گیا۔

آگے چل کر ان کا سلسلۂ نسب حضرت علی رضی اللہ عنہ سے جا ملتا ہے، اس اعتبار سے یہ علوی ہوئے، لیکن کسی نے اپنے نام کے ساتھ ''علوی'' نہیں لکھا۔

قاضی محمد سلیمانؒ کے پردادا قاضی باقی باللہ ضلع فیروز پور (موجودہ ضلع فرید کوٹ مشرقی پنجاب) کے ایک چھوٹے سے گاؤں بڈھیمال میں اقامت گزیں تھے اور تیرھویں صدی ہجری کے معروف عالم و عابد حضرت غلام علی شاہ مجددی دہلوی کے حلقہ بیعت میں شامل تھے۔ ان کے حکم کے مطابق انھوں نے بڈھیمال کی سکونت ترک کر کے منصور پور کو تبلیغ دین کا مرکز بنایا اور اس نواح میں وعظ و نصیحت کا سلسلہ شروع کیا۔

قاضی باقی باللہ اپنے علاقے اور عہد کے ممتاز عالم دین اور تقویٰ شعار بزرگ تھے، ان کے اتقا اور تدین کے متعلق پرانے لوگوں اور ان کے خاندان میں بہت سی عجیب و غریب باتیں مشہور ہیں، جن کے تذکرے کی یہاں گنجائش نہیں۔

منصور پور جسے قاضی باقی باللہ نے اپنا مرکز تبلیغ قرار دیا، سابق ریاست پٹیالہ (موجودہ ضلع پٹیالہ) کا ایک پرانا تاریخی قصبہ ہے جو ہندوستان کی تغلق حکومت کے دور سے آباد ہے اور انبالہ بٹھنڈا ریلوے لائن پر پٹیالہ سے بتیس کلومیٹر کے فاصلے پر واقع ہے۔

قاضی باقی باللہ کے بیٹے قاضی معزالدین بھی باپ کے ساتھ تبلیغ دین میں مشغول رہے۔ وہ نہایت سادہ زندگی بسر کرتے تھے۔ کسب معاش کا ذریعہ کھیتی باڑی تھا۔ لوگوں کو فی سبیل اللہ قرآن مجید اور علوم دینیہ کی تعلیم دیتے تھے۔ ان کے حدود اثر کا دائرہ منصور پور سے باہر نکل کر قرب و جوار کے قصبات و دیہات تک پھیل چکا تھا۔ لوگ دور دور سے احکام

شرعیہ سیکھنے اور اوامر ونواہی سے باخبر ہونے کے لیے ان کی خدمت میں حاضر ہوتے تھے۔

قاضی محمد سلیمان منصور پوری کے والد گرامی قاضی احمد شاہ جو ۱۲۵۰ھ (۱۸۳۴ء) کو منصور پور میں پیدا ہوئے۔ اپنے باپ دادا کی طرح علم وعمل اور تقویٰ وصالحیت کی دولت سے بہرہ ور تھے۔ باعمل عالم، تہجد گزار اور شب زندہ دار بزرگ تھے۔ دو حج کیے۔ پہلا حج ۱۳۱۳ھ (۱۸۹۶ء) میں کیا، دوسرا ۱۳۲۴ھ (۱۹۰۷ء) میں۔

قاضی احمد شاہ ۲۸ محرم ۱۳۲۸ھ (۱۹ فروری ۱۹۱۰) کو پٹیالہ میں فوت ہوئے اور وہیں دفن کیے گئے۔

قاضی احمد شاہ کی نرینہ اولاد تین بیٹے تھے، جن کے نام علی الترتیب یہ ہیں: محمد سلیمان، عبدالرحمٰن اور محمد۔ سب سے چھوٹے محمد تھے، جو کم سنی میں وفات پا گئے تھے۔ ان سے بڑے قاضی عبدالرحمٰن تھے۔ عابد وزاہد، متقی اور منکسر المزاج تھے۔

فن ریاضی اور ہیئت وفلکیات میں خاص طور سے مہارت رکھتے تھے۔ حضرت مولانا محی الدین عبدالرحمٰن لکھوی (متوفی ۱۳۱۳ھ) کے حلقۂ ارادت میں شامل تھے۔ تقسیم ملک کے بعد ۱۳ نومبر ۱۹۴۷ء کی شب کو وہ لاہور پہنچے۔ کچھ عرصہ بیمار رہے ۳۰ دسمبر ۱۹۴۷ء کو لاہور میں فوت ہوئے اور کرشن نگر کے قبرستان میں دفن کیے گئے۔

قاضی محمد سلیمان سلمان منصور پوری ۱۸۶۷ء (۱۲۸۴ھ) کو منصور پور میں پیدا ہوئے۔ والد کی طرح والدہ بھی نہایت صالحہ اور عبادت گزار خاتون تھیں۔ اپنے بیٹوں کو وضو کر کے دودھ پلایا کرتی تھیں۔

قاضی صاحب نے قرآن مجید اور اس دور کی مروّجہ ابتدائی تعلیم اپنے والد گرامی قاضی احمد شاہ سے حاصل کی۔ باقی علوم اس دور کے مختلف اہل علم سے پڑھے، جن میں موضع کوم (ضلع لدھیانہ) کے ایک عالم دین مولانا عبدالعزیز کوموی کا نام نامی بھی شامل ہے۔

۱۸۸۴ء میں قاضی صاحب نے مہندرا کالج (پٹیالہ) کی طرف سے پنجاب یونیورسٹی میں منشی فاضل کا امتحان دیا اور یونیورسٹی میں اول آئے۔ یہ سرکاری طور پر فارسی کی

اعلیٰ تعلیم کا امتحان تھا۔ قاضی صاحب کی عمر اس وقت سترہ برس تھی۔ اس عمر میں وہ علوم عربیہ دینیہ اور فارسی کی اعلیٰ مروّجہ تعلیم سے فارغ ہو چکے تھے۔

سرکاری ملازمت کے دائرے میں آنے کی عمر قانونی لحاظ سے کم از کم اٹھارہ سال تھی، لیکن قاضی صاحب اس سے چھ مہینے کم یعنی ساڑھے سترہ برس کی عمر میں بحیثیت سررشتہ دار محکمہ تعلیم میں ملازم ہو گئے تھے۔ دوسرے لفظوں میں یوں کہیے کہ ان کی ملازمت کا آغاز ریاست پٹیالہ کے محکمہ تعلیم کے سپرنٹنڈنٹ کے طور پر ہوا تھا اور وہ اس وقت ریاست کے تمام اہل کاروں سے کم عمر تھے۔ یہ ۱۸۸۵ء کی بات ہے۔

کم وبیش پندرہ سال وہ ریاست کے محکمہ تعلیم میں خدمت انجام دیتے رہے۔ ان کے حسنِ کار اور طریق عمل کے نہ صرف محکمہ تعلیم کے چھوٹے بڑے منصب دار مداح تھے، بلکہ دیگر سرکاری محکموں سے تعلق رکھنے والے اہل کار بھی ان کی کارکردگی کو سراہتے اور اپنی مجلسوں میں بطور مثال اس کا ذکر کرتے تھے۔

بعد ازاں محکمہ تعلیم سے قاضی صاحب کو عدلیہ کے محکمے میں منتقل کر دیا گیا تھا۔

اس کے بعد قاضی صاحب تمام عمر عدلیہ میں رہے اور تھوڑے عرصے میں اتنی ترقی کی کہ ریاست پٹیالہ کے سیشن جج بنا دیے گئے۔ اس نازک ترین محکمے میں ان کی زندگی کے بہت سے واقعات مشہور ہیں لیکن ان کی تفصیلات میں جانے کا یہ محل نہیں۔ سرکاری امور میں انتہائی مصروفیت کے باوصف قاضی صاحب نے علمی و تصنیفی سرگرمیاں ہمیشہ جاری رکھیں۔ قرآن، حدیث، فقہ، سیرت، تاریخ وغیرہ متعدد اہم عنوانات پر انھوں نے جس اسلوب میں اظہار خیال فرمایا، وہ اچھوتا اور منفرد نوعیت کا ہے۔ عیسائیت اور مرزائیت کے مختلف پہلوؤں کو بھی انہوں نے موضوع تحقیق بنایا اور اس موضوع پر لاجواب کتابیں لکھیں۔ جماعت اہل حدیث اور بعض دیگر مسالک کے تبلیغی جلسوں میں بھی وہ شرکت فرماتے تھے۔ بعض جلسوں کی صدارتی ذمہ داری سپرد ہوئی اور ان میں انہوں نے تحریری خطباتِ صدارت پڑھے۔ آل انڈیا اہل حدیث کانفرنس کے کئی اجلاسوں کی انھوں نے صدارت کی اور تحریری خطبات ارشاد فرمائے۔ لوگوں سے میل جول کا سلسلہ بھی جاری رکھتے تھے، اپنے اعزہ و

اقارب اور احباب و متعلقین کے معاملات میں بھی دلچسپی لیتے تھے۔ مسجد میں روزانہ درس قرآن بھی ان کے فرائض میں شامل تھا۔ خطبہ جمعہ بھی ارشاد فرماتے تھے۔ لوگ بذریعہ تحریر ان سے فقہی مسائل بھی دریافت کرتے اور وہ ان کا تحریری صورت میں جواب دیتے تھے۔ غرض ان کی زندگی کے شب و روز بہ درجہ غایت مصروفیت میں گزرتے تھے اور اللہ نے ان کو بے پناہ ہمت اور بوقلموں اوصاف سے نوازا تھا۔

ان کی تصانیف جیسا کہ عرض کیا گیا گوناگوں موضوعات پر مشتمل ہیں جو اہل علم سے خراج تحسین وصول کر چکی ہیں اور لوگوں نے ان سے خوب استفادہ کیا ہے اور استفادہ کر رہے ہیں۔ وہ تصانیف حسب ذیل ہیں۔

① مہر نبوت:

یہ سیرت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کی مختصر کتاب ہے۔ ۱۸۹۹ء میں پہلی دفعہ شائع ہوئی۔ پھر بار بار چھپی۔

② رحمۃ للعالمین:

سیرت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم سے متعلق یہ انتہائی اہم کتاب ہے جو تین جلدوں پر مشتمل ہے۔ اسے بہت سے ناشروں نے شائع کیا لیکن "مکتبہ اسلامیہ فیصل آباد" نے اسے نہایت عمدہ کاغذ اور نفیس کمپوزنگ کے ساتھ شائع کیا۔ ابتدا میں قاضی صاحب کے مفصل حالات شامل ہیں۔ اس سے پہلے کسی ناشر نے ان کے حالات نہیں لکھے۔

③ غایت المرام:

یہ کتاب مرزا غلام احمد قادیانی کی بعض کتابوں کے جواب میں لکھی گئی۔ سال تالیف ۱۸۹۳ء مرزا غلام احمد سمیت کوئی مرزائی آج تک اس کا جواب نہیں دے سکا۔

④ تائید الاسلام:

اس میں بھی مرزا غلام احمد قادیانی کے، ماوی اور افکار کی تردید کی گئی ہے۔ اس کا جواب بھی کوئی مرزائی نہ دے سکا۔ ۱۸۹۸ء میں مرزا صاحب کی زندگی میں چھپی۔

⑤ خطبات سلمان:

وہ خطبات صدارت جو قاضی صاحب نے برصغیر کی مختلف انجمنوں اور جلسوں میں ارشاد فرمائے۔ سب علمی اور تحقیقی نوعیتوں کے خطبات ہیں۔

⑥ تاریخ المشاہیر:

متعدد ائمہ دین، فقہا و محدثین، مشائخ کرام، شعراء و ادبا، مصنفین و مؤلفین اور ملوک و وزراء کے حالات و واقعات اس کتاب میں بیان کئے گئے ہیں۔

⑦ مسح جراب:

یہ علامہ جلال الدین القاسمی الدمشقی کی عربی کتاب کا اردو ترجمہ ہے، جس میں دلائل سے ثابت کیا گیا ہے کہ جرابوں پر مسح کیا جا سکتا ہے۔

⑧ استقامت:

۱۹۰۶ء کا واقعہ ہے۔ قاضی صاحب تحریر فرماتے ہیں "میں دفتر جا رہا تھا کہ راستے میں پوسٹ مین نے مجھے ایک خط دیا۔ جس میں صاحب مکتوب نے ارقام فرمایا تھا کہ اگر مجھے تسلی بخش جواب نہ ملا تو میں عیسائی ہو جاؤں گا۔ یہ خط پڑھ کر میں گھر کی طرف لوٹا کہ مبادا دیر ہو جائے اور وہ اسلام چھوڑ دے۔ چنانچہ آدھ گھنٹے میں یہ خط لکھا۔ ڈاک میں ڈالا اور دفتر روانہ ہوا۔" بعد میں یہ خط ایک مستقل کتاب بن گیا، جس کی اشاعت استقامت کے نام سے ہوئی۔ صاحب مکتوب بحمد اللہ اسلام پر قائم رہے۔

⑨ مکاتیب سلمان:

یہ چونتیس مکاتیب کا علمی مجموعہ ہے۔ مختلف حضرات نے قاضی صاحب سے جو استفسارات کئے، اس میں ان کے جواب دیئے گئے ہیں۔

⑩ برہان:

غازی محمود دھرم پال اپنے دور کی ایک بڑی اور معروف شخصیت کا نام تھا۔ وہ

۳ فروری ۱۸۸۲ء کو ضلع ہوشیار پور (مشرقی پنجاب) کے ایک گاؤں بہنوہ کے متدین خاندان میں پیدا ہوئے۔ ان کا نام عبدالغفور رکھا گیا۔ بڑے ذہین اور پڑھے لکھے آدمی تھے۔ ۱۴ جون ۱۹۰۳ء کو گوجرانوالہ میں ہندوؤں کا آریہ مذہب اختیار کر لیا اور اسلام اور مسلمانوں کے خلاف کئی کتابیں تصنیف کیں۔ پھر ان کی زندگی نے پلٹا کھایا اور قاضی صاحب نے ۴ مئی ۱۹۱۴ء کو بعض سوالات و اعتراضات کے جواب میں ایک طویل خط لکھا جسے پڑھ کر وہ قاضی صاحب کی خدمت میں گئے اور ۱۴ مئی ۱۹۱۴ء کو دوبارہ مسلمان ہو گئے۔ اپنا نام غازی محمود دھرم پال رکھا اور اسلام کے بہت بڑے مبلغ ہوئے۔ جمعۃ المبارک کے دن ۱۸ مارچ ۱۹۶۰ء (۲۰ رمضان المبارک ۱۳۷۹ھ) کو لاہور میں وفات پائی اور قبرستان میانی صاحب میں دفن کئے گئے۔

⑪ سفرنامہ حجاز:

۱۹۲۱ء میں قاضی صاحب نے پہلا حج کیا اور سفرنامہ حجاز لکھا جو اس دور کی سرزمین حجاز کی بہت سی معلومات کا احاطہ کئے ہوئے ہے۔

⑫ الصلوٰۃ والسلام:

امام ابن قیم رحمہ اللہ کی کتاب کا اردو ترجمہ۔

⑬ انجیلوں میں خدا کا بیٹا: عیسائیت کے خلاف۔

⑭ امام رازی کی تفسیر سورۃ الفلق کا ترجمہ۔

⑮ نماز مترجم۔

⑯ تبیان: حج و عمرہ کے مسائل پر مشتمل ہے۔

⑰ آئینہ تصوف: امام غزالی رحمہ اللہ کے بعض افکار کا ترجمہ۔

⑱ حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمہ اللہ کی حجۃ اللہ البالغہ کا اردو ترجمہ کیا۔ افسوس کہ مسودہ ضائع ہو گیا۔ کتاب چھپ نہ سکی۔

⑲ **ایک عرض کا جواب:** عیسائیوں کے بارے میں۔

⑳ **اصحابِ بدر:**

اس میں ان صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے حالات درج ہیں۔ جنہوں نے اسلام کی پہلی جنگ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ شامل ہونے کا اعزاز حاصل کیا۔

㉑ **شرح اسماء اللہ الحسنیٰ:**

اس میں اللہ تعالیٰ کے ننانوے ناموں کی تفصیل سے شرح کی گئی ہے۔ ہر نام کے لغوی۔ معنیٰ بھی بیان کئے گئے ہیں اور اصطلاحی بھی۔

㉒ **الجمال والکمال:**

قاضی صاحب کی تصانیف میں سے ایک مشہور اور اہم تصنیف الجمال والکمال ہے جو سورۂ یوسف کی تفسیر ہے۔ سورۂ یوسف کی اردو زبان میں بہت سے اہل علم نے تفصیلیں لکھیں ہیں، لیکن قاضی صاحب کی تحریر فرمودہ تفصیل سب سے منفرد نوعیت کی ہے۔ انہوں نے پہلا حج بیت اللہ ۱۹۲۱ء میں کیا تھا۔

وہ اس وقت پنجاب کی ریاست پٹیالہ کے سیشن جج تھے۔ ۵ مئی ۱۹۲۱ء کو پٹیالہ سے روانہ ہوئے اور دہلی آئے۔ وہاں کچھ قیام فرما کر بمبئی پہنچے۔ ۷ مئی کو بمبئی سے "جدہ" جہاز پر سوار ہوئے اور ۳ جون کی شام کو جدہ کی بندرگاہ میں اترے۔ اس زمانے میں مکہ مکرمہ، مدینہ منورہ، اور جدہ میں حاجیوں کی آمد ورفت کا ذریعہ اونٹ تھے، موٹروں، بسوں اور کاروں کا کہیں نام ونشان نہ تھا۔ نہ پکی سڑکیں تھیں، کچے اور ریتلے راستے تھے۔ قاضی صاحب جہاز سے اترتے ہی مکہ مکرمہ روانہ ہو گئے تھے۔ تیسرے دن ۵ جون ۱۹۲۱ء (۲۷ رمضان المبارک ۱۳۳۹ھ) کو سحری کے وقت مکہ مکرمہ پہنچے۔ پھر ۲۳ ذوالحجہ ۱۳۳۹ھ (۲۵ اگست ۱۹۲۱ء) تک وہیں قیام فرما رہے

سورۂ یوسف مکہ مکرمہ میں نازل ہوئی تھی اور قاضی صاحب نے وہیں اس کے لکھنے کا آغاز کیا اور وہیں ۱۷ ذوالحجہ ۱۳۳۹ھ (۲۲ اگست ۱۹۲۱ کو تفسیر مکمل کر لی) یعنی تقریباً ۲ (دو)

مہینے میں وہ اس فریضے سے سبک دوش ہو گئے۔ لکھنے پڑھنے میں وہ بہت تیز تھے اور علم کا خزانہ۔! انہوں نے حج بھی کیا، دیگر عبادات میں بھی مصروف رہے، عمرے بھی کئے، مکہ مکرمہ کے اندر اور باہر کے مختلف مقامات بھی دیکھے، بہت سے لوگوں سے ملاقاتیں بھی کیں، اپنے رفقائے سفر سے بھی میل جول رہا، ان میں سے بعض لوگ بیمار ہو گئے تھے، ان کی عیادت بھی کرتے رہے، کچھ افراد وفات پا گئے تھے، ان کی تکفین و تدفین کا انتظام بھی کیا۔

حج کے بعد ۲۴ ذوالحجہ ۱۳۳۹ (۱۹ اگست ۱۹۲۱ء) کو وہ مکہ مکرمہ سے مدینہ منورہ روانہ ہوئے اور تقریباً ۱۵ روز کے بعد ۱۰ محرم ۱۳۴۰ھ (۱۳ ستمبر ۱۹۲۱ء) کو مدینہ منورہ پہنچے۔ دو ہفتے وہاں قیام رہا۔ واپس مکہ کو روانہ ہوئے تو پتہ چلا کہ بدوؤں نے راستہ مسدود کر دیا ہے، پھر مکہ مکرمہ کی بجائے ان کا قافلہ ینبوع کو روانہ ہو۔ ینبوع میں جہاز کے انتظار میں انہیں ۱۵ دن ٹھہرنا پڑا۔ ۱۵ دن کے بعد جہاز آیا تو وہ بذریعہ جہاز جدہ پہنچے، وہاں سے وطن واپس آئے۔

خاتمہ تفسیر کے دس بارہ صفحے انہوں نے واپسی کے وقت جہاز میں لکھے اور آخر کے بارہ چودہ صفحات ان مشاہیر کے مختصر حالات پر مشتمل ہیں۔ جن کا ذکر تفسیر میں کیا گیا ہے۔

اس تفسیر میں بہت سی خصوصیات پائی جاتی ہیں، جن میں چند خصوصیات مندرجہ ذیل ہیں:

☆ اس میں مصر کی پوری تاریخ بیان کی گئی ہے۔

☆ وہاں کے دریاؤں، نہروں، تصنیف کے زمانے تک کے اخباروں، پہاڑوں، اہرام مصر، اہم شخصیتوں کا ذکر کیا گیا ہے۔

☆ وہاں کی مختلف حکومتوں اور حکمرانوں کا تذکرہ بالترتیب کیا گیا ہے۔

☆ نیز بتایا گیا ہے کہ ایک بہت بڑا مسلمان، کافر حکومت کی ملازمت کر سکتا ہے۔

☆ ملازمت کے لیے درخواست دی جا سکتی ہے۔

☆ مسلمان اور غیر مسلمان حکومت سے عہدہ و منصب کے حصول کا مطالبہ کیا جا سکتا ہے۔

☆ درخواست ملازمت میں اپنی قابلیت و صلاحیت کا اظہار کیا جا سکتا ہے۔

☆ حکومت یا کسی مجاز اتھارٹی سے اپنے جائز حقوق طلب کیے جا سکتے ہیں۔

☆ اپنی سچائی ثابت کرنے کے لیے حکمران اور عدالت کے دروازے پر دستک دی جا سکتی ہے۔

☆ تفسیر کی زبان اور انداز بیان نہایت عمدہ ہے۔اس تفسیر کے مطالعہ سے پتہ چلتا ہے کہ اگر قاضی صاحب پورے قرآن مجید کی تفسیر لکھتے تو بہت بڑے مفسر ہوتے اور لوگ بے شمار قرآنی نکات سے بہرہ ور ہوتے۔(رحمہ اللہ تعالیٰ)

قاضی صاحب نے دوسرے حج بیت اللہ سے بذریعہ بحری جہاز واپس آتے ہوئے ۳۰ مئی ۱۹۳۰ء کو جہاز میں وفات پائی۔اس جہاز میں مولانا اسماعیل غزنوی مرحوم بھی سوار تھے۔انہی نے ان کی نماز جنازہ پڑھائی اور میت سمندر کی لہروں کے سپرد کر دی گئی۔(رحمہ اللہ تعالیٰ)

محمد اسحاق بھٹی

اسلامیہ کالونی، ساندہ۔لاہور

یکم ذیقعدہ ۱۴۲۴ھ

۲۵۔دسمبر ۲۰۰۳ء

بسم اللہ الرحمن الرحیم

مُقدّمہ

قاضی سلیمان مرحوم کی کتاب ''الجمال والکمال'' یعنی سورۂ یوسف کی تفسیر، نہ پہلے کسی تعارف کی محتاج تھی اور نہ آج اس کے ساتھ کوئی توضیحی تحریر شامل کرنے کی ضرورت ہے۔ یہ کتاب جب پہلی مرتبہ چھپ کر منظر عام پر آئی تھی تو اس وقت بھی سلفیوں کے محتاط طریق تفسیر کا ایک نہایت عمدہ نمونہ تھی اور آج بھی کہ کتاب کی اشاعت پر چالیس سال گزر چکے ہیں۔ اس کی یہ امتیازی حیثیت اہل علم کے نزدیک مسلم ہے۔

یہ تفسیر اس زمانے میں مرتب ہوئی تھی جب مرحوم و مغفور پہلی مرتبہ حج کے لیے گئے تھے اور مسلسل اڑھائی مہینے مکہ مکرمہ میں رہے تھے۔ وہ خود فرماتے ہیں کہ تفسیر سورۂ یوسف لکھنے کا مدت سے شوق تھا۔ مکہ مکرمہ پہنچا تو یہ شوق زیادہ بڑھ گیا اور خیال آیا کہ اسی بلدِ امین میں کچھ لکھ لیا جائے۔ جہاں اس سورت کا نزول ہوا تھا۔

قاضی صاحبؒ کے سفرنامہ حج موسوم بہ ''سبیل الرشاد'' سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ ۵ مئی ۱۹۲۱ء کو پٹیالہ سے روانہ ہو کر دہلی ٹھہرتے ہوئے بمبئی پہنچے۔ وہاں سے ۷ امئی کو ''جدہ'' جہاز پر سوار ہوئے اور ۳ جون کی شام کو بندرگاہ جدہ میں اترے۔ اس زمانے میں آمد و رفت کا ذریعہ صرف اونٹ تھے۔ آج کل کی طرح موٹریں اور بسیں موجود نہ تھیں قاضی صاحبؒ اسی شام کو عازمِ حرم پاک ہوئے۔ ایک منزل جدہ میں کی اور ۵ جون ۱۹۲۱ء (۲۷ رمضان المبارک ۱۳۳۹ھ) کو سحری کے وقت مکہ مکرمہ پہنچ گئے۔ پھر ۲۳ ذی الحجہ ۱۳۳۹ھ (۱۲ اگست ۱۹۲۱ء) تک وہیں ٹھہرے رہے۔

اس اثنا میں انہوں نے عمرے بھی کئے ہوں گے، حج بھی کیا۔ عبادات میں بھی خاصا وقت گزارا ہوگا۔ اربابِ علم و عرفان اور اربابِ حکومت سے ملاقاتیں بھی کیں۔ رفیقانِ سفر میں سے ایک صاحب مکہ مکرمہ ہی میں بیمار ہوئے اور وفات پائی۔ ان کی تیمارداری اور کفن

دفن میں بھی وقت صرف ہوا ہوگا۔ سب سے آخر میں یہ کہ مکہ مکرمہ کے اندر اور باہر کے خاص مقامات بھی انہوں نے دیکھے، جن کی تفصیل ان کے سفرنامے میں موجود ہے اور ایسی مستند تفصیل شاید ہی کسی دوسرے سفرنامے میں مل سکے۔

ظاہر ہے کہ ان مصروفیتوں میں انہیں تفسیر کی تسوید کے لیے زیادہ وقت نہیں ملا ہوگا۔ بہ ایں ہمہ وہ ۱۷ ذی الحجہ ۱۳۳۹ھ (۲۲ اگست ۱۹۲۱ء) کو تفسیر مکمل کر چکے تھے۔ بعد میں انہیں وقت بھی نہیں مل سکتا تھا، کیونکہ چند روز سفر مدینہ کے لیے تیاری میں مصروف رہے۔ ۲۴ ذی الحجہ (۲۹ اگست) کو روانہ ہو کر ۱۰ محرم الحرام ۱۳۴۰ھ (۱۳ ستمبر ۱۹۲۱ء) کو مدینہ منورہ پہنچے۔ وہاں دو ہفتے گزار کر واپس ہوئے۔ تو بدوؤں کی سرکشی کے باعث راستہ مسدود ہو گیا اور انہیں مکہ مکرمہ آنے کے بجائے ینبوع جانا پڑا۔ جہاں پندرہ روز جہاز کے انتظار میں بیٹھے رہے۔ ینبوع سے بذریعہ جہاز جدہ پہنچے اور وہاں سے وطن واپس آ گئے۔

صرف خاتمۂ تفسیر کے دس بارہ صفحے انہوں نے واپسی کے وقت جہاز میں لکھے اور آخر کے بارہ چودہ صفحات میں ان مشاہیر کے مختصر حالات مرتب فرما دیئے جن کا ذکر تفسیر میں آ چکا تھا۔

اصل کتاب کے متعلق تفصیلی گفتگو کا یہ موقع نہیں، نیز ''رحمۃ للعالمین'' کے شہرہ آفاق مصنف کی کسی کتاب کے متعلق میرے لیے کچھ عرض کرنا کسی بھی بنا پر مناسب نہیں سمجھا جا سکتا۔ قاضی صاحبؒ خود فرماتے ہیں کہ قرآن مجید کی تفسیر میں دو بڑے اصول معمول بہ رہے ہیں: اوّل روایت، دوم درایت۔ بعض اصحاب نے روایات جمع کر دینے کے شوق میں ان کے قوت و ضعف اور صحت و سقم کا بھی خیال نہ رکھا، حالانکہ اعلام المحدثین روایات کی تنقید و تصحیح میں جو سعی بلیغ فرما چکے ہیں، اس کے بعد یہ راستہ بالکل سہل و ہموار ہو چکا ہے۔ جن اصحاب کو درایت سے دل بستگی تھی۔ انہوں نے صحیح اور مرفوع روایات کو بھی درخور اعتناء نہ سمجھا۔ حقیقت یہ ہے:

''جب کسی روایت کی صحت ثابت ہو جاتی ہے تو ساتھ ہی یہ بھی ثابت ہو جاتا ہے کہ ان سب راویوں کی (جو قدوۂ امت تھے) درایت بھی اس کے

ساتھ شامل ہے۔''

قاضی صاحبؒ نے جو نکتہ بیان فرمایا ہے، وہ خاص توجہ کا مستحق ہے اور اسے لازماً پیش نظر رکھنا چاہیے۔ جن روایات کی صحت مسلم ہے، ان کے راویوں کی درایت بھی مسلم مان لینی چاہیے۔ یہ حقیقت محتاج تصریح نہیں کہ جن اصحاب نے کسی روایت کے الفاظ کی صحت میں اہتمام کا کوئی دقیقہ اٹھا نہ رکھا، وہ ان کی معنویت سے چشم پوشی نہیں کر سکتے تھے۔ پھر ان کا درجہ کمال تحقیق اور عفت فکر و نظر میں اتنا بلند تھا کہ بعد کے لوگ اس کا تصور بھی نہیں کر سکتے۔ اقبالؔ اس باب میں کیا خوب فرما گئے ہیں:۔

عقل آبایت ہوس فرسودہ نیست کار پاکاں از غرض آلودہ نیست
فکرِ شاں ریسد ہمے باریک تر ورع شاں با مصطفیٰ نزدیک تر

بہر حال پوری تفسیر میں وہ تمام بنیادی اصول پیش نظر رہے، جو اہل علم کے نزدیک مسلم ہیں یعنی عربیت کی جامعیت، روایات صحیحہ کا اہتمام اور بیّن و واضح قرائن کے مطابق مختلف نکات کی توضیح۔ یہ کہنا غالباً مبالغہ نہ ہوگا کہ اردو زبان میں تفسیر کا یہ طریقہ ہر جگہ نظر نہیں آ سکتا۔

جہاں مصر کا ذکر آیا ہے۔ قاضی صاحبؒ نے وہ تمام معلومات یکجا کر دیں، جو میسر آ سکیں۔ صرف ایک لحاظ سے مجھے تشنگی محسوس ہوئی، یعنی حضرت یوسف علیہ السلام کے عہد کے مصر پر مرحوم توجہ نہ فرما سکے، حالانکہ تفسیر کے سلسلے میں اس کی خاص ضرورت تھی، یعنی اس وقت مصر کا مرکز حکومت کہاں تھا؟ دوسرے ضروری مقامات کون کون سے تھے؟ حضرت یعقوب علیہ السلام مصر پہنچے تو انہیں کہاں بسایا گیا؟ وغیرہ۔ معلوم ہوتا ہے کہ ان امور کے متعلق قاضی صاحب کو بوقت تحریر کوئی مستند ماخذ نہ مل سکا۔

تفسیر میں بعض نکات نہایت اہم اور دلآویز ہیں۔ مثلاً:

① جہاں حضرت یوسف علیہ السلام پر تہمت کا واقعہ بیان ہوا ہے، وہاں عزیز مصر کی بیوی کے گھرانے سے ایک گواہ نے فیصلے کا طریقہ یہ بتایا تھا کہ اگر یوسف علیہ السلام کا کرتا آگے سے پھٹا ہو تو عورت سچی اور اگر کرتا پیچھے سے پھٹا ہو تو عورت جھوٹی

اور یوسف علیہ السلام سچے۔

قاضی صاحبؒ اس سلسلے میں لکھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں سکھا دیا ہے:

''جب شہادت واقعہ موجود نہ ہو، تب قرائن صحیحہ و قیاسات قریبہ میں شہادت کا کام دے جاتے ہیں۔''

جن لوگوں نے عمر فاروق اور علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہما کے فیصلہ جات کو پڑھا ہے۔ وہ جانتے ہیں کہ ائمہ اسلام نے کس عمدگی سے اس اصول کا استعمال کیا ہے اور وہ فراست صادقہ کی شمولیت سے حقیقت اصلیہ کا انکشاف کس عمدگی سے کیا کرتے تھے۔

② عزیز مصر پر اپنی بیوی کی غلط بیانی اور تہمت طرازی آشکارا ہوگئی تو اس نے بیوی سے کہا:

بے شک یہ ایک فریب ہے تم عورتوں کا، البتہ تمہارا فریب بڑا ہے۔ ﴿قَالَ اِنَّهٗ مِنْ كَيْدِكُنَّ ۭاِنَّ كَيْدَكُنَّ عَظِيْمٌ﴾ [۱۲/ یوسف:۲۸]

ایسے لوگ بھی ہیں جو عورتوں کی مذمت بیان کرتے ہوئے دلیل میں یہ آیت پڑھ دیا کرتے ہیں۔ قاضی صاحبؒ فرماتے ہیں:

''انہیں یاد رکھنا چاہیے کہ یہ ارشاد ربانی نہیں بلکہ شوہرِ زن کا قول ہے یعنی ایک ایسے مرد کا قول جو ایک طرف اپنی عزت کے خوف سے عورت کی بات دبانا چاہتا ہے۔ ایک طرف اس واقعہ سے ملول بھی ہے اور ایک طرف یوسف صدیق علیہ السلام سے محجوب بھی ہے۔ وہ اپنی عورت کو الزام دیتے ہوئے یہ نہیں سمجھتا کہ قصوروار ہی کو ملزم ٹھہرانا چاہیے۔ بلکہ وہ کل جنس اناث کو مطعون ٹھہرا دیتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی نگاہ میں کوئی مرد مرد ہونے کی وجہ سے اور کوئی عورت عورت ذات ہونے کی وجہ سے قابل عزت یا قابل نفرت نہیں۔ عزت و ذلت کا مدار انسان کے اعمال ہیں۔''

③ تفسیر میں ضمناً تاریخ اسلام یا سیرت طیبہ سے بعض واقعات پیش کرتے گئے ہیں۔

④ آخر میں حضرت یوسف علیہ السلام اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے احوال کی مماثلت کے بائیس پہلو یک جا بیان کر دیے ہیں۔

⑤ قاضی صاحبؒ بائیبل کے بھی یگانہ عالم تھے جہاں کہیں انہیں ضرورت محسوس ہوئی، بائیبل پر تبصرہ فرماتے گئے۔ حضرت یعقوب علیہ السلام اور ان کے متعلقین میں سے جو مصر پہنچے ان کی تعداد پر جو جامع اور مفصل بحث فرمائی ہے۔ وہ بجائے خود ایک نہایت اہم علمی کارنامہ ہے۔

بہر حال قاضی صاحب مرحوم و مغفور کی یہ تفسیر آج بھی حد درجہ قابل قدر ہے۔ میں خوش ہوں کہ یہ گراں قدر کتاب از سر نو خاص اہتمام سے شائع کی جارہی ہے۔

مہر

مسلم ٹاؤن، لاہور

۲۱ اکتوبر ۱۹۶۲ء

اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ ط

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْ اَنْزَلَ عَلٰی عَبْدِہِ الْکِتَابَ وَلَمْ یَجْعَلْ لَّہٗ عِوَجًا قَیِّمًا لِّیُنْذِرَ بَأْسًا شَدِیْدًا مِّنْ لَّدُنْہُ وَیُبَشِّرَ الْمُؤْمِنِیْنَ وَاَشْھَدُ اَنْ لَّآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحْدَہٗ لَا شَرِیْکَ لَہٗ اِلٰھًا وَاحِدًا اَحَدًا فَرْدًا صَمَدًا وَّ اَشْھَدُ اَنَّ سَیِّدَنَا مُحَمَّدًا عَبْدُہٗ وَرَسُوْلُہٗ اَلَّذِیْ اَخَذَاللّٰہُ مِنَ النَّبِیِّیْنَ مِیْثَاقَہٗ وَاَرْسَلَہٗ رَحْمَۃً لِّلْعَالَمِیْنَ فَصَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلٰی خَیْرِ مَبْعُوْثِہٖ مُحَمَّدٍ سَیِّدِ الْاَوَّلِیْنَ وَالْاٰخِرِیْنَ وَخَاتَمِ الْاَنْبِیَآءِ وَالْمُرْسَلِیْنَ وَعَلٰی اٰلِہٖ وَصَحْبِہٖ اَجْمَعِیْنَ اِلٰی یَوْمِ الدِّیْنِ ○

اَمَّابَعْدُ۔ تفسیر قرآن مجید کے متعلق دو بڑے اصول معمول بہ رہے ہیں:

اوّل: روایت دوم: درایت

بعض روایت کے اتنے شیدائی تھے کہ انہوں نے قوت وضعف اور صحت وسقم روایت کی بھی پروانہ کی۔ حالانکہ اَعْلَامُ الْمُحَدِّثِیْنَ رَحِمَھُمُ اللّٰہُ اَجْمَعِیْنَ نے ہر ایک روایت کی تنقید وتصحیح میں سعی بلیغ فرمائی تھی۔

① اور بعض درایت کے اتنے فدائی تھے کہ انہوں نے اپنے فہم کے مقابلہ میں روایات صحیحہ ومرفوعہ کی بھی کچھ وقعت نہ کی۔

لیکن حقیقت صادقہ یہ ہے کہ جب کسی روایت کی صحت ثابت ہو جاتی ہے تو یہ بھی ثابت ہو جاتا ہے کہ ان سب راویوں کی (جو قدوۂ امت تھے) درایت بھی اسی کے ساتھ شامل ہے۔

لہٰذا محض درایت کی بنیاد پر روایات صحیحہ سے اختلاف کرنے والوں کو تنہا اپنے ذاتی فہم وقیاس پر نہ اعتماد کرنا چاہیے اور نہ دھوکا کھانا چاہیے۔

② مجھے سورۂ یوسف کی تفسیر قلم بند کرنے کا مدت سے شوق تھا۔ مکہ معظمہ میں پہنچنے کے بعد یہ شوق زیادہ بڑھ گیا کہ اسی بلد الامین میں کچھ لکھا جائے۔ جہاں اس سورۂ مبارکہ کا نزول ہوا تھا۔

اتفاق حسنہ سے مجھے یہاں چند ایسے کریم النفس احباب مل گئے۔ جنھوں نے اپنی کتابیں مجھے مہیا کر دیں۔

اب ناظرین کی خدمت میں ادب سے وہ چند اوراق پیش کیے جاتے ہیں۔ جو مکہ معظمہ میں لکھ لیے گئے تھے اور جن پر واپسی کے بعد ہندوستان میں نظرِ ثانی کر لی گئی ہے۔

مجھے صدق دل سے اعتراف ہے کہ تفسیر لکھنا میری حیثیت سے بہت بالاتر ہے لیکن صرف خدمت قرآن حکیم کا شوق ہے کہ اس وادی میں قدم رکھنا جو اہل ہوا و ہوس کے لیے پر خار ہے اور متبعین کے لیے خُلد بہار۔

اللہ تبارک وتعالیٰ اس ناچیز خدمت کو قبول فرمائے اور اس کا ثواب میرے والدین اَللّٰھُمَّ اغْفِرْ لَھُمَا وَارْحَمْھُمَا کے نامۂ اعمال میں ثبت فرمائے اور میری زلات کو اپنی مغفرت و رحمت سے عفو فرمائے۔

وَ اٰخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ وَ سَلَامٌ عَلَى الْمُرْسَلِيْنَ وَ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلٰى خَيْرِ خَلْقِهٖ مُحَمَّدٍ وَ اٰلِهٖ وَ بَارِكْ وَسَلِّمْ

راجی شفاعت وغفران

محمد سلیمان سلمانؒ

۱۹/محرم الحرام ۱۳۴۱ ہجری المقدسہ

قصیدہ

در نعت مصطفوی صلی اللہ علیہ وسلم

در دلم جو شد ثنائے رحمۃ للعالمین   آفتاب عالم جان و ضیائے چشم دین
اوست صدق وصدق آورد و کلامش نیز صدق   دین او حق ست واو حق ست حق جُز حق مبین
او دلیل صد ہزاران واصلانِ قرب رب   او کلیدِ صد علوم اولین و آخرین
مسند آرائے نبوت بود او در قدس گاہ   منجدل چوں بود آدم درمیان ماء وطین
در کلام او حیاتِ تازۂ دل مردگاں   پنجۂ اشت ور دست وارد چشمۂ ماء معین
اُسوہ اش ہدیٰ مبین ست و کلام اللہ علم   قلب ایں علم وعمل را یافت شیر و انگبین
از دل او ہر چہ خیزد قدسیاں را رہ نما   از لب او ہر چہ ریزد صادقین را دل نشین
احتشام او ہویدا از کلام ذوالجلال   نور او پیدا وہم پنہان بآیات مبین
اسم او مہر سلیمان را دہد شان جلیل   نام او روشن بفر مایدسیہ بخت نگین
درس گاہ قدس اورا ابجد دیگر بود   حرف آغازش بود ایمان و انجامش یقین
منکر او دور ماند از رحمت پروردگار   رحمۃ للعالمینش خواند رب العالمین
جرعہ جام ولائے او بخشد زندگی   رفت بے بہرہ ازیں سکندر ظلمت نشین
اتباعش کرد لازم برہمہ آمرزگار   این رساند انسی و جان رابفردوس برین
خائب و خاسر نماند مذنب خائف دگر   خیر معطین است خالق او شفیع المذنبین
حق تعالیٰ رابود در حشر مردم حکمتے   تانمائد جاہ او بر آخرین و اولین
نعت او تصدیق فرمایندہ پیشیناں   خلق او را ترجمانی کرد قرآن مبین
این تمام نعت وہم این کمال معرفت   نوع انساں یافت از وے خلعت رضوان ودین
ختم شد بر او نبوت یافت دین از وے کمال   شست اندر خانقاہ سدرہ اش روح الامین
مدح او چون آب بر فوارہ ریزد برزبان   نام او چون مہرمہ رانور بخشِ ذاکرین
درہوائے شہر او چوں ذرہ پرد پیکرم   درخیال مسجد او سجدہ رقصد در جبین

حبّ او از ہر چہ باشد برتر و خوش تر بود
غایت ایماں ہمیں است و ہمین است ذ ہمیں

در غم دوری او چشم سر شکے چند ریخت
گفت رضواں زینتِ حور است این در ثمین

اے امام مرسلان اے حاملِ ام الکتاب
بخش و بخشائش بود مہر ترا بر اہل کین

بر مقام برتر محمود ، پانہ ، تا کنند
انبیا زیر لواء الحمد جائے خود گزین

خواہ از دا ور کہ در راہکت شوم صحرا نورد
اے غبار آستانت سرمۂ چشمانِ عین

آن سلیمانم کہ خاک آستانِ پاک تو
کرد مستغنی مرا از حُبّ دینیم و نگین

احقر
سلمان منصور پوری

فصل

سورۃ ❶ یوسف مَکِّیَّۃٌ رکوع ۱۲، آیات (۱۱۱)

حروف مقطعات بامعنی ہیں

الٓرٰ ۔اس سورہ کا آغاز الف ۔لام ۔ راسے ہوا ہے ۔اس لیے حروف مقطعات قرآنی کی بحث شروع ہو جاتی ہے ۔علمائے اسلام کا اتفاق ہے کہ یہ حروف مہمل نہیں ۔اس لیے ان کے معانی پر تکلم کیا گیا اور بہت سے اسرار غامضہ بیان کر کے دل و گوش حق نیوش کی مہمانی کی گئی ہے ۔تاہم یہ اعتراف کیا گیا ہے کہ ہنوز معانی کا حصر نہیں ہوا۔

یہ مختصر تفسیر اس دقیق بحث کے لیے موزوں نہیں ۔ لہٰذا یہاں صرف چند معمولی معلومات کا اندراج کیا جاتا ہے۔

وہ سورتیں جن کا آغاز مقطعات سے ہوتا ہے

قرآن مجید میں ۱۱۴ سورتیں ہیں ۔ان میں سے ۲۹ کا آغاز حروف مقطعات سے ہوتا ہے۔

یک حرفی	۳	ص ۔ ق ۔ ن ۔
دوحرفی	۹	حٰمٓ ۶ ۔ طس ۔النمل ۔ طٰه ۔ یس
سہ حرفی	۱۳	الٓمٓ ۶ (بقرۃ ۔ال عمران، عنکبوت ۔ روم ۔ لقمان ۔ سجدۃ ۔ الٓر ۔ یونس ۔ہود ۔یوسف ۔ابراھیم ۔الحجر ۔طسٓم ۲ شعراء ۔ القصص
چار حرفی	۲	الٓمٓص، اعراف، الٓمٓر، رعد ۔
پنج حرفی	۲	کٓھٰیٰعٓصٓ، مریم، حٰمٓعٓسٓقٓ، شوریٰ

حروف جن کا مقطعات میں استعمال ہوا

عربی کے حروف تہجی ۲۸ ہیں ۔مقطعات میں صرف ۱۴ حروف کا استعمال ہوا ہے۔
مستعمل شدہ حروف کا شمار استعمال ذیل کے نقشہ سے واضح ہوگا۔

---

❶ لغت میں سورۃ کے معنی عظمت، عزت، منزلت افزونی حصہ ہیں اور قرآن مجید کی ہر ایک سورت کو انہی معانی پر نظر کرتے ہوئے سورۃ کہا گیا ہے۔

الف	۱۳	ح	۸	ر	۲	س	۴
ص	۳	ط	۴	ع	۲	ق	۲
ک	۱	ل	۱۳	م	۱۸	ن	۱
ہ	۲	ی	۲				

اس میں کچھ شک نہیں کہ جن حروف کا استعمال زیادہ ہوا۔ان کو دیگر حروف پر شرف ہے۔ یہ شرف بلحاظ علم اللسان بھی ہے اور باعتبار علم النفس بھی۔اس کی بحث ان شاء اللہ کسی دوسرے رسالہ میں کی جائے گی۔

اس جگہ اتنا لکھ دینا کافی ہے کہ جن پانچ سورتوں کا آغاز الٓر سے ہے۔ان سب میں احوال انبیا کا بیان ہے۔

﴿ تِلْكَ اٰيٰتُ الْكِتٰبِ الْمُبِيْنِ۝﴾[۲۶/الشعرآء:۲]

''یہ روشن کتاب کی آیتیں ہیں۔''

لفظ ''آیت'' کے معانی متعدّدہ

اٰیات: آیت کی جمع ہے۔قرآن حکیم میں لفظِ آیت کا استعمال متعدد معانی میں ہوا ہے:

① ﴿ قَدْ كَانَ لَكُمْ اٰيَةٌ فِيْ فِئَتَيْنِ الْتَقَتَا﴾ [۳/آل عمران:۱۳]

''وہ دو گروہ (مسلمان و قریش جو بدر میں) لڑے تھے ان کے حال میں تمہارے لیے عبرت ہے۔''

یہاں آیت بمعنی عبرت واستدلال ہے۔

② ﴿فِيْهِ اٰيٰتٌۢ بَيِّنٰتٌ مَّقَامُ اِبْرٰهِيْمَ وَمَنْ دَخَلَهٗ كَانَ اٰمِنًا﴾[۳/آل عمران:۹۷]

''کعبہ میں روشن نشانیاں ہیں۔مقام ابراہیم ہے اور جو اس میں آ جاتا ہے وہ امن میں آ جاتا ہے۔''

کعبہ حسی شے ہے جسے عظمت تاریخی اور حرمتِ ربانی حاصل ہے اور امن بسیط غیر مادی شے ہے،ان کو آیات فرمایا۔

③ ﴿ اِذَا تُتْلٰى عَلَيْهِمْ اٰيٰتُ الرَّحْمٰنِ﴾ [۱۹/مریم:۵۸]

''جب ان پر رحمٰن کی آیات پڑھی جاتی ہیں۔''

یہاں آیت بمعنیٰ کلام اللہ ہے۔

④ ﴿ وَ قَالُوْا لَوْ لَآ اُنْزِلَ عَلَيْهِ اٰيٰتٌ مِّنْ رَّبِّهٖ ﴾ [۲۹/العنکبوت:۵۰]

''کہتے ہیں کہ اس کے رب کی طرف سے معجزے کیوں نہیں اترتے۔''

یہاں آیات بمعنی معجزہ مادیہ ہے۔

⑤ ﴿وَ فِي الْاَرْضِ اٰيٰتٌ لِّلْمُوْقِنِيْنَ ۙ وَ فِيْٓ اَنْفُسِكُمْ ﴾ [۵۱/الذاریات:۲۰]

''زمین میں اور تمہارے نفوس میں ایقان والوں کے لیے آیات ہیں۔''

یہاں آیات بمعنی دلائل حقہ ہیں۔

آیت زیر تفسیر میں لفظ آیات بمعنی جزو کلام الٰہی ہے اور قرآن مجید کے ہر ایک فقرہ کو آیت ہی کہا جاتا ہے۔ وجہ یہ ہے کہ مذکورہ بالا معانی میں سے خواہ کسی معنی کا بھی اعتبار کیا جائے قرآن مجید کا ہر ایک فقرہ بالضرور آیت ہے۔ وہ معجزہ بھی ہے اور نشان قدرت بھی۔ وہ نصیحت بھی ہے، عبرت بھی اور اس کا ہر ایک حرف کلام اللہ بھی۔ وہ بہترین برہان ہے اور برترین صداقت اپنے اندر رکھتا ہے۔ علاوہ ازیں آیت بمعنی پیغام بھی ہے۔

اَلَا اَبْلِغَا هٰذَا الْمُعْرِضَ اٰيَةً اَيَقْظَانُ قَالَ الْقَوْلَ اِذْ قَالَ اَمْ حَلَمْ [1]

قرآن مجید کی ہر ایک آیت منجانب اللہ ایک پیغام ہے۔ اس لیے بھی اس اسم سے موسوم ہے۔

کِتٰبٌ: قرآن مجید کو کتاب فرمایا۔

قرآن کے متعلق اللہ کے چار وعدے

① کیونکہ جوں ہی کوئی آیت نازل ہوتی تھی۔ فوراً ہی لکھی جاتی تھی۔ اگرچہ اللہ تعالیٰ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو متعدد آیات میں یہ ارشاد فرما دیا تھا۔

الف: کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم قرآن مجید کو کبھی نہ بھولیں گے۔

﴿سَنُقْرِئُكَ فَلَا تَنْسٰٓى ۙ﴾ [۸۷/الاعلیٰ:۶]

''ہم تجھے پڑھائیں گے پھر تو نہ بھولے گا۔''

[1] تم دونوں اس معرض کو پیغام پہنچا دو کہ اس نے جاگتے ہوئے یہ بات کہی ہے یا خواب میں۔

ب: بتلا دیا تھا کہ اس کلام پاک کی جمع و ترتیب کا ذمہ دار بھی خود اللہ تعالیٰ ہے۔

﴿ اِنَّ عَلَيْنَا جَمْعَهٗ وَ قُرْاٰنَهٗ ۝ۚ﴾ [۷۵/القیامۃ:۱۷]

''ہم پر اس کا جمع کرنا اور پڑھ دینا ہے۔''

ج: فرما دیا تھا کہ زمان مستقبل میں بھی حفاظت رب العالمین ہی فرمائے گا۔

﴿وَ اِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ ۝﴾ [۱۵/الحجر:۹] ''ہم اس کی حفاظت کرنے والے ہیں۔''

د: فرما دیا تھا کہ ایک ایسی جماعت ہمیشہ موجود رکھی جائے گی۔ جن کے سینوں میں قرآن پاک محفوظ رکھا جائے گا۔

﴿ بَلْ هُوَ اٰيٰتٌۢ بَيِّنٰتٌ فِيْ صُدُوْرِ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ ﴾ [۲۹/العنکبوت:۴۹]

''قرآن تو وہ روشن آیات ہیں جو علم والوں کے سینہ میں ہیں۔''

تاہم نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو کتابت قرآن حمید کا اتنا شغف تھا۔ کہ کسی آیت کا نزول خواہ رات دن کے کسی وقت میں ہوتا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم فوراً ہی کاتب کو طلب فرماتے۔ آیت منزلہ تحریر کروا دیتے۔

اس آیت کی ترتیب دیگر آیات کے ساتھ کہ اسے کہاں لکھا جائے۔ کس آیت سے پہلے، کس آیت کے بعد اسی وقت عمل میں لاتے تھے اور پھر نماز میں اسی ترتیب کے مطابق سب کو پڑھ کر بھی سنا دیتے تھے۔

کتاب کہنے کی وجہ اول

پس وہ کلام جس کے نزول کے ساتھ ساتھ کتابت کا اس قدر اہتمام کیا گیا ہو۔ اسے کتاب کے نام سے موسوم کیا جانا بالکل صحیح ہے۔

کتاب کہنے کی وجہ دوم

دوسری وجہ یہ ہے کہ قرآن مجید قبل از نزول بھی لوح محفوظ میں تحریر شدہ ہے۔

کتاب کہنے کی وجہ سوم

تیسری وجہ یہ ہے کہ کتب کے معنی اصل لغت میں جمع کرنا ہے۔ كَتَبَ الْكِتَابَ اسی

لیے کہا جاتا ہے کہ حروف کو حروف کے ساتھ سطح کاغذ پر جمع کیا جاتا ہے۔ محاورات عرب پر غور کرو۔ كَتَبَ الكتائِبَ۔ فوجی دستے جمع کیے، كَتَبَ السِّقَاء۔ چرمی حوض لگایا، كَتَبَ النَّاقَةَ۔ ناقہ کے تھن میں دودھ جمع کیا۔ پس اصل لغت کے لحاظ سے قرآن مجید کو کتاب کہنا درست ہوا اور اندریں حالت اس کا ترجمہ الجامع ہوا یعنی وہ کلام جو مواعظ وامثال، انذار و تبشیر، احکام وحکم شریعت وحکمت کا جامع ہے۔

قرآن پاک کن وجوہ سے مبین ہے

مبین لازم ومتعدی

بَانَ الشَّیئُ . یَا اَبَانَ الشَّیئَ سے ہے۔ یعنی لازم ومتعدی ہر دو معانی کے لیے۔

کتاب حمید بذات خود بھی روشن ہے کیونکہ اپنے موضوع کو نہایت واضح طریق سے بیان کرتی ہے۔

نیز واضح کرنے والی بھی ہے کیونکہ واقعات واحکام اور اخبار ماضی و مستقبل کو بھی وضوح میں لاتی ہے۔ اس نے رُشد و غیّ اور حق و باطل پر بخوبی روشنی ڈال دی ہے:

﴿ اِنَّآ اَنْزَلْنٰهُ قُرْءٰنًا عَرَبِيًّا لَّعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ ﴾ [۱۲/ یوسف:۲]

''ہم نے اسے اتارا ہے۔ وہ پڑھی جانے والی کتاب اور عربی ہے۔ تاکہ تم اسے خوب سمجھ سکو۔''

اَنْزَلْنَاهُ: کی ضمیر کتاب کی طرف ہے اور قرآناً بطور بدل واقع ہے۔

قُرْءٰنًا: قرآن قرء سے مصدر ہے اور مصدر کو مبالغہ کے لیے استعمال کیا گیا ہے کتاب حمید کو قرآن بتلانے میں ایک پیشگوئی بھی مضمر ہے۔

''یعنی یہ کتاب بکثرت پڑھی جانے والی ہے۔'' ساڑھے تیرہ سو سال کا زمانہ دراز شاہد عدل ہے کہ یہ پیشگوئی کیوں کر تسلسل وتواتر کے ساتھ پوری ہو رہی ہے۔ یہی وہ کتاب ہے جو ازاول تا آخر محراب مسجد میں پڑھی اور سنائی جاتی ہے۔

یہی وہ کتاب ہے جسے ایک دن میں پانچ وقت کروڑوں اشخاص پڑھ لیتے ہیں۔

دوسری وجہ تسمیہ اسم قرآن کی یہ ہے کہ یہ قرأت الماء فی الحوض کے محاورہ سے بنایا

گیا ہے۔ اس کے معنی ہیں ''حوض میں پانی جمع کر دیا گیا۔'' چونکہ کتب اولین کے جملہ علوم اس کتاب میں جمع کر دیئے گئے ہیں۔ اس لیے اس کا نام قرآن ہوا۔[کتاب الفوائد لابن قیمؒ]

ایک ہی آیت میں کتاب و قرآن کو لانے کی خاص وجہ

اس ایک ہی آیت میں اس کلام پاک کے دو وصفی نام جمع کر دیئے گئے ہیں۔

(۱) کتاب (۲) قرآن۔ اگر کوئی شخص دنیا بھر کے تمام مذاہب کتب کی تاریخ پر نظر ڈال سکتا ہے۔ تو وہ دیکھے کہ دنیا کی کسی کتاب پر کتاب اور قرآن کے دونوں اوصاف ہر وقت اور ہر زمانہ میں پورے ہوتے ہوئے نظر نہ آئیں گے۔

کوئی کتاب لکھی گئی تو پڑھی نہ گئی۔ کوئی کتاب پڑھی گئی تو لکھی نہیں گئی لیکن ابتدائے نزول اور بدو شیوع سے یہ دونوں صفات جس کلام پاک میں صادق آتے ہیں وہ یہی کلام حمید ہے اور یہ بھی قرآن پاک کی وہ اعلیٰ خصوصیت ہے جو اسے اپنے اوصافِ عالیہ کے لحاظ سے فرقان ٹھہراتی ہے۔

عَرَبِیًّا: یعنی قرآن کو عربی زبان میں اُتارا۔

قرآن کا عربی ہونا احسان بر عرب ہے

الف: یہ احسان اہل عرب پر بھی ہے کہ قرآن کو عربی میں اتارا کیونکہ وہ بعثت مصطفوی صلی اللہ علیہ وسلم سے پیشتر تعلیمات اور فیوض نبوت سے بالکل محروم تھے۔ عرب میں ہزارہا سال سے کوئی نبی نہ ہوا تھا اور اہل عرب تمام دنیا سے الگ تھلگ رہنے کی وجہ سے کسی دوسری زبان سے آشنا نہ تھے۔

قرآن کا عربی ہونا احسان بر عالم (جہاں) ہے

ب: یہ احسان جملہ اہل عالم پر بھی ہے کہ قرآن کو عربی میں اتارا گیا۔ یہ امر تو ہر شخص تسلیم کرے گا کہ کتاب کے لیے کوئی نہ کوئی زبان ہونی چاہیے۔

آخری کتاب کی زبان

لیکن فیصلہ طلب سوال یہ تھا کہ آخری کتاب کے لیے کس زبان کو حق ترجیحی

حاصل ہے؟

کیا اس کے لیے کوئی ایسی زبان اختیار کی جاتی۔ جس کا پہلے سے دنیا میں کوئی وجود نہ تھا۔ اگر اسی کو پسند کیا جاتا تو پھر اس سوال کا تعلق اس زبان سے ہو جاتا۔ جسے اس انوکھی زبان کی اولین ترجمان بننے کا شرف دیا جاتا۔

زبان جدید

کیا کوئی ایسی زبان اختیار کی جاتی۔ جو عہد قدیم میں مروج نہ تھی، نہیں! کیوں کہ مندرجہ بالا صورت میں بھی ایسی مشکلات موجود ہیں جن کا حل دشوار ہے۔

کوئی یورپین زبان

کیا کوئی یورپین زبان پسند کی جا سکتی تھی؟ نہیں! کیونکہ یورپ روحانیت میں ہمیشہ ایشیا کا شاگرد رہا ہے۔ 1

ابراہیم علیہ السلام کی رائے کا تقدم

یہودیوں، عیسائیوں، صابیوں اور مسلمانوں کی تعداد کا مجموعہ دنیا کی باقی دیگر اقوام سے بہت زیادہ ہے۔ اس لیے ان سب کے پدر بزرگوار ابراہیم خلیل الرحمٰن علیہ السلام کی رائے کو اس بارے میں تقدم ملنا چاہیے۔

مکہ عالم کے لیے مرکز واحد بنایا گیا

سیدنا ابراہیم علیہ الصلوۃ والسلام نے جملہ عالم کی اصلاح کے لیے مکہ بطور مرکز واحد

---

1 اخبار الاندلس کا مصنف ایس۔ پی سکاٹ تسلیم کرتا ہے کہ انگریزی زبان کے سب سے زیادہ روزمرہ کی اصطلاحات بغیر تبدیلی کے عربی زبان سے لیے ہوئے اب تک ہماری زبان میں موجود ہیں۔ فرنچ زبان کے اکثر الفاظ و محاورات عربی زبان سے ماخوذ ہیں۔ ہسپینی زبان کو تو بگڑی ہوئی عربی کہا جاتا ہے۔ زبان اطالیہ پر جزائر صقلیہ کے مسلمانوں نے ڈالا وہ صاف طور پر ظاہر ہوتا ہے، ان فقرات سے معلوم ہو گیا کہ یورپ کی زبانوں نے خود عربی سے اپنے روزمرہ کی ضروریات کو مانگ تانگ کر پورا کر لیا ہے۔ لہٰذا ان میں حق ترجیحی کی خصوصیات کب مل سکتی ہیں۔ کتاب ام الالسنہ میں ۴۷۳ ایسے الفاظ کی فہرست دی گئی ہے جو انگریزی زبان سے لیے گئے ہیں۔ یہ مصنف کی ابتدائی کوشش ہے۔ اگر سب مسلمان اس موضوع کی تکمیل پر متفق ہو جائیں۔ تو اس کا شمار ہزاروں تک پہنچ سکتا ہے اور بداہۃً آشکار کیا جا سکتا ہے کہ ام القریٰ مکہ ہی کی زبان ام الالسنہ ہے۔

قائم فرمایا تھا اور انہوں نے اس اصلاح کل کے کام کی بنیاد اور ترقی کی ذمہ داری اپنے پہلے فرزند سیدنا اسمٰعیل علیہ السلام پر ڈال دی تھی بوجہ اس اعلیٰ قابلیت کے جو ان کی ذات مستجمع الصفات میں مرکوز و موجود تھی۔

اسمٰعیل علیہ السلام مختلف السنہ کے عالم اور عربی میں مبلغ تھے

اسمٰعیل علیہ السلام کی پدری زبان بابلی تھی۔ مادری زبان قبطی تھی۔ ان کی علمی زبان عبرانی تھی۔ فلسطین میں رہ کر انہوں نے وہاں کی زبان پر عبور حاصل کر لیا تھا۔ وہ یمن، حضرموت، نجد و بطحاء کے لیے مبعوث تھے۔ جہاں کی زبان عربی تھی۔

وہ حجاز کے حکمران خاندان کے داماد تھے۔ ان کی دوسری بیوی مصر سے لائی گئی تھی۔ چونکہ عربی ہی ایسی زبان تھی۔ جس سے اسمٰعیل علیہ السلام کو تبلیغ کرنی پڑی اس لیے عربی ہی ایسی زبان بن گئی تھی جس میں مندرجہ بالا ممالک کے علوم کی جامعیت پیدا ہو گئی تھی اور انوار نبوت اور علوم سماویہ کے اجتماع نے اسے جامع تر اور مکمل تر بنا دیا تھا۔

عربی زبان کے حق ترجیحی کی تائید میں یہ ایک وجہ منجملہ دیگر وجوہ ہے۔

زندہ رہنے والی زبان

اس کے بعد اس نکتہ پر بھی غور کرو کہ قدرت الٰہیہ نے اسی زبان کو آخری کتاب کے لیے پسند فرمایا جو زندہ رہنے والی زبان تھی۔

اس فقرہ کا مطلب سمجھنے کے لیے آپ ان زبانوں کی تاریخ گزشتہ، اور حیثیت موجودہ پر غور فرمائیں۔ جن میں کسی الہامی کتاب کا ہونا آج تک بیان کیا گیا ہے۔

سابقہ الہامی کتابوں کی اصلی زبانوں کا حشر

وید کی زبان، ژند واستا کی زبان، توراۃ کی زبان، انجیل کی زبان، کیا آج دنیا میں کسی جگہ بولی جاتی ہے یا کوئی شہر، کوئی قریہ، کوئی کوچہ بھی ایسا ہے جہاں ان السنہ میں سے کسی لسان کا استعمال بطور زبان ہوتا ہے؟؟؟

جواب میں ہر راست گو کو قطعاً خاموش ہونا پڑے گا۔ نتیجہ صاف ہے کہ علم الٰہی نے جو ماضی و حال و استقبال پر حاوی ہے۔ اپنی آخری کتاب کے لیے کسی ایسی زبان کو اختیار نہ فرمایا۔

جو پردۂ عالم سے جلد تر مردہ و ناپید ہونے والی تھی۔ یا مردہ و ناپید بن چکی تھی بلکہ ایسی زبان کو حق ترجیحی عطا فرمایا جس میں حیات اور نمو، قیام کی صفات اور استعداد اور طاقت موجود تھی۔

عربی کے زیر نگیں ملک

عربی زبان کو دیکھو۔ وہ آج اپنے مہد تربیت کے علاوہ مصر و شام، مراکو سوڈان، الجزائر، ٹیونس کی بھی زبان ہے۔ وہ نہ صرف مسلمانوں کی زبان ہے بلکہ لاکھوں یہودی، کروڑوں عیسائی اور ہزار در ہزار قبطی و حبشی کی بھی وہی پیاری زبان ہے۔

اس میں آج لیڈن سے لے کر برازیل تک اخبار و رسالے شائع ہوتے ہیں۔ حالانکہ ان ممالک میں نہ عربی اقوام کی حکومت ہے نہ عربی اقوام کی سکونت ہے اور نہ اسلامی مذہب کا تسلط ہے۔

انسانی طاقت سے مافوق حالات

یہ ایسی وجوہات ہیں جن پر ایک فلسفی دماغ کو کامل غور کرنا لازم ہے کیونکہ کسی زبان کا پردۂ عالم سے ناپید ہو جانا، یقیناً انسانی فعل سے برتر ہے اور کسی ایک زبان کے استحکام و بقا کا اتنا وسیع و محکم انتظام کرنا بھی کسی خاص قوم کی تدبیر سے بالکل ارفع و اعلیٰ ہے۔

اولڈ انگلش کا اب حال

آج اولڈ انگلش موجودہ انگریز کے لیے ایک نئی زبان کے برابر ہے۔ یہ تفاوت صرف تین صدی کے اندر اندر کا ہے۔

قرآن مجید اور ۱۴ صدیاں

مگر قرآن مجید کی عظیم زبان اب تک حجازی، تہامی، یمنی، حضرمی، نجدی، بطائی کے لیے ویسی ہی صاف اور واضح ہے۔ جیسا کہ وہ چودہ صدی پیشتر تھی۔

جس زبان میں اس قدر قوتِ حیات موجود ہے۔ اس کا انتخاب میں آ جانا بالکل ایک فطری امر تھا۔

عربی زبان کی تعریف یورپین مؤرخ سے

ایس۔ پی سکاٹ جس نے بیس سال سے زیادہ عرصہ عربوں کی عادات و خصائل پر

غور کرنے میں صرف کیا ہے۔ اپنی کتاب ''اخبار الاندلس'' [1] میں کہتا ہے:

''عربی زبان کی شیرینی، اس کی حیات بخش قوت، اس کا رسیلا پن، اس کے استعارات کی کثرت بوقلمونی نے اسے شاعری کے لیے اتنا موزوں بنا دیا ہے کہ یہ درجہ دنیا کی کسی اور زبان کو بہت کم حاصل ہے۔ کوئی لفظ، کوئی محاورہ ایسا نہیں جو خوبصورتی اور لطافت کے ساتھ نظم میں موزوں نہ ہو جائے۔''

نثر و نظم و موسیقی کا معیار اور عربی

اس کی نثر میں نظم کا مزہ آتا ہے اور اس کی نظم جیسا کہ اوزانِ عروض پر پوری اترتی ہے۔ ویسے ہی قواعد موسیقی کے پورا کرنے میں بھی کامل ہے۔

عربی زبان کی خصوصیت

صرف و نحو کی تکمیل

میں کہتا ہوں کہ علم الالسنہ کے عالمان زمانہ حال پر یہ بات روشن ہو چکی ہے کہ عربی زبان کی صرف و نحو وسیع و مکمل ہے۔ اس کے لغات کثیر التعداد، کثیر المعانی ہیں۔ اظہار جذبات کی اس میں بہت بڑی وسعت ہے۔

عربی مصادر تین حروف سے

عربی دان جانتا ہے کہ تمام عربی مصادر کا مادہ سہ حرفی لفظ ہوتا ہے۔ اب یہ بھی جان لینا چاہیے کہ اس سہ حرفی لفظ کی ترتیب ایسے طریق پر رکھی گئی ہے کہ جب انہی حروف میں تقدیم و تاخیر و تقلیب کر دی جائے تو اس سے دوسرے، تیسرے، چوتھے، پانچویں، چھٹے درجہ تک مختلف معانی پیدا ہوتے رہتے ہیں۔

① مثلاً س۔ل۔ب تین حروف ہیں۔ اس سے سلب اور سبل، لبس اور لسب، بلس اور بسل چھ الفاظ بن گئے ہیں اور سب بامعنیٰ ہیں۔

---

[1] منشی محمد خلیل الرحمٰن صاحب سپرنٹنڈنٹ دفتر ایجنٹ نارتھ ویسٹرن ریلوے لاہور نے اس کتاب کا مکمل اردو ترجمہ چھاپ دیا ہے۔

ایک مصدر کے حروف سے ٦ مصادر

② مثلاً ع ۔ ر ۔ ب ۔ تین حروف ہیں ۔ اس سے عرب ۔ عبر ۔ رعب ۔ ربع ۔ بعر ۔ برع ۔ چھ الفاظ بامعنی مروج ہیں ۔

③ مثلاً ق ۔ م ۔ ر ۔ تین حروف ہیں اس سے قمر ۔ قرم ۔ مقر ۔ مرق ۔ رمق ۔ رقم الفاظ بامعنی موجود ہیں ۔

④ مثلاً ر ۔ ط ۔ ب ۔ تین حروف ہیں ۔ اس سے رطب، ربط، طرب اور طبر اور برط و بطر سب بامعنی الفاظ ہیں اور زبان پر جاری ہیں ۔

⑤ مثلاً ح ۔ م ۔ ل ۔ تین حروف ہیں ۔ اس سے حمل ۔ حلم ۔ ملح ۔ محل ۔ لمح ۔ لحم ۔ بامعنی الفاظ جاری ہیں ۔

⑥ مثلاً س ۔ ل ۔ م ۔ تین حروف ہیں ۔ اس سے سلم ۔ سمل ۔ لسم ۔ لمس ۔ ملس ۔ بامعنی الفاظ لغات میں موجود ہیں ۔

ایسی مثالیں سینکڑوں کی تعداد میں تلاش سے مل سکتی ہیں ۔

خاص معنی کے لیے خاص حرف کی خصوصیت

اس سے بڑھ کر یہ یاد رکھنا چاہیے کہ عربی زبان میں خاص خاص معانی کے لیے ۔ حروف کی خاص خاص خصوصیات ہیں اور ان حروف کو انہی خصوصیات کی وجہ سے اصل مادہ میں شامل کیا گیا ہے ۔

حرف میم کی خصوصیت

مثلاً حرف میم میں معنی جمعیت کی خصوصیت ودیعت کی گئی ہے اور وہ بھی اس لیے کہ خود حرف مذکور کا تلفظ اس معنی کا خواست گار تھا ۔ دیکھو اس کے ادا کرنے میں ہونٹ مل جاتے ہیں ۔ اب ان الفاظ پر غور کرو جن میں حرف میم آتا ہے ۔

مثلاً : اُمّ ماں یا درخت کے تنہ کو کہتے ہیں ۔ بچے اپنی ماں سے اور شاخیں اپنے تنہ سے جمعیت پاتی ہیں ۔

مثلاً: توام......وہ دو بچے جو ایک پیٹ میں ایک وقت رہے ہوں۔

ہَمّ......وہ فکر جو انسان کے دل میں جم جائے۔

ضَمّ......ایک شے کا دوسرے کے ساتھ مل جانا۔

امام......وہ شخص جس پر جماعت کا اجتماع ہو جائے۔

تمام......وہ حالت جو جملہ اجزا کی جامع ہو۔

حرف الف کی خصوصیت

اسی طرح حرف الف پر خیال کرو۔ اس کے ادا کرتے ہوئے آواز میں مد پیدا ہوتی ہے۔ اس کی یہ خصوصیت معانی الفاظ میں بھی جلوہ گر رہتی ہے۔

طویل کے معنی ہیں لمبا، لیکن طوال کے معنی ہیں بہت لمبا۔ یہ ترقی صرف الف کی وجہ سے ہوئی۔ کبیر کے معنی ہیں بڑا، لیکن کبار کے معنی ہیں بہت بڑا۔ یہ حرف الف ہی کی فیض بخشی ہے۔

اعراب کا اثر معانی پر

آپ اس سے بھی آگے بڑھیں کہ عربی زبان میں حرکات (ضمہ۔ کسرہ۔ فتحہ) سے بھی الفاظ کا کام لیا گیا ہے۔ دیکھو۔ فعلت ایک لفظ ہے فتحہ تا سے مخاطب مذکر۔ کسرۂ تاء سے مخاطب مؤنث۔ ضمہ تا سے واحد متکلم اور جزم تا سے غائب مؤنث کے معنی دیتا ہے۔

اعراب کی طاقتیں

اس کے بعد یہ بھی یاد رکھئے کہ حرکات میں ضعف و قوت کی تقسیم ہے۔ ضمہ قوی تر ہے، پھر کسرہ، پھر فتحہ۔

یہ تقسیم خیالی نہیں بلکہ حقیقی ہے کیونکہ حرکات کی اس ضعف و قوت کا اثر الفاظ کے معانی پر بھی ہوتا ہے۔

غور کرو......!

حَمْل: بالفتح۔ ایسا بوجھ جس کا اٹھانا ناگوار نہ ہو۔ مادہ کے پیٹ کا بچہ یا درخت کا پھل۔

حِمْل: بکسر۔ ایسا بوجھ جس کا اٹھانا دشوار ہو۔

﴿ وَلِمَنْ جَآءَ بِهٖ حِمْلُ بَعِيْرٍ ﴾ [۱۲/ یوسف:۷۲]

''اتنا غلہ دیا جائے گا کہ ایک مضبوط اونٹ بمشکل اٹھا سکے۔''

چونکہ کسرہ بہ نسبت فتحہ قوی ہے۔ اس لیے کسرہ نے معنی میں اتنی قوت پیدا کردی۔

سَبْق: بفتح اول و جزم ثانی، دوڑ۔ سَبَق۔ بفتحتین، وہ روپیہ جو دوڑ کی شرط پر لگایا جاتا ہے۔

دوڑنا آسان ہے۔ مگر دوڑ کی شرط کا روپیہ ادا کرنا دشوار ہوتا ہے۔

پہلی لغت میں جزم ہے۔ دوسرے میں فتحہ۔ اس لیے ہر دو معنی میں تفاوت ہو گیا۔

حبّ: بالضم محبت اور بکسر محبوب کو کہتے ہیں۔ محبت کی برداشت دشوار ہے مگر خود محبوب کبھی بار خاطر نہیں ہوتا۔

معنی میں یہ لطافت ضمہ اور کسرہ کے تفاوت قوت نے پیدا کردی ہے۔

الغرض عربی زبان کے ایسے ایسے اسرار ہیں جن سے دنیا بھر کی تمام السنہ کے خزانے خالی ہیں بلکہ اُن امور سے ماہرین السنہ دیگر کے کان بھی ناآشنا ہیں۔

حروف و حرکات کا معانی سے اور معانی کا حروف و حرکات سے تعلق

اگر کوئی شخص عربی حروف تہجی کے ہر ایک جداگانہ حرف کے خواص سے واقف ہو جائے اور اس مناسبت کا علم بھی اسے ہو جائے جو حرکات کو الفاظ و معانی کے ساتھ ہے تو اسے معلوم ہو جائے گا کہ کسی معنی کے لیے کسی لفظ کا اختراع اور اس لفظ کے انہی حروف کا اختصاص بالکل دلائل پر مبنی ہے اور یہ ایسے دلائل ہیں، جو باور کرا دیتے ہیں کہ ٹھیک ایسا ہی ہونا چاہیے تھا۔

اس معنی کے لیے یہی لفظ اور اس لفظ کے لیے یہی حروف اور ان حروف کی لیے انہی حرکات کا ہونا ضروری و ناگزیر تھا۔

ابن جنّی کا قول

علامہ ابوالفتح عثمان بن جنّی (ولادت ۳۳۰ھ وفات ۲۸ صفر ۳۹۲ھ) کا قول ہے کہ

بار ہا ایسا ہوا ہے کہ میں نے کوئی ایسا لفظ سنا، جس کے معنی معلوم نہ تھے۔ تب میں اس لفظ کے حروف پر اور حروف کی طاقت پر اور اس مناسبت پر جو حروف کو معانی سے ہے غور کرتا اور پھر اپنے ہی فہم سے اس لفظ کے ایک معنی قائم کر لیتا تھا۔ من بعد تحقیق اس کے وہی معنی ثابت ہوا کرتے تھے۔

علامہ ابن تیمیہؒ

علامہ ابن تیمیہؒ کی بابت ایسا ہی بیان کیا گیا ہے۔

ان نظائر سے واضح ہو جاتا ہے کہ عربی زبان کے ایک ایک لفظ کی بناوٹ میں کس قدر خوض اور غور اور تعمق سے کام لیا گیا اور مناسبات وضروریات کا کتنا اندازہ لگایا گیا ہے۔ تب کوئی (سہ حرفی) لفظ بطور مادہ کے قائم کیا گیا ہے۔

صرف کبیر

آپ اس سے بھی آگے قدم رکھیں اور اس ایک لفظ کی صرف کبیر پر غور کریں تب معلوم ہو جائے گا کہ یہ ایک لفظ کیا ہے یہ تو ۹۶ الفاظ کا مورث اعلیٰ ہے۔

اشتقاق صغیر

اب آپ صرف کبیر کو ہی دیکھ کر تھم نہ جائیں اور تھک نہ جائیں کیونکہ علماء لغت کے نزدیک تو اس کبیر کا نام بھی اشتقاق صغیر ہے اس کے بعد اشتقاق اوسط اور پھر اشتقاق اکبر کا درجہ آتا ہے اور اس طرح عربی الفاظ کے خاندان کا وسیع تعلق دیگر الفاظ کے ساتھ وسعت پذیر ہوتا جاتا ہے۔

اشتقاق صغیر کی تعریف تو صرف کبیر کے لفظ سے سمجھ میں آ گئی ہو گی۔ بہتر ہے کہ اشتقاق اوسط واکبر کی مختصر تعریف لکھ دی جائے۔

اشتقاق اوسط

اشتقاق اوسط یہ ہے کہ ایسے دو لفظ پائے جائیں جن کے حروف تو وہی ہوں، مگر ترتیب وہ نہ ہو مثلاً قصد اور صدق۔ بایں ہمہ ہر دو کے معانی میں ایک وجہ اشتراک موجود ہے۔

اشتقاق اکبر

اشتقاق اکبر یہ ہے کہ الفاظ میں بعض حروف کے اعتبار سے اتفاق لفظی اور بعض دیگر کے لحاظ سے اتفاق فی الجنس پایا جاتا ہو۔ مثلاً حزر۔ عزر۔ ازر پر غور کرو۔ ہر سہ لغات میں حروف حلقی کی شمولیت پائی جاتی ہے اور اسی لیے ہر ایک کے معنی میں شدت وقوت کا مفہوم موجود ہے۔

خاصیت ابواب

لفظ واحد کی بحث کی طرف پھر غور فرمائیے۔ جب آپ ان خواص کو معلوم کریں گے جو ہر ایک مزید فیہ باب میں منتقل ہو جانے سے اس لفظ کے اندر پیدا ہو گئے ہیں تب آپ کو پتہ چل جائے گا کہ یہ ایک لفظ کیا ہے یہ تو ایسا خزانہ ہے جس میں جذبات و کیفیات و تاثیرات نفسی و آفاقی کو جمع کر دیا گیا ہے۔

ایک لفظ کے معانی کثیرہ اور وجہ اشتراک

زبان عربی کے حالات کی تفتیش میں آپ کو یہ بھی معلوم ہوگا کہ اس میں ایسے الفاظ بھی موجود ہیں کہ ایک ایک لفظ معانی کثیرہ پر حاوی ہے۔ مثلاً عین۔ جس کے معنی آفتاب، چشمہ، زر مسکوک، آنکھ وغیرہ (۵۱) ہیں۔ اور باوجود اس کثرت معانی کے بھی ان سب میں ایک ایسی وحدت بھی موجود ہے جو جملہ معانی کے لیے بطور وجہ مشترک ہے۔

الفاظ کثیرہ کا مدلول واحد اور عدم اشتراک

اس زبان میں ایسے الفاظ بھی موجود ہیں۔ جو مآت والوف (سینکڑوں اور ہزاروں) کی تعداد میں ہیں اور معنی واحد یا شیٔ واحد پر دلالت کرتے ہیں اور باوجود ایک وجہ مشترک پائے جانے کے ہر ایک لفظ میں ایک ایسا ما بہ الامتیاز موجود ہے، جو اسے ایک مستقل لفظ بنائے ہوئے ہے۔ مثلاً عربی زبان میں شہد کے لیے (۸۰) سانپ کے لیے دو سو، شیر کے لیے (۵۰۰) تلوار کے لیے ہزار نام موجود ہیں۔ تاہم ہر ایک نام اپنے اندر ایک جداگانہ صفت رکھتا ہوگا۔

کثرت وقلت لغات حسب ضرورت تمدن

جب آپ تمدن کے اصول سے اس کثرت وقلت لغات پر نظر ڈالیں گے تو منکشف ہوگا کہ اس کا مدار بھی ضروریات انسانی اور خصوصیات قومی پر ہے۔ وہ اشیا جس کی کاروبار زندگی میں زیادہ ضرورت ہے۔ اس کے لیے لغات بھی وافر ہیں اور جس کی احتیاج محدود ہے اس کے لیے الفاظ بھی کمتر ہیں۔

حروف تہجی۔ مخارج وصوت وبیان میں ہمہ گیری

ان محاسن پر یہ بھی مزید ہے کہ عربی حروف تہجی کے الفاظ دنیا کی سب سے مشہور ترین السنہ (زبانوں) کی تہجی سے کم ہیں اور باوجود کمی جس قدر حروف موجود ہیں۔ وہ نقل صوت، سہولت بیان اور اصول مخارج کے لحاظ سے سب زبانوں سے زیادہ ہمہ گیر ہیں۔

توحید خالص کے لیے عربی زبان ہی موزوں ہے

ان جملہ اوصاف عالیہ کے بعد یہ بھی یاد رکھنا چاہیے کہ عربی زبان خود مستقل زبان ہے۔ وہ نہ کسی دوسری زبان سے مستخرج ہے اور نہ ہی کسی دوسری زبان سے مرکب ہے۔ فی الحقیقت توحید خالص کے بیان کے لیے ایسی ہی خالص زبان کا ہونا بھی لابدی (لازمی) تھا۔

یہ ہیں مختصراً وہ خصوصیات ومحاسن جو عربی زبان کو دنیا کی سب زبانوں سے ممتاز وبرتر ٹھہراتی ہیں اور ان جملہ امور پر عبور کرنے سے بخوبی سمجھ میں آ جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کا جملہ اہل عالم پر یہ بھی احسان عظیم ہے۔ کہ اس نے اپنے آخری پیغام اور کلام کے واسطے عربی زبان کا انتخاب فرمایا۔

عقل کی ضرورت

تَعْقِلُوْنَ : عقل سے ہے، عقل کے معنی فہم وادراک وتدبر ہیں۔ قرآن مجید سے فائدہ اٹھانے کے لیے فہم وادراک وتدبر ہی کی ازبس ضرورت ہے:

﴿نَحْنُ نَقُصُّ عَلَيْكَ اَحْسَنَ الْقَصَصِ بِمَآ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ هٰذَا الْقُرْاٰنَ ۖ وَاِنْ كُنْتَ مِنْ قَبْلِهٖ لَمِنَ الْغٰفِلِيْنَ۝﴾ [۱۲/ یوسف:۳]

''اے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم ! ہم وحی قرآنی میں تم سے ان واقعات کا بیان اچھی طرح کرتے ہیں اگرچہ تو اس سے پیشتر ان سے لاپرواتھا۔''

نَقُصُّ : (قَصَّ اَثَرَهٗ قَصًّا وَ قَصَصًا) کسی شے کی دریافت کے لیے پیچھے پیچھے چلنا۔ موسیٰ علیہ السلام کے قصہ میں ہے۔ ﴿فَارْتَدَّا عَلٰٓى اٰثَارِهِمَا قَصَصًا﴾ [۱۸/الکھف:۶۴]

''وہ دونوں اپنے نشان قدم پر واپس ہوئے۔''

اَحْسَنَ الْقَصَصِ : بیان کا بہترین طریق۔ عام لوگ قَصَص بفتح کو قِصَص بکسر سمجھ لیتے ہیں اور مطلب یہ سمجھتے ہیں کہ خوبصورت قصہ بیان کیا جائے گا، مگر سمجھ لینا چاہیے کہ لفظ اَحْسَنُ کا تعلق تو بیان سے ہے، نہ کہ کسی داستان سے۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے مرغوب مضامین

لَمِنَ الْغٰفِلِيْنَ. غَفَلَ عَنْهُ اس کام کو چھوڑ دینا۔ غافل، لاپروا۔ آیت بالا سے ثابت ہوا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا میلان طبع لوگوں کو دلچسپ قصے سنانا اور سننے والوں کے دلوں کو یوں لبھانا ہرگز نہ تھا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تمام تر توجہ تو مسائلِ توحید وحشر ونشر، بیانِ اعمالِ صالحہ، تزکیۂ قلب وتہذیبِ اخلاقِ عالم پر مبذول تھی۔

واقعاتِ بشری سے استدلال

قرآن مجید میں بھی جن واقعاتِ بشری کا بیان ہوا ہے وہ بطور قصہ یا تاریخ نہیں بلکہ استدلال واستناد کے طریق پر ان کا ذکر ہوا ہے۔

﴿اِذْ قَالَ يُوْسُفُ لِاَبِيْهِ يٰٓاَبَتِ اِنِّىْ رَاَيْتُ اَحَدَ عَشَرَ كَوْكَبًا وَّالشَّمْسَ وَالْقَمَرَ رَاَيْتُهُمْ لِىْ سٰجِدِيْنَ۝﴾ [۱۲/یوسف:۴]

''جب یوسف علیہ السلام نے اپنے باپ سے کہا کہ پیارے باپ میں نے 11 تارے، چاند اور سورج کو خواب میں دیکھا کہ وہ مجھے سجدہ کر رہے ہیں۔''

اسم یوسف کا عربی ترجمہ

یوسف عبری زبان کا نام ہے۔ عربی میں اس کا ترجمہ ''مزید'' ہے۔ ان کی پیدائش

کے وقت ماں نے کہا تھا کہ اللہ مجھے اور بھی بیٹا دے گا۔

یوسف علیہ السلام کی مختصر سوانح

یوسف علیہ السلام ۱۷ سال کے تھے جب چاہ میں گرائے گئے۔ تین شب چاہ میں رہے چھ سال عزیز مصر کے گھر، سات سال زنداں میں، ۳۰ سال کی عمر تھی۔ جب مصر کے حاکم مطلق بنے۔ ۴۰ سال کی عمر تھی۔ جب باپ سے مصر میں ملاقات ہوئی۔ ۸۰ سال فرمان روائی کی، ۱۱۰ سال کی عمر میں وفات پائی۔ پوتے اور پڑپوتے دیکھے، مصر میں مدفون ہوئے موسیٰ علیہ السلام نے خروج از مصر کے وقت ان کے تابوت کو اپنے ساتھ لیا۔ یوشع بن نون علیہ السلام نے اس تابوت کو ان کے جدی گورستان میں دفن کیا۔

صحیح بخاری کی روایت عن عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ میں ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((اَلْکَرِیْمُ بْنُ الْکَرِیْمِ بْنِ الْکَرِیْمِ بْنِ الْکَرِیْمِ یُوْسُفُ بْنُ یَعْقُوْبَ بْنِ اِسْحٰقَ بْنِ اِبْرَاھِیْمَ عَلَیْھِمْ وَ عَلٰی نَبِیِّنَا الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ.)) [1]

لِاَبِیْهِ: اپنے باپ یعقوب علیہ السلام سے۔

اَبَتِ: اصل میں ''ابی'' ہے، ی کو ت سے بدل دیا ہے۔

اَحَدَ عَشَرَ: گیارہ۔ ابن جریر نے بروایت عبدالرحمٰن بن سابط رضی اللہ عنہ بیان کیا ہے کہ بُستانہ یہودی نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ان گیارہ ستاروں کے نام پوچھے تھے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے وہ نام بتلا دیئے تھے۔ جو روایت مذکورہ میں درج ہیں۔ بیہقی نے دلائل میں حافظ ابویعلی اور ابوبکر بزار نے اپنی اپنی مسند میں، ابن ابی حاتم نے تفسیر میں اس روایت کو درج کیا ہے۔ ان جملہ روایات میں حکم بن ظہیر راوی آتا ہے، ائمہ حدیث نے اسے ترک کر دیا ہے۔ جرجانی نے اسے ساقط الاعتبار بتایا ہے۔ یہی حدیث جابر رضی اللہ عنہ سے بھی روایت کی گئی ہے مگر اس روایت میں بھی یہی حکم بن ظہیر شامل ہے۔

کَوْکَبًا: بجلی، بجلی کی چمک، غُلَامٌ کَوْکَبٌ روشن چہرہ نوجوان۔

کَوْکَبٌ: روشن ستارہ، یہی مراد ہے۔

[1] بخاری: کتاب احادیث الانبیاء، رقم ۳۳۸۲۔

شمس : سورج، یہ اسم شماس سے بنایا گیا ہے۔ شماس کے معنی امتناع ہیں۔ شماس الدابہ: گھوڑے کا سوار کو چڑھنے نہ دینا، چونکہ آفتاب کی روشنی آنکھ کو اس کی طرف دیکھنے سے روکتی ہے، اس لیے اس کا نام شمس رکھا گیا۔ یہ شمس عربی زبان میں مؤنث سماعی ہے۔ اس میں بھی یہ لطافت ہے کہ عورتوں کے حسن پر نگاہ کرنے سے بھی ہم کو ان کا احترام روکتا ہے۔

قمر : چاند۔ قمرہ سے یہ اسم بنایا ہے، قمرہ کے معنی شدت البیاض ہیں۔ سخت سفید کو اسی لیے اقمر کہتے ہیں۔

شمس و قمر کے لغوی معانی پر غور کرو۔ آپ کو معلوم ہو جائے گا کہ ہر ایک چیز کا نام بھی اس چیز کی فطری خصوصیات پر تجویز کیا گیا ہے، بلا وجہ نہیں بنایا گیا۔ لغت عرب میں پہلی، دوسری، تیسری رات کے چاند کا نام ہلال ہے۔ باقی سب تاریخوں پر قمر کا اطلاق کیا جا سکتا ہے اگرچہ بدر اس کی حالت تامہ کا علیحدہ نام بھی ہے۔

سَاجِدِیْن : اصل لغت میں سَجَدَ کے معنی سر جھکانا ہے اور اظہار خضوع۔ اصطلاح شریعت محمدیہ میں پیشانی اور ناک کو زمین پر لگانا اس طرح سے کہ دونوں ہاتھ دونوں گھٹنے اور دونوں پاؤں کی انگلیاں بھی زمین سے لگی ہوئی ہوں، رانیں پیٹ سے الگ ہوں اور بازو پہلوؤں سے الگ، اس اصطلاح کو اب حقیقت شرعیہ کہا جاتا ہے۔

خواب یوسف کیوں قابل تعبیر تھا

یوسف علیہ السلام کے خواب کے دو نظارے تھے:

① گیارہ تاروں اور سورج چاند کو دیکھنا۔ یہ نظارہ اس لیے عجیب تھا کہ سورج کی موجودگی میں تو کوئی تارہ نظر نہیں آیا کرتا۔ اس لیے بھی عجیب تھا کہ آسمان کے لاکھوں تاروں میں سے صرف گیارہ ہی نظر آتے تھے۔

② اس لیے بھی عجیب تھا کہ وہ سب کے سب یوسف علیہ السلام کو سجدہ بھی کرتے تھے۔ سجدہ کے معنی خواہ لغوی مراد ہیں یا شرعی، بہر حال نجوم سماوی کا ایک بشر کے سامنے اس طرح پر جھک جانا جس سے وہ بشر بھی سمجھ لے کہ ان کا جھکنا اسی شخص کی تعظیم کے لیے ہے بالضرور عجیب تھا۔

ان دو نظاروں کی وجہ ہی سے ''رَاَیْتُ'' اول کے بعد استیناف بار ثانی ''رَاَیْتُھُمْ'' لایا

گیا ہے اور چونکہ سجدہ کرنا ذوی العقول کا فعل ہے۔ اس لیے ساجدین کے لفظ سے بیان کیا گیا ہے۔

یہی دونوں امر تھے کہ یوسف علیہ السلام نے خواب کو اس قابل سمجھا کہ نبی اللہ یعقوب علیہ السلام کے سامنے بیان کریں۔

احادیث میں خواب کے متعلق چند آداب

احادیث پاک میں خواب کے متعلق چند آداب بتلائے گئے ہیں:

① اگر کوئی شخص برا خواب دیکھے تو اسی وقت تھوک دے۔ لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ الخ پڑھے اور کروٹ بدل لے۔ اس کا ذکر بھی کسی سے نہ کرے۔ اللہ تعالیٰ اسے برے خواب کی تاثیر سے محفوظ رکھے گا۔

② اگر اچھا خواب دیکھے تو کسی عاقل، عالم، خیر خواہ سے بیان کرے۔

③ تعبیر بتانے والے کو لازم ہے کہ تعبیر سوچ سمجھ کر بیان کرے اور بری تاویل زبان پر لانے سے احتراز کرے۔

﴿ قَالَ يٰبُنَيَّ لَا تَقْصُصْ رُءْيَاكَ عَلٰٓى اِخْوَتِكَ فَيَكِيْدُوْا لَكَ كَيْدًا ؕ اِنَّ الشَّيْطٰنَ لِلْاِنْسَانِ عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ ۝ وَ كَذٰلِكَ يَجْتَبِيْكَ رَبُّكَ وَ يُعَلِّمُكَ مِنْ تَاْوِيْلِ الْاَحَادِيْثِ وَ يُتِمُّ نِعْمَتَهٗ عَلَيْكَ وَعَلٰٓى اٰلِ يَعْقُوْبَ كَمَآ اَتَمَّهَا عَلٰٓى اَبَوَيْكَ مِنْ قَبْلُ اِبْرٰهِيْمَ وَ اِسْحٰقَ ؕ اِنَّ رَبَّكَ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ۝﴾ [۱۲/ یوسف:۵-۶]

''یعقوب علیہ السلام نے کہا: بیٹا! اپنا خواب اپنے بھائیوں سے نہ کہنا، پھر تو وہ تیرے لیے بد اندیشی کریں گے۔ شیطان تو انسان کا ضرور کھلا دشمن ہے۔ تیرا خدا تجھے اسی طرح (جیسا کہ یہ اعلیٰ خواب دکھلایا ہے) برگزیدہ بنائے گا اور علم تعبیر خواب سکھلائے گا اور اپنی نعمت کو تجھ پر اور آل یعقوب پر پورا کرے گا جیسا کہ اس نے قبل ازیں تیرے بابا اسحٰق و ابراہیم علیہما السلام پر نعمت کا اتمام کیا تھا، تیرا رب تو جاننے والا حکمت والا ہے۔''

بُنَیَّ: تصغیر ہے، پیار اور شفقت کا اس سے اظہار ہوتا ہے۔

رُؤْیَا: مصدر ہے جیسے بُشْریٰ و سُقْیا ۔اب مصدر بمعنی اسم مستعمل ہے اور ہر ایک شے جو انسان خواب میں دیکھتا ہے اس پر اس کا اطلاق کیا جاتا ہے۔واضح ہو کہ خواب، سپنا رُؤْیَا: کی چند اقسام ہیں۔

خواب کی قسم اول

الف: وہ خواب جو ہضم کی خرابی اور فساد معدہ سے نظر آتے ہیں، ایسے خوابوں میں عموماً اس خلط کا غلبہ شامل ہوتا ہے جو خواب دیکھنے والے کے مزاج میں غالب ہوتی ہے۔صفراوی مزاج والا، تلوار، نیزہ، آگ، پیاس، سخت دھوپ وغیرہ دیکھتا ہے۔سوداوی مزاج سانپ، تاریکی، شب ظلمات، عفونت وغیرہ دیکھتا ہے۔بلغمی مزاج، پانی، بارش، سردی وغیرہ دیکھتا ہے۔

خواب کی قسم دوم

وہ خواب جو قوت متخیلہ سے پیدا ہوتے ہیں۔دیکھی ہوئی یا پڑھی ہوئی یا سنی ہوئی چیزوں کے متعلق جو تخیلات حس مشترکہ میں رہ جاتے ہیں ان پر حس مشترکہ اپنا تصرف کرتی اور مختلف اجزا سے واحد شے بنا لیتی ہے۔مثلاً ہاتھی کا قصہ پڑھا تھا۔خواب میں ایسا شیر دیکھے جس پر ہاتھی کی طرح سواری کی گئی ہو یا انسان دیکھے جس کا سر ہاتھی جیسا ہو یا ہاتھی دیکھے جو انسان کی طرح دو پاؤں پر چلتا ہو۔وغیرہ وغیرہ

ایسے خوابوں میں واقعات کا کوئی تسلسل نہیں ہوتا۔سب باتیں بے جوڑ بے ربط ہوتی ہیں لیکن اس کا ہر ایک جزو ایسا ہوتا ہے جو پہلے سے متخیلہ میں موجود ہو۔مثلاً انسان کے جسم پر ہاتھی کا سر۔چونکہ حس مشترکہ میں انسان اور ہاتھی دونوں کی صورت موجود تھی۔اس لیے اس نے اپنا تصرف اتنا کر دیا۔کہ ایک کا دھڑ دوسرے کے سر سے ملا دیا۔ایسے خواب ہی ''خواب پریشان'' یا ''اَضْغَاثُ اَحْلَامٍ'' کہلاتے ہیں۔

خواب کی قسم سوم

تیسری قسم وہ ہے جس میں معانی مجرّدہ کو صور متشابہ میں ظاہر کیا جاتا ہے۔اس کا سبب

یہ ہے کہ روح انسانی جو غیر مادی و نورانی ہے۔ اس کا تعلق عالم روحانیات سے قائم رہتا ہے اور چونکہ روح خود اس عالم سے ہے اس لیے ان علوم روحانی کا تمثل صور پیکری ہی میں متمثل ہونے کے بعد روح پر آشکار ہوا کرتا ہے۔

پس سچا خواب وہ ہے جو روح پر عالم روحانی سے القا ہوا ہو۔ ایسے خواب مختصر، مسلسل موزوں ہوتے ہیں اور بیداری کے بعد بھی ان کی ایک خواص کیفیت قلب پر رہتی ہے۔

ایک ماہر علم تعبیر خواب کو سنتے ہی معلوم کر سکتا ہے کہ یہ خواب پریشان ہے یا رویائے صادق ہے۔

مبشرات

یہ یاد رکھنا چاہیے کہ رویائے صادقہ ہی کو حدیث نبوی میں ''مُبَشِّرَاۃ'' بتلایا ہے اور یہ رویائے صادقہ ہی کو نبوت کا چھیالیسواں حصہ فرمایا گیا ہے۔

رویائے صادقہ اور نبوت کا چھیالیسواں حصہ

چھیالیسواں حصہ کے یہ معنی نہیں کہ جسے سچے خواب آتے ہیں وہ نبوت کے ۱/۴۶ حصہ کا مالک ہوتا ہے بلکہ رویائے صادقہ کے مقابلہ میں صداقت نبوت کی برتری کا بیان ہے۔ سیدنا و مولانا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کا آغاز بھی رویائے صادقہ ہی سے ہوا تھا اور چھ ماہ کا زمانہ ایسا ہی تھا کہ رات کو آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم جو خواب دیکھ لیتے وہی دن میں علانیہ ظہور میں آجاتا۔

انبیا کے خواب یکے از اقسام وحی ہیں

اب یہ یاد رکھنا چاہیے کہ انبیا علیہم السلام کے خواب بھی وحی کی ایک قسم ہیں اور اس لیے یہ ممکن نہیں کہ اس کی تعبیر غلط ہو سکے۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں سیدنا ابراہیم علیہ السلام اور سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے خوابوں کا ذکر فرمایا ہے۔ سیدنا ابراہیم علیہ السلام کا خواب ہے:

﴿يٰبُنَيَّ اِنِّيْٓ اَرٰى فِي الْمَنَامِ اَنِّيْٓ اَذْبَحُكَ فَانْظُرْ مَاذَا تَرٰى﴾

''اے بیٹے میں نے خواب میں دیکھا۔ میں تجھے ذبح کر رہا ہوں۔ تم اس

خواب پر غور کرو۔" [۳۷/الصافات:۱۰۲]

خواب ابراہیم علیہ السلام

سیدنا ابراہیم علیہ السلام نے ﴿فَانْظُرْ مَاذَا تَرٰی﴾ کہہ کر بیٹے کو وسعتِ تعبیر اور آزادیٔ رائے کی طرف توجہ دلائی ہے۔ بیٹا سمجھتا ہے کہ باپ نبی اللہ ہے اور نبی کا خواب قسمے از وحی ہوتا ہے۔ وہ سمجھ جاتا ہے کہ چونکہ فعل ذبح خود اس کی ذات پر واقع ہوتا ہے۔ اس لیے باپ کا مقصود ﴿فَانْظُرْ مَاذَا تَرٰی﴾ سے فرزند کی رضا بہ تعمیل خدا معلوم کر لینا ہے۔ بیٹا اصل فطرت میں نبی ہے، نبی زادہ ہے، فطرت طاہرہ کا مالک ہے، اس لیے جھٹ کہہ دیتا ہے۔

﴿یٰٓاَبَتِ افْعَلْ مَا تُؤْمَرُ﴾ [۳۷/الصافات:۱۰۲]

"اے پیارے باپ آپ وہی کریں جو حکم آپ کو ملا ہے۔"

قابل غور یہ ہے کہ جس شے کو اسماعیل علیہ السلام نے مَا تُؤْمَرُ سے تعبیر کیا۔ یہ وہی ہے جسے خلیل الرحمٰن نے اَرٰی فِی الْمَنَامِ فرمایا تھا۔

خواب نبی صلی اللہ علیہ وسلم

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ میں خواب دیکھا تھا کہ مسلمان احرام باندھے ہوئے بیت اللہ میں داخل ہو گئے ہیں۔ یہ وہ زمانہ تھا جب کہ کسی مسلم کا مکہ میں داخل ہونا بالکل بند تھا۔ لیکن یہ خواب پورا ہوا اور اللہ تعالیٰ نے بھی ﴿لَقَدْ صَدَقَ اللّٰهُ رَسُوْلَهُ الرُّؤْيَا بِالْحَقِّ﴾ [۴۸/الفتح:۲۷] "اللہ نے اپنے رسول کا خواب ٹھیک ٹھیک پورا کر دیا۔" فرما کر اس خواب کے پورا ہونے کی خبر دی۔

اس نکتہ فہم کے لیے قابل غور یہ ہے کہ ہر دو خواب ٹھیک اسی مرئی صورت میں پورے ہوئے۔ ابراہیم و اسمٰعیل علیہما السلام نے نہ تو بیٹے کی تعبیر کسی جانور سے کی اور نہ ذبح کی تعبیر کسی اخلاقی ایثار سے فرمائی بلکہ ذبح کو ذبح ہی قرار دیا اور بیٹے کو بیٹا ہی سمجھا اور اس لیے فرزند کو زمین پر گرا کر چھری اس کی گردن پر رکھ دی۔ دوسرے خواب میں مسجد الحرام سے مسجد الحرام ہی سمجھی گئی۔ تحلیق اور تقصیر (سر منڈوانے یا بال کٹوانے) سے مراد تحلیق و تقصیر ہی سمجھی گئی۔ پس

انبیا علیہم السلام کے خواب میں صالحین امت کے خوابات سے یہ برتری ہوتی ہے کہ ان میں تاویل کی گنجائش کم ہوتی ہے اور وہ اکثر اپنی مرئی صورت ہی پر ظہور پذیر ہوا کرتے ہیں۔ یوسف علیہ السلام نے جس وقت یہ خواب دیکھا تھا اس وقت وہ نبوت پر مبعوث نہ ہوئے تھے مگر فطرت کی طہارت اور بالقویٰ استعداد نبوت میں وہ اپنے دادا سیدنا اسمٰعیل علیہ السلام ہی کے مماثل تھے۔

خواب یوسف صدیق میں تھوڑی سی تعبیر ہوئی

ان کے خواب میں ذرا سی تعبیر ہوئی ہے۔ کیونکہ خواب کی صورت مرئیہ ہی تعبیر کی خواہاں تھی۔ وجہ یہ ہے کہ سجدہ کرنا ذوی العقول کا کام ہے اور جب کوئی ایسا کام جو ذوی العقول سے خاص ہو خواب میں کسی غیر ذوی العقول کی طرف منسوب کیا گیا ہو۔ تب ضرورۃ وہ صورتِ خواب تعبیر طلب ہو جاتی ہے۔

اِنَّ: ضروری مباحث کے بعد تفسیر کی جانب آیئے۔

اِخْوَتِکَ: اِخْوَۃٌ اَخٌ کی جمع ہے اِخْوَان بھی اَخٌ کی جمع ہے۔ فرق یہ ہے کہ اِخْوَۃٌ نسب کے بھائیوں کے لیے اور اخوان برادران محبت کے لیے مستعمل ہے۔ مثل ہے اِخْوَانُ الْوِدَادِ خَیْرٌ مِّنْ اِخْوَۃِ الْوِلَادِ۔

یَکِیْدُوْا: کید سے ہے۔ کید کے معنی فریب ہیں اور جب ل کے صلہ کے ساتھ آتا ہے تو حیلہ کرنا، جنگ کرنا، ارادہ بد کرنا مراد ہوتا ہے فَیَکِیْدُوْا لَکَ کے یہی معنی ہیں کہ تیرے بھائی تیرے بداندیش بن جائیں گے۔

اَلشَّیْطَانُ: شطن سے بنا ہے۔ شیطان کے لغوی معنی سانپ اور سرکش و نافرمان ہیں۔ الشیطان ابلیس لعین کا علم (نام) ہے۔

یَجْتَبِیْکَ: اجتباء سے ہے۔ اس کا مادہ جَبْیٌ ہے۔ جس کے معنی جمع کرنا ہے۔ قرآن مجید میں ہے ﴿یُجْبٰی اِلَیْهِ ثَمَرَاتُ کُلِّ شَیْءٍ﴾ [۲۸/ القصص:۵۷] اجتباء کے معنی پسند کرنا، برگزیدہ کرنا ہے۔

تَاوِیْلُ: آل اولاً سے ہے۔ اول کے معنی رجوع کرنا ہے اور تاویل کے معنی مُحْتَمَلات

کلام میں سے احتمال قوی کا بیان کر دینا ہے۔

اَلْاَحَادِیْث: اُحْدُوْثَة کی جمع ہے، جس کے معنی واقعات جدید ہیں۔ تَاوِیْلُ الْاَحَادِیْثِ سے مراد علم الرؤیا اور فراست صادقہ ہے۔ جس کے ذریعہ سے انسان ہر معاملہ کی کُنہ تک پہنچ جائے۔

ال: وہ متعلقین جو کسی بڑے شخص سے نسبت رکھتے ہوں۔ یہ لفظ کسی کم حیثیت شخص کی طرف مضاف نہیں ہوتا۔

قرآن مجید میں لفظ آل کا استعمال

آل ابراھیم	سورۂ نساء و آل عمران میں
آل داؤد	سورۂ سبا میں
آل لوط	سورۂ حجر و نمل و قمر میں
آل موسیٰ و آل ھارون	سورۂ بقرہ میں
آل یعقوب	سورۂ یوسف و مریم میں
آل فرعون	سورۂ قصص، قمر، بقرہ، آل عمران، اعراف، ابراہیم و مومن میں وارد ہے۔

آل کے لیے قرابت نسب ضروری نہیں

آل میں داخل ہونے کے لیے قرابت نسب ضروری نہیں۔ دیکھو سورۂ بقرہ میں:

﴿وَاَغْرَقْنَا اٰلَ فِرْعَوْنَ﴾ [۲/البقرۃ:۵۰] ''ہم نے آل فرعون کو غرق کر دیا۔''

اور سورہ ذاریات میں ہے:

﴿فَاَخَذْنٰهُ وَجُنُوْدَهٗ فَنَبَذْنٰهُمْ فِی الْیَمِّ﴾ [۲۸/القصص:۴۰]

''ہم نے فرعون کو اور اس کے لشکروں کو پکڑا اور سمندر میں ڈال دیا۔''

پہلی آیت میں آل فرعون انہی کو کہا گیا ہے جسے دوسری آیت میں جنود فرعون بتایا گیا ہے:

لیکن قرابت داران نسب لغت اور عرف میں آل کے اندر ضرور شامل ہوتے ہیں۔

اصطلاح شرعیہ میں آل میں ہونے کے لیے ایمان و عمل صالح کی ضرورت ہے۔

عملِ بد، آل سے خارج کر دیتا ہے

اللہ تعالیٰ نے نوح علیہ السلام کو ان کے فرزند کی بابت فرمایا تھا:

﴿ اِنَّهٗ لَيْسَ مِنْ اَهْلِكَ ۚ اِنَّهٗ عَمَلٌ غَيْرُ صَالِحٍ ۫ ﴾ [۱۱/ ہود:۴۶]

''یام تیری اہل میں نہیں۔ کیونکہ اس کے عمل صالح نہیں۔''

یعقوب علیہ السلام نے خواب سن کر سمجھ لیا کہ یوسف علیہ السلام کی شان کیسی بلند ہونے والی ہے۔ سمجھ لیا کہ اس کا اثر برادرانِ یوسف علیہ السلام پر کیا ہوگا۔ یہ سمجھنے کے بعد انہوں نے اصل سوال کا جواب دینے سے پیشتر اول دفع ضرر کی تدبیر کو مقدم خیال فرمایا اور یہ ارشاد کیا کہ یہ خواب اپنے بھائیوں سے نہ کہنا مبادا کہ وہ بداندیش بن جائیں۔

کیونکہ یہ خواب بتلاتا ہے کہ خواہ کوئی شخص آسمان عزت کا کوکب درخشاں بھی بن جائے تب بھی اسے یوسف علیہ السلام کے سامنے عاجز و ذلیل ہونا پڑے گا۔ یہ تصور کہ فلاں شخص کے سامنے عاجز و ذلیل ہونا پڑے گا موجب حسد ہے اور حسد ہی وہ کمینہ صفت ہے جس کا اول اول ظہور ابلیس سے ہوا۔ وہ آدم علیہ السلام کی عزت و شرف کو نہ دیکھ سکا اور حسد میں ایسا جل بھن گیا کہ امر الٰہی کی بھی وقعت نہ کی۔

حاسد کو حسد کا موقعہ نہ دو

اس تدبیر سے یعقوب علیہ السلام نے یہ تعلیم دی ہے کہ جہاں تک ممکن ہو حاسد کو حسد کا موقع نہیں دینا چاہیے کیونکہ حسد کے مضرات کا اثر بسا اوقات محسود ہی کی ذات پر ہوا کرتا ہے۔

اس تمہیدی جواب کے بعد یعقوب علیہ السلام نے تین (مرتب ہونے والے) نتائج کا بیان بطور تاویل خواب فرمایا۔

اجتباء

الف: خدا تجھے مجتبیٰ بنائے گا۔

لفظ اجتباء کا اطلاق انبیا علیہم السلام کے حق میں بھی ہوا ہے اور اصحاب النبی صلی اللہ علیہ وسلم کے حق میں بھی۔ آیات ذیل پر غور کرو:

﴿ أُولَـٰئِكَ الَّذِينَ أَنْعَمَ اللَّهُ عَلَيْهِم مِّنَ النَّبِيِّينَ وَمِن ذُرِّيَّةِ آدَمَ وَمِمَّنْ حَمَلْنَا مَعَ نُوحٍ وَمِن ذُرِّيَّةِ إِبْرَاهِيمَ وَإِسْرَائِيلَ وَمِمَّنْ هَدَيْنَا وَاجْتَبَيْنَا ﴾ [۱۹/مریم:۵۸]

''یہ وہ لوگ ہیں جن پر اللہ تعالیٰ نے نعمت فرمائی۔ انبیاء میں سے جو آدم کی ذریت ہیں یا نوح کے ساتھ سوار ہوئے۔ یا جو ابراہیم واسرائیل کی ذریت ہیں اور جن کو اللہ نے ہدایت فرمائی اور برگزیدہ کیا۔''

﴿ وَجَاهِدُوا فِي اللَّهِ حَقَّ جِهَادِهِ هُوَ اجْتَبَاكُمْ ﴾ [۲۲/الحج:۷۸]

''اللہ کے حقوق میں جہاد کرو جیسا جہاد کرنے کا حق ہے، اس نے تم کو برگزیدہ کیا ہے۔''

ب: اللہ تجھے اپنی نعمت کامل عطا فرمائے گا۔ جیسا کہ اس نے اسحٰق وابراہیم علیہما السلام پر اتمام نعمت کیا تھا۔

نِعْمَتْ: بلحاظ وضع لغوی نعمت اس حالت کو کہتے ہیں جس میں انسان لذت گیر ہوتا ہے۔

اتمام نعمت

اب ہر ایک اس شے پر اس لفظ کا اطلاق کیا جاتا ہے جو لذت ومسرت کا سبب ہو۔ قرآن مجید میں لفظ نعمت کا استعمال مادی وروحانی اور دنیوی ودینی ہر دو حالتوں پر کیا گیا ہے۔ فرمایا:

﴿ وَأَسْبَغَ عَلَيْكُمْ نِعَمَهُ ظَاهِرَةً وَبَاطِنَةً ﴾ [۳۱/لقمان:۲۰]

''خدا نے تم کو اپنی ظاہری اور باطنی نعمتیں بھرپور عطا کیں۔''

﴿ وَذَرْنِي وَالْمُكَذِّبِينَ أُولِي النَّعْمَةِ ﴾ [۷۳/المزمل:۱۱]

''مجھے اور ان نعمت والوں کو جو جھٹلانے والے ہیں سمجھ لینے دے۔''

لیکن جس جگہ کسی دینی یا روحانی یا شرف اصلی کا ذکر ہوتا ہے۔ اس جگہ اللہ تعالیٰ نے

اس لفظ کو اپنی طرف مضاف فرمایا ہے۔

﴿وَ اِنْ تَعُدُّوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ لَا تُحْصُوْهَا﴾ [١٦/النحل:١٨]

"اگر تم اللہ کی نعمتوں کو شمار کرنے لگو گے تو شمار نہیں کر سکو گے۔"

﴿وَ اَمَّا بِنِعْمَةِ رَبِّكَ فَحَدِّثْ﴾ [٩٣/الضحیٰ:١١]

"اپنے پروردگار کی نعمت کا بیان کیا کر۔"

﴿اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ ۝ صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ﴾ [١/الفاتحہ:٦۔٧]

"ہم کو سیدھی راہ پر لیے چل وہ راہ جو اُن بندوں کی ہے جن پر تو نے انعام کیا۔"

﴿وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ فَاُولٰٓئِكَ مَعَ الَّذِيْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِّنَ النَّبِيّٖنَ وَالصِّدِّيْقِيْنَ وَالشُّهَدَآءِ وَالصّٰلِحِيْنَ﴾ [٤/النسآء:٦٩]

"جو اللہ کی اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کرتا ہے۔ اس کا ساتھ اُن بندوں کے ساتھ ہوگا۔ جن پر خدا نے انعام کیا ہے اور وہ انبیاء اور صدیق اور شہید اور صالح ہیں۔"

سیدنا سلیمان علیہ السلام کی دعا میں ہے:

﴿رَبِّ اَوْزِعْنِيْٓ اَنْ اَشْكُرَ نِعْمَتَكَ الَّتِيْٓ اَنْعَمْتَ عَلَيَّ وَ عَلٰى وَالِدَيَّ﴾ [٢٧/النمل:١٩]

"اے رب مجھے توفیق دے کہ میں تیری نعمت کا جو تو نے مجھے اور میرے والدین کو عطا کی۔ شکر ادا کیا کروں۔"

مسیح علیہ السلام کی تعریف میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

﴿اِنْ هُوَ اِلَّا عَبْدٌ اَنْعَمْنَا عَلَيْهِ﴾ [٤٣/الزخرف:٥٩]

"وہ تو صرف بندہ ہے ہم نے اسے نعمت دی۔"

زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کا درجہ

زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کی صفت میں باری تعالیٰ نے فرمایا ہے:

﴿اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَیْهِ وَ اَنْعَمْتَ عَلَیْهِ﴾ [۳۳/الاحزاب:۳۷]

''اللہ نے بھی اس پر انعام کیا اور تو نے بھی اس پر انعام کیا۔''

ان جملہ موارد پر تدبر سے معلوم ہوا کہ ﴿ وَ یُتِمُّ نِعْمَتَهٗ عَلَیْكَ ﴾[۱۲/ یوسف:۶] کے معنی صرف نبوت نہیں ہو سکتے تھے لیکن اس نعمت کا مشبہ بہ اسحٰق وابراہیم علیہما السلام کی نعمت کو فرمایا گیا ہے۔ اس لیے اب یہ معنی ٹھہرے کہ اللہ تعالیٰ تجھے بھی منصب نبوت پر ممتاز فرمائے گا۔

یعقوب علیہ السلام کا حسنِ ادب

اس تشبیہ کے وقت یعقوب علیہ السلام نے اپنا نام نہیں لیا اور ان کا ایسا کرنا از راہ انکسار وتواضع ہے کہ آباء کرام کے پہلو بہ پہلو اپنا ذکر چھوڑ دیا۔ اس سے ہم کو حسنِ ادب کی تعلیم حاصل کرنی چاہیے۔

آل الرجل

یعقوب علیہ السلام نے اپنے ذکر کے لیے وَعَلٰٓی اٰلِ یَعْقُوْبَ کا لفظ استعمال فرمایا۔ یاد رکھنے کی یہ بات ہے کہ آل الرجل میں خود وہ شخص بھی شامل ہوا کرتا ہے۔

آیت ﴿ رَحْمَةُ اللّٰهِ وَبَرَكٰتُهٗ عَلَیْكُمْ اَهْلَ الْبَیْتِ ؕ اِنَّهٗ حَمِیْدٌ مَّجِیْدٌ ۝﴾ [۱۱/ھود:۷۳] پر غور کرو۔ یہ جواب اگرچہ سیدہ سارہ کو دیا گیا تھا مگر اسی قاعدے سے کہ لفظ اہل البیت میں خود ابراہیم علیہ السلام بھی شامل تھے۔ عَلَیْكُمْ میں ضمیر مذکر کا استعمال کیا گیا:

صحیحین میں الفاظ درود

صحیحین کی حدیث بروایت ابوحمید ساعدی میں درود شریف کے الفاظ یہ ہیں: اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّ عَلٰٓی اَزْوَاجِهٖ وَذُرِّیَّتِهٖ كَمَا صَلَّیْتَ عَلٰٓی اٰلِ اِبْرٰهِیْمَ اس کے معنی بھی یہی ہیں كَمَا صَلَّیْتَ عَلٰٓی اِبْرَاهِیْمَ وَعَلٰٓی اٰلِ اِبْرَاهِیْمَ۔ [1]

---

[1] بخاری: کتاب الدعوات، باب هل یصلی علی غیر النبی، رقم: ۶۳۶۰۔ مسلم: کتاب الصلوۃ، باب الصلوۃ علی النبی: رقم ۹۱۱، ابوداود: کتاب الصلوۃ باب الصلوۃ علی النبی، رقم: ۹۷۹۔ نسائی کتاب السهو، باب کیف الصلوۃ علی النبی، رقم ۱۲۹۵۔

یعقوب علیہ السلام نے شرف نبوت یوسف کی خبر دے کر اسے اپنے حق میں بھی نعمت فرمایا ہے کیونکہ اب تک حضرت یعقوب علیہ السلام کو نبی اللہ اور ابن نبی ہونے کا شرف تو ملا ہوا تھا اب اس خواب سے یقین ہو گیا کہ ان کو ایک نبی اللہ کے والد ہونے کا اعزاز بھی ملے گا۔

وزن فعیل کے الفاظ کی خصوصیات

عَلِیْمٌ حَکِیْمٌ: آیت کو عَلِیْمٌ حَکِیْمٌ پر ختم کیا گیا ہے۔ یہ بات یاد رکھنا چاہیے کہ جب وزن مفعول سے عدول کر کے وزن فعیل اختیار کیا جاتا ہے تو اس سے یہ بتانا مقصود ہوتا ہے کہ صفت بمنزلہ حرارت عزیزی اور فطرت جبلی ہو گئی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ حبیب بہ نسبت محبوب کے اور حمید بہ نسبت محمود کے زیادہ بلیغ ہے۔

اسماء حسنیٰ کا مدلول آیت سے تعلق

دوسری بات یہ یاد رکھنے کی ہے کہ اللہ تعالیٰ کے اسماء حسنیٰ اس اعتبار سے تو سب برابر ہیں کہ ہر ایک اسم پاک انفرادی جان میں بھی ذات الوہیت پر دلالت قوی رکھتا ہے۔ لیکن پھر بھی ہر ایک اسم اپنے اندر ایک خاص معنی رکھتا ہے اور اس اسم کا ایک خاص عالم جداگانہ ہوتا ہے اور جو اسم پاک جس آیت میں لایا گیا اس کو مدلول و مفہوم آیت کے ساتھ تعلق شدید اور مناسبت کلی ہوتی ہے۔ اس جگہ علیم حکیم کا لانا انتخاب و اجتباء کی وجہ کو ظاہر کر دیتا ہے۔ ان اسماء سے یہ واضح ہو گیا کہ جو علم و حکمت یوسف علیہ السلام کو ملنے والی ہے وہ اس علیم و حکیم کی طرف سے ہے جو اپنے علم و حکمت سے یہ جانتا ہے کہ کون اس عہدہ عالیہ کا شایان اور موزوں ہے۔ قرآن مجید کے دوسرے مقام پر ہے:

﴿اَللّٰهُ اَعْلَمُ حَيْثُ يَجْعَلُ رِسٰلَتَهٗ﴾ [٦/الانعام:١٢٤]

''اللہ ہی کو علم ہے کہ وہ اپنی رسالت کے لیے کسے پسند فرماتا ہے۔''

فصل

برادرانِ یوسف علیہ السلام کے عناد کا آغاز

''خود بینی، مشورہ، یوسف علیہ السلام کا چاہ میں گرایا جانا، وغیرہ وغیرہ''

﴿ لَقَدْ كَانَ فِيْ يُوْسُفَ وَ اِخْوَتِهٖۤ اٰيٰتٌ لِّلسَّآئِلِيْنَ ۝ اِذْ قَالُوْا لَيُوْسُفُ وَ اَخُوْهُ اَحَبُّ اِلٰۤى اَبِيْنَا مِنَّا وَ نَحْنُ عُصْبَةٌ اِنَّ اَبَانَا لَفِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنِ ۝﴾ [۱۲/ یوسف: ۷۔۸]

''یوسف علیہ السلام اور اس کے بھائیوں کے حالات میں سوال کرنے والوں کے لیے بہت سی نشانیاں ہیں۔ جب انہوں نے آپس میں یہ کہا کہ یوسف علیہ السلام اور اس کا بھائی ہمارے باپ کو ہم سے زیادہ پیارے ہیں۔ ہمارا باپ تو صریح غلطی میں ہے۔''

اِخْوَتِهٖ برادرانِ یوسف دس تھے جو اس مشورہ میں شامل ہوئے۔

برادرانِ یوسف علیہ السلام اور ان کی والدات کے نام

از بطن لیاہ بیگم (۶)، روبن، سمعون، لادی، یہوداہ، اشکار، زبلون۔

از بطن زلفہ لونڈی (۲) جد، آشر۔

از بطن بلہا لونڈی (۲) نفتالی، دان۔

یوسف علیہ السلام کے مات (ماں جائے) بھائی بنیامین شامل مشورہ نہ تھے۔

برادران یوسف علیہ السلام کی نبوت پر کوئی اسلامی یا اسرائیلی روایت موجود نہیں

اسی مقام پر یہ لکھ دینا ضروری ہے کہ یعقوب علیہ السلام کے ۱۲ بیٹوں میں سے صرف یوسف علیہ السلام ہی نبی اللہ تھے۔ باقی ہرگز نبی اللہ نہ تھے، کوئی صحیح اسلامی روایت یا اسرائیلی حکایت اس بارہ میں مروی نہیں۔ علامہ ابن حزم، ابن کثیر، خازن وغیرہ۔

مفسرین نے نہایت جزم کے ساتھ اس رائے کو بیان کیا ہے لہٰذا ہم کو ان لوگوں کے

افعال کی جو منہاج نبوت سے دور تھے، تاویل کرنے کی ضرورت نہیں۔ ابن حزم کتاب الفصل ج ۴ میں لکھتے ہیں:

وَ اِنَّ اِخْوَةَ يُوْسُفَ عليه السلام لَمْ يَكُوْنُوْا اَنْبِيَاءَ وَلَا جَاءَ قَطُّ فِيْ اَنَّهُمْ اَنْبِيَاءُ نَصٌّ لَامِنَ الْقُرْآنِ وَلَا مِنْ سُنَّةٍ صَحِيْحَةٍ وَلَا مِنْ اِجْمَاعٍ وَ لَا مِنْ قَوْلِ اَحَدٍ مِّنَ الصَّحَابَةِ رضی اللہ عنہم.

''بے شک برادران یوسف علیہ السلام نبی نہ تھے ان کی نبوت کے متعلق ہرگز ہرگز کوئی نص موجود نہیں۔'' نہ قرآن سے نہ حدیث سے نہ اجماع سے اور صحابہ کرام میں سے کسی ایک صحابی کا قول بھی اس بارہ میں ثابت نہیں۔''

یہودیوں نے قریش کو آنحضرتﷺ کا امتحان لینے کیلیے سوالات سکھلائے

﴿ لِلسَّائِلِيْنَ ﴾: مختلف روایات پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ یہود نے قریش کو سکھلایا تھا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ دریافت کریں کہ نبی اسرائیل مصر کیونکر جا پہنچے تھے۔ مغرور یہود کا خیال تھا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم ایسے تاریخی سوال کا جواب نہ دے سکیں گے۔ تب اللہ تعالیٰ نے سورہ یوسف کو نازل فرمایا اور تمام اصلیت کو واضح فرما دیا۔

﴿ اٰيَاتٌ لِّلسَّائِلِيْنَ ﴾ کے معنی یہ بھی ہیں کہ واقعات یوسفی میں قدرتِ ربانی، حکمت الٰہی، فطرت انسانی اور تواریخ بشری کے بہت سے سبق موجود ہیں۔

واقعات کنعان و مصر کا مکہ و مدینہ میں دہرایا جانا

اس کے معنی یہ بھی ہیں کہ سائلین خواہ قریش ہیں یا در پردہ یہود ہیں۔ ان دونوں کو آگاہ کیا جاتا ہے کہ اب سرزمین مکہ و مدینہ پر وہی واقعات ظہور میں آنے والے ہیں جو کنعان و مصر میں ہوئے تھے۔ ان یہودیوں کو جو اسماعیلی نبی کے بھائی ہیں اور ان قریش کو جو محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم سے قرابت رکھتے ہیں۔ ایک دن حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے ویسا ہی مطیع و منقاد ہونا پڑے گا جیسا کہ برادران یوسف کو یوسف صدیق کے سامنے اطاعت اٹھانی پڑی تھی۔

قریش کے لیے ایک لطیف اشارہ یہ بھی ہے کہ آج تم یہودیوں کی محبت پر اعتماد کرتے ہو اور نبی ﷺ کی مخالفت میں ان سے مخالف (عہد و پیمان) کرتے ہو مگر یہ تو وہی لوگ ہیں جنہوں نے سگے بھائی یوسف صدیق کے ساتھ ظلم و بے وفائی کی تھی۔

قریش کے دس قبائل جو دشمن نبی ﷺ تھے

ہم نے صراحت کر دی ہے کہ یوسف علیہ السلام کے خلاف مشورہ کرنے والے دس بھائی تھے قریش میں بھی نبی ﷺ کے خلاف زیادہ حصہ لینے والے دس بطون تھے۔ یعنی بنو مخزوم، بنو عدی، بنو تمیم، بنو اسد، بنو امیہ، بنو سہم، بنو جمح، بنو عبدالدار، بنو کعب، بنو نوفل، نزول سورہ کے بعد یہ سب یکے بعد دیگرے داخل اسلام ہو گئے۔

بنیامین کا نام پہلے بنونی تھا ہر دو اسماء کے معانی

وَ اَخُوْهُ اور یوسف کا بھائی:۔ ان کا نام بن یامین تھا۔ ماں نے ان کا نام حالت درد میں بنونی رکھا تھا۔ جس کے معنی دکھ درد کا بیٹا ہیں، مگر یعقوب علیہ السلام نے ان کا نام بنیامین رکھا۔ جس کے معنی داہنے ہاتھ کا فرزند ہیں۔

کتاب پیدائش (۱۸/۳۵) ان کی والدہ راحیل بیگم کا انتقال بنیامین کے نفاس ہی میں ہو گیا تھا۔ بنیامین جب مصر میں یوسف علیہ السلام کو ملے۔ تب ان کی عمر تقریباً ۳۸ سال تھی۔ اس وقت یہ دس فرزندانِ ذکور کے والد تھے۔

اَحَبُّ: ذکر تو یوسف علیہ السلام و بنیامین کا تھا مگر اَحَبُّ واحد صیغہ لایا گیا ہے۔ اس کی ایک تو یہ وجہ ہے کہ افعل میں واحد اور مافوق آ جاتے ہیں۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ برادران یوسف کا حسد اصل تو یوسف علیہ السلام ہی کے ساتھ تھا۔

فرزندان اسرائیل کا الزام غلط تھا

برادران یوسف نے جو الزام باپ پر لگایا۔ دراصل وہ خیالی تھا۔ ورنہ اللہ کے نبی اور اسرائیل یعقوب علیہ السلام سے یہ کیونکر ہو سکتا ہے کہ ایک یا دو بیٹوں کو حقوق میں زیادہ بڑھا دیتے اور دس بیٹوں کو کم رکھتے۔

تقسیم غیر مساوات پر نبی ﷺ کا ارشاد

صحیح مسلم میں ہے کہ بشیر رضی اللہ عنہ نے اپنے فرزند نعمان کو ایک غلام دیا اور اس ھبہ پر نبی ﷺ کو گواہ بنانا چاہا۔ نبی ﷺ نے دریافت فرمایا کہ دوسرے بیٹوں کو بھی اس نے ایک ایک غلام دیا ہے؟ بشیر رضی اللہ عنہ بولے نہیں۔

نبی ﷺ نے فرمایا کہ میں ظلم وجور پر گواہ نہیں بنتا۔ [1]

معلوم ہوا کہ یعقوب علیہ السلام حضرت یوسف علیہ السلام کی کم سنی اور بنیامین کی طفولیت کی وجہ سے ان کی غور و پرداخت زیادہ رکھتے ہوں گے۔ جس کا نام انہوں نے احبیت رکھ لیا تھا۔

یہ صاف طور پر آشکار ہے کہ ان دس بھائیوں پر بد دِیّنت زیادہ غالب تھی کہ باپ کو بھی اعتراض سے نہ چھوڑا اور نبی اللہ کی شان میں ''ضلال مبین'' کا لفظ استعمال کیا۔

محمد بن حنفیہ رضی اللہ عنہ کا ایثار، حسنین رضی اللہ عنہ بمنزلہ دو چشم تھے علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے لیے

ابن حنفیہ بمنزلہ بازو

کاش ان میں محمد بن حنفیہ رضی اللہ عنہ کی سی وسعت خاطر کا مادہ موجود ہوتا۔ یہ سید بزرگوار سیدنا علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے فرزند ہیں۔ خلافت مرتضوی میں یہی سپہ سالار فوج تھے اور اکثر لڑائیوں میں انہی کو جانے کا حکم ملا کرتا تھا۔ کسی نے ان سے کہا کہ تمہارا باپ حسن رضی اللہ عنہ و حسین رضی اللہ عنہ کو کہیں بھی نہیں بھیجتا اور تم کو ہمیشہ موت کے منہ میں دھکیل دیتا ہے۔ محمد بن حنفیہ نے فرمایا۔ حسنین (علیہما السلام) میرے والد کی آنکھیں ہیں اور میں اپنے باپ کا بازو ہوں، بازو اور آنکھ کے کام الگ الگ ہوتے ہیں۔

ایک مسلم کے لیے مسئلہ احبیت قابل غور

ایک ایماندار مسلم کے لیے قابل غور اَحَبِّیَت کا مسئلہ ہے۔ ابناء یعقوب علیہ السلام کو یہ اعتراض نہ تھا کہ باپ کو یوسف علیہ السلام و بن یامین کے ساتھ محبت کیوں ہے؟ ان کا تو یہ

---

[1] مسلم: کتاب الھبات، باب کراھیۃ تفضیل بعض الاولاد فی الھبۃ، رقم ۴۱۸۲۔

اعتراض تھا کہ ہم سے زیادہ محبت کیوں ہے۔غور کرو کہ جب ایک بھائی دوسرے بھائی کی احبیت نہیں دیکھ سکتا تو اللہ تعالیٰ کیونکر گوارہ کرسکتا ہے کہ اس کے بندہ کی محبت دیگر اشیاء کے ساتھ بمقابلہ محبت اللہ بڑھی ہوئی ہو۔قرآن مجید میں صاف طور پر فرمادیا گیا ہے:

حکم قرآنی مسئلہ احبیت پر

﴿قُلْ اِنْ كَانَ اٰبَآؤُكُمْ وَ اَبْنَآؤُكُمْ وَ اِخْوَانُكُمْ وَ اَزْوَاجُكُمْ وَ عَشِیْرَتُكُمْ وَ اَمْوَالُ ن اقْتَرَفْتُمُوْهَا وَ تِجَارَةٌ تَخْشَوْنَ كَسَادَهَا وَ مَسٰكِنُ تَرْضَوْنَهَاۤ اَحَبَّ اِلَیْكُمْ مِّنَ اللّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖ وَ جِهَادٍ فِیْ سَبِیْلِهٖ فَتَرَبَّصُوْا حَتّٰى یَاْتِیَ اللّٰهُ بِاَمْرِهٖ﴾ [۹/التوبۃ:۲۴]

''مومنوں سے کہہ دیجیے کہ اگر تم کو تمہارے ماں باپ بیٹا، بیٹی، بہن بھائی، شوہر، بیوی، خویش قبیلہ اور وہ مال و زر جو تم نے سمیٹا ہے، وہ تجارت جس کے مندا پڑ جانے کا تم کو ڈر ہے، وہ ستھرے ستھرے مکان جو تمہیں پسند ہیں۔تم کو اللہ ورسول اللہ اور جہاد براہ خدا سے زیادہ پیارے ہیں۔تب تم ٹھہرو حتیٰ کہ خدا اپنا حکم تمہارے لیے جاری کرے۔''

ارشاد رسول صلی اللہ علیہ وسلم مسئلہ احبیت پر

حدیث شریف میں آیا ہے:

لَا یُؤْمِنُ اَحَدُكُمْ حَتّٰی اَكُوْنَ اَحَبَّ اِلَیْهِ مِنْ وَالِدِهٖ وَوَلَدِهٖ وَالنَّاسِ اَجْمَعِیْنَ. [1]

''تم میں سے کوئی بھی مومن نہیں بنے گا، جب تک کہ میں اس کو اس کے باپ بیٹے اور سب انسانوں سے بڑھ کر پیارا نہیں بن جاؤں گا۔''

[1] بخاری: کتاب الایمان، باب حب الرسول من الایمان رقم:۱۴، ۱۵، مسلم: کتاب الایمان، باب وجوب محبۃ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رقم:۱۶۹۔ نسائی باب علامۃ الایمان رقم:۵۰۱۶۔ ابن ماجۃ، ابواب السنۃ باب فی الایمان۔ رقم:۶۷۔

عُصبہ کا اطلاق

عُصْبَۃٌ: گھوڑوں یا پرندوں کی ٹکڑی، ایسے مردوں کی جماعت جن میں قرابت ہو۔ جو ایک دوسرے کے ممد و معاون ہوں، عموماً دس تک اس کا اطلاق کیا جاتا ہے۔ ابنائے یعقوب علیہ السلام (اس مشورہ والے) بھی دس ہی تھے۔

ضَلَالٌ: (ضَلَّ الرَّجُلُ ضَلَالًا عَنِ الطَّرِيْقِ) وہ راستہ کھو بیٹھا۔

باپ کی ہدایت کے بعد یوسف علیہ السلام نے تو خواب کا ذکر بھائیوں سے نہیں کیا، لیکن ان کے بھائیوں نے خود بخود یہ گمان کیا کہ ان کے باپ کی محبت یوسف و برادر یوسف سے زیادہ ہے اور ان سے کم ہے۔

اب انہوں نے اس پر بحث کی اور اپنی فضیلت کی دلیل میں یہ بیان کیا کہ ہم تعداد میں بھی زیادہ ہیں اور طاقتور بھی ہیں، اور یوسف میں کوئی خوبی بھی نہیں۔ اس مرحلہ تک پہنچ کر جھٹ فتویٰ لگا دیا کہ ہمارا باپ ہی گمراہی میں پڑ گیا ہے۔

خود بینی، خودداری، قیاس

اللہ اکبر! خود بینی، خودرائی کی یہ انتہا ہے کہ نبی اللہ کو گمراہ کہہ دینا تو آسان سمجھ لیا، مگر اپنے کسی نقص، عیب کی طرف نہ دیکھا۔ سعادت مندانِ ازلی کے لیے اس مقام پر بہترین تعلیم یہ ہے کہ کبھی اپنی رائے و قیاس کو حکم الٰہی اور رسول سے مقدم نہ کریں اور حسن ادب بزرگان کے تارک نہ ہوں:

﴿ اقْتُلُوْا يُوْسُفَ اَوِ اطْرَحُوْهُ اَرْضًا يَّخْلُ لَكُمْ وَجْهُ اَبِيْكُمْ وَ تَكُوْنُوْا مِنْ بَعْدِهٖ قَوْمًا صٰلِحِيْنَ ۝﴾ [۱۲/ یوسف:۹]

"یوسف کو قتل کر دو، یا کسی دور جگہ پھینک آؤ۔ تمہارے باپ کا رخ تمہاری ہی طرف ہو جائے گا اور اس کام کے بعد تم نیکوکار بن جانا۔"

اِطْرَحُوْهُ: (طَرَحَهٗ طَرْحًا) اَلْقَاهُ وَاَبْعَدَهٗ (ڈال دو اس کو یا دور کر دو)

اَرْضًا: بے پہچان جگہ، ملک بعید۔

يَخْلُ لَكُمْ: (خَلَا يَخْلُوْ خُلُوًّا سے) خلا بالشيء کے معنی ہیں کسی شے کے ساتھ منفرد ہونا کسی دوسری شے سے خلط ملط نہ ہونا۔

مِنْ بعدہ: کی ضمیر مصدر قتل، واطرح کی طرف ہے۔

نیک مقصد کے لیے عمل بد

برادرانِ یوسف علیہ السلام نے یہ قرار دینے کے بعد کہ باپ کو یوسف کے ساتھ ہم سے زیادہ محبت ہے۔ یہ تجویز کی کہ یوسف کو قتل کر دینا، یا دور پھینک آنا چاہیے۔ تجویز کا فائدہ یہ بتلایا کہ باپ کی مہربانی حاصل کر لیں گے اور چونکہ باپ کی مہربانی کا حاصل کرنا بجائے خود ایک نیک کام ہے اس لیے اس تجویز پر عمل کرنا ضروری ہے۔

گناہ بامید توبہ

لیکن اس تجویز کے بعد اُن کو یہ بھی کھٹکا رہا کہ معصوم، بے گناہ چھوٹے بھائی کو قتل کرنا یا دور پھینکوانا ظلم صریح ہے، اس کا توڑ یہ سوچ لیا کہ ایسا تو کر گزرو، بعد میں توبہ تائب ہو جائیں گے۔

اللہ اکبر! نفس وشیطان کا یہ اتنا دھوکہ ہے کہ ہزار ہا جرائم اور کبائر کا ارتکاب انسان اسی شیطانی دھوکہ میں آ کر کر بیٹھتا اور ﴿ زَيَّنَ لَهُمُ الشَّيْطٰنُ اَعْمَالَهُمْ ﴾ [۲۹/العنکبوت:۳۸] ”شیطان نے ان کے عملوں کو ان کی نگاہ میں اچھا بنا دیا ہے“ کا مصداق بن جاتا ہے۔

احکام کے مقابلہ میں رائے وقیاس

اس فریب میں انسان اس وقت آتا ہے جب احکام الٰہی میں اپنی رائے یا قیاس کا دخل دینے لگتا ہے۔ اگر انسان سمجھ لے اور خوب یاد رکھے کہ کوئی عمل اس لیے صالح (نیک) نہیں بن جاتا کہ اس شخص کے نزدیک وہ صالح ہے، بلکہ عمل صالح تو وہ ہے جس کے کرنے کا حکم یا اجازت شریعت میں موجود ہو اور اسے سنت راشدہ کے مطابق ہی کیا جائے۔

وہ یاد رکھے کہ خلاف شریعت کوئی بھی عمل نیک نہیں کہلا سکتا۔

ان دو امور کے یاد رکھنے پر ان شاء اللہ اس فریب سے ہر ایک مسلم بچا رہے گا۔

عمل صالح کسے کہتے ہیں

ارتکاب گناہ کے متعلق اس سے بھی بڑا دھوکا یہ ہے کہ اب تو یہ کام کر لیں اور پھر آئندہ کے لیے توبہ کر لیں گے۔ بہت سے لوگوں نے اس فریب شیطانی میں آ کر سینکڑوں فقرات ع ...... ''غفور است ایزد تو ساغر بنوش'' ❶ جیسے خود گھڑت بنا رکھے ہیں۔

توبہ کا پاک مسئلہ اور اعتراض

یہ وہ دھوکہ ہے جس نے ہزاروں لاکھوں انسانوں کو معصیت میں مبتلا کر دیا ہے جس نے گناہ یا جرم کی حقیقت کو انسان کی نگاہ میں بالکل خفیف بنا دیا ہے۔ جس نے توبہ کے پاک مسئلہ کو معترضین اسلام کی نگاہ میں قابل نفرت دکھلایا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے تو ہماری ہدایت و بھلائی کے لیے توبہ کا جو اصول ہم کو سمجھایا ہے۔ وہ یہ ہے:

﴿ اِنَّمَا التَّوْبَةُ عَلَى اللّٰهِ لِلَّذِيْنَ يَعْمَلُوْنَ السُّوْٓءَ بِجَهَالَةٍ ثُمَّ يَتُوْبُوْنَ مِنْ قَرِيْبٍ فَاُولٰٓئِكَ يَتُوْبُ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ ﴾ [۴/النساء:۱۷]

''توبہ تو ان لوگوں کے لیے ہے جو نادانی سے بری حرکت کر بیٹھتے ہیں اور پھر جلدی سے توبہ کرتے ہیں۔ خدا بھی ان لوگوں کی توبہ قبول کرتا ہے۔''

گناہ اور جہالت، توبہ اور عجلت

آیت میں ''بجهالة'' اور ''مِنْ قَرِيْبٍ'' کے الفاظ موجود ہیں۔ یعنی نادانی سے وہ برا کام ہوا تھا اور جلدی سے اسے چھوڑ کر اللہ سے معافی کا خواہاں ہوا۔

لوگ ہیں کہ الفاظ نادانی اور جلدی، پر غور ہی نہیں کرتے!

﴿ قَالَ قَآئِلٌ مِّنْهُمْ لَا تَقْتُلُوْا يُوْسُفَ وَ اَلْقُوْهُ فِيْ غَيٰبَتِ الْجُبِّ يَلْتَقِطْهُ بَعْضُ السَّيَّارَةِ اِنْ كُنْتُمْ فٰعِلِيْنَ ۝ ﴾ [۱۲/یوسف:۱۰]

''ان میں سے ایک نے کہا کہ یوسف کو قتل تو نہ کرو۔ ہاں اسے کسی چاہ میں جو گہرا ہو، ڈال دو۔ کوئی آتا جاتا قافلہ اسے لے جائے گا۔ تم کو کرنا ہے تو ایسا

❶ خدا بخشنے والا ہے تم جام شراب نوش کرو۔

ہی کرو۔"

غَيَابَ: قعراور قبر"غَيَابَتُ الْاَرْضِ "زمین کا وہ نشیبی حصہ جونظر نہ آئے۔

غَيَابَتِ الْجُبِّ کنوئیں کی تلیٹی، جو گہرائی کی وجہ سے نظر نہ آتی ہو۔

جُبّ: وہ چاہ (کنواں) جو زیادہ گہرا ہو اور اس میں پانی بھی زیادہ ہو۔

يَلْتَقِطْهُ: التقاط سے ہے۔ لقط الشی کے معنی ہیں، زمین پر پڑی ہوئی کوئی شئے بلا رنج و مشقت کے پالینا۔

لقط، بسکون ثانی، یا تحریک ثانی، وہ مال جو پڑا مل جائے اور اس کا مالک معلوم نہ ہو۔

سَيَّارَةٌ: سیر و تفریح کرنے والی قوم، قافلہ۔

روبن برادر کلاں

بائبل کتاب پیدائش ۲۱/۳۷ میں اس مقولہ کا قائل کہ قتل نہ کرو اور چاہ میں گرا دو۔ روبن کو بتلایا گیا ہے جو سب سے بڑا تھا۔

عمیق اور کثیر الماء چاہ کے اندر گرانا ہلاکت کا قوی احتمال رکھتا تھا اور یہ کہ ایک ایسی تجویز تھی جس کا مآل ہلاکت تھا۔

یہ امر الگ ہے کہ بحکمت ربانی اس چاہ پر ایک قافلہ بھی پہنچ گیا اور یوسف علیہ السلام زندہ نکل بھی آئے۔

قتل ایں کشتہ بشمشیر تو تقدیر نبود
ورنہ ہیچ از دل بے رحم تو تقصیر نبود [1]

اعمال کا مدار نیت پر ہے۔ الفاظ کی ہیر پھیر کام نہیں دیتی

اگر انسان اس بات کو سمجھ لے کہ اعمال کا مدار نیت پر ہے اور الفاظ کی ہیر پھیر عالم الغیب کی بارگاہ میں کچھ کارآمد نہیں، تو نفس کا حملہ انسان پر نہ چل سکے۔

[1] اس میری تلوار سے قتل شدہ کا قتل تقدیرا نہیں ہے۔ ورنہ تیرے بے رحم دل سے کوئی بھی گناہ صادر نہ ہوتا۔

فصل

حوالگی یوسف علیہ السلام کی بابت برادران یوسف علیہ السلام کی درخواست

یعقوب علیہ السلام کا جواب۔ جواب پر اعتراض۔ حوالگی

﴿قَالُوْا يٰٓاَبَانَا مَا لَكَ لَا تَاْمَنَّا عَلٰى يُوْسُفَ وَ اِنَّا لَهٗ لَنٰصِحُوْنَ○ اَرْسِلْهُ مَعَنَا غَدًا يَّرْتَعْ وَ يَلْعَبْ وَ اِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ○﴾ [۱۲/ یوسف:۱۱۔۱۲]

''اے باپ! کیا وجہ ہے کہ یوسف کی بابت آپ کو ہم پر بھروسہ نہیں حالانکہ ہم اس کے خیر خواہ ہیں۔ اچھا اسے کل ہمارے ساتھ کر دیجئے کہ وہ بھی چل پھر لے، کھیل کود لے۔ اس کی حفاظت ہمارے ذمہ ہے۔''

لَنٰصِحُوْنَ: نصح سے ہے (نَصَحَ الشَّیْئُ نَصْحًا) کسی چیز کو خالص کر لیا۔ نَصَحَ الْعَسَلَ شہد کو موم سے صاف کر لیا۔ نَصَحَ الْغَیْثُ الْبِلَادَ بادل نے آبادی کو سیراب کر دیا۔

خلوص اور حدیث نبوی

حدیث شریف میں ہے:

((اَلدِّیْنُ النَّصِیْحَةُ قَالُوْا لِمَنْ قَالَ لِلّٰهِ وَلِكِتَابِهٖ وَ لِرَسُوْلِهٖ)) [1]

''دین تو خلوص کا نام ہے۔ لوگوں نے پوچھا خلوص کس کے لیے؟ فرمایا: اللہ اور رسول کے لیے۔''

غدًا اور امس کا استعمال

غَدًا: غدا اصل میں غدوہ ہے۔ غدوہ اس وقت کو کہتے ہیں جو فجر اور طلوع شمس کے درمیان ہوتا ہے۔ اب اس کا استعمال آنے والے دن کے لیے ہو گیا۔ جیسا کہ امس گزشتہ دن کے لیے مستعمل ہوتا ہے۔

يَرْتَعْ: محاورہ ہے رَتَعَتِ الْمَاشِيَةُ رَتْعًا: ''مویشی کا کھلے چراگاہ، بھیڑ میں چگنا۔''

---

[1] بخاری: کتاب الایمان باب الدین النصیحة، رقم الباب ۴۲۔ مسلم: کتاب الایمان، باب ان الدین النصیحة، رقم ۱۹۶۔ ابوداؤد: کتاب الادب باب فی النصیحة، رقم ۴۹۴۴۔ ترمذی: ابواب البر والصلة، باب فی النصیحة، رقم ۱۹۲۶۔ نسائی: کتاب البیعة، باب النصیحة للامام، رقم ۴۲۰۲۔

رَتَعَ الْقَوْمُ لوگوں کا آرام و آسائش سے گزران کرنا۔

یَلْعَبْ: محاورہ ہے لَعِبَ الرَّجُلُ لَعِبًا و لِعْبًا لذت یا تفریح کے لیے کوئی کام کرنا، کوئی ایسا کام کرنا جس سے کوئی خاص نتیجہ مقصود نہ ہو۔

یَرْتَعْ وَیَلْعَبْ: محاورہ میں اکٹھے بولے جاتے ہیں۔ خَرَجَ الْقَوْمُ یَرْتَعُ وَ یَلْعَبُ ''لوگ مزے اڑانے کے لیے باہر چلے گئے۔''

انداز گفتگو

ابناء یعقوب علیہ السلام نے سابقہ مشورہ پر عمل کرتے ہوئے اب باپ سے گفتگو شروع کی، انداز گفتگو ایسا ڈالا کہ درخواست نامنظور نہ ہو سکے۔ انہوں نے صاف لفظوں میں درخواست نہیں کی، بلکہ پہلے تو باپ پر پھڑی جمائی کہ آپ کو ہم پر اعتماد نہیں، بھروسہ نہیں۔ آپ نے ہم کو یوسف کا غیر سمجھ رکھا ہے۔ اس انداز کلام کا نتیجہ یہی ہونا چاہیے تھا کہ یعقوب علیہ السلام ان کا رکن، جوان بیٹوں پر اپنا اعتماد ثابت کریں اور یوسف علیہ السلام کو بلا تامل ان کے ساتھ کر دیں، لیکن یعقوب علیہ السلام نے بھی اسلوب کلام بدل کر چاہا کہ بے اعتمادی کا اعتراض بھی اٹھ جائے اور یوسف علیہ السلام بھی علیحدہ نہ ہو۔

﴿قَالَ اِنِّیْ لَیَحْزُنُنِیْٓ اَنْ تَذْهَبُوْا بِهٖ وَاَخَافُ اَنْ یَّاْكُلَهُ الذِّئْبُ وَ اَنْتُمْ عَنْهُ غٰفِلُوْنَ۝﴾ [۱۲/ یوسف:۱۳]

''یعقوب علیہ السلام نے کہا مجھے تو رنج و الم ہوتا ہے کہ تم اسے میرے پاس سے لے جاؤ اور مجھے یہ بھی خوف ہے کہ اسے بھیڑیا نہ کھا جائے جب تم اس سے غافل ہو جاؤ۔''

لَیَحْزُنُنِیْ: (حَزِنَ حَزَنًا لَهٗ یا عَلَیْهِ) حزن قلب کی اس کیفیت کو کہتے ہیں جو محبّ کو محبوب کی تکلیف یا فراق سے ہوا کرتی ہے۔ لَیَحْزُنُنِیْ میں لام ابتداء ہے۔

تہذیب کلام

یعقوب علیہ السلام کا ﴿ اَنْتُمْ عَنْهُ غٰفِلُوْنَ ﴾ فرمانا تہذیب کلام کا اعلیٰ نمونہ ہے جو

اب دو امور پر مشتمل ہے، اول یہ کہ یوسف کی جدائی شاق ہے اور اگر ان ابناء یعقوب میں رشد و سعادت ہوتی تو نصیحت کے لیے یہی فقرہ کافی تھا کہ کیوں وہ ایسا کام کریں جس سے باپ اور نبی اللہ کے قلب کو صدمہ پہنچے۔ دوسری وجہ نہ بھیجنے کی وہ توجیہہ ہے جس میں بے اعتمادی کی نفی بھی کی گئی ہے اور وہ یہ ہے کہ ذرا سی غفلت سے بسا اوقات خطرناک نتائج پیدا ہو جایا کرتے ہیں۔ ایسے جنگل میں جہاں بھیڑیے بکثرت ہوں، ریوڑ چرانے والوں کے ساتھ نابالغ بچہ کو بھیجنا خالی از خطرہ نہیں ہو سکتا، کہ تم ادھر ادھر ہوئے اور یوسف کو بھیڑیا کھا جائے۔

﴿ قَالُوْا لَئِنْ اَكَلَهُ الذِّئْبُ وَ نَحْنُ عُصْبَةٌ اِنَّآ اِذًا لَّخٰسِرُوْنَ۝ ﴾ [۱۲/ یوسف:۱۴]

''سب نے مل کر کہا: ہم سب کی موجودگی میں جو زور و طاقت اور اتفاق و اعانت والے ہیں اگر اسے بھیڑیا کھا جائے گا تب تو ہم بالکل نکمے ہیچ کارہ ہیں۔''

لَخَاسِرُوْنَ: (خَسِرَ الرَّجُلُ ضَلَّ وَ هَلَكَ) ''ناکام آدمی تباہ و برباد ہوا۔''

باپ کے الفاظ کو انہی پر الٹ دیا

فرزندان یعقوب نے باپ کے پہلے فقرہ ﴿لَيَحْزُنُنِىْ﴾ کا تو جواب ہی نہ دیا۔ ممکن ہے کہ اس فقرہ کا سننا تو ان کی آتش حسد کے زیادہ بھڑکنے کا سبب ہوا ہو۔ البتہ دوسرے فقرہ کا جواب دیا اور وہ بھی اس طرح کہ باپ کے الفاظ کو انہی پر الٹ دیا کہ ہماری موجودگی میں بھیڑیے کے کھا جانے کی بھی خوب ہی کہی۔ پھر یوں فرمایئے کہ آپ ہم کو محض نالائق، نکمے اور ہیچ کارہ سمجھتے ہیں۔

اس گفتگو نے خاصی جدل کی سی صورت پیدا کر لی تھی۔ اس لیے یعقوب علیہ السلام کو ان کی رائے ماننا ضروری ہو گیا۔

﴿ فَلَمَّا ذَهَبُوْا بِهٖ وَ اَجْمَعُوْٓا اَنْ يَّجْعَلُوْهُ فِيْ غَيٰبَتِ الْجُبِّ وَ اَوْحَيْنَآ اِلَيْهِ لَتُنَبِّئَنَّهُمْ بِاَمْرِهِمْ هٰذَا وَ هُمْ لَا يَشْعُرُوْنَ۝ ﴾ [۱۲/ یوسف:۱۵]

''پھر جب وہ یوسف کو لے گئے تو اُن کا اجماع اس پر ہو گیا کہ اسے گہرے
چاہ کی تلیٹی میں چھوڑ دیا جائے (تو انہوں نے ایسا ہی کیا) اس وقت ہم نے
یوسف کے پاس وحی بھیجی کہ تو ایک دن ان سب کو ان کی حرکت جتائے گا۔
برادران یوسف کو اس وحی کا کچھ شعور نہ تھا۔''

عمر یوسف، جب چاہ میں گرائے گئے

بائیبل ۲/ ۲۷ پ سے معلوم ہوتا ہے کہ اس وقت سیدنا یوسف علیہ السلام کی عمر ۱۷ سال کی تھی۔ اس زمانہ میں ۱۷ سال کا بچہ نابالغ ہوتا تھا۔ ۱۴، ۱۸/ ۳۷ پ سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ یہ واقعہ وادی سکم میں مقام ''دوتین'' کے متصل ہوا تھا۔

ایجاز کلام کا نمونہ

ایجاز قرآنی پر غور کرو کہ ﴿لَتُنَبِّئَنَّهُم﴾ کے ایک لفظ کے اندر کتنے معانی بھر دیئے ہیں۔
(۱) تو یہاں سے نجات پائے گا۔ (۲) تو اعلیٰ منزلت پر پہنچے گا۔ (۳) تیرے بھائی تیرے سامنے ذلیل ہو کر حاضر ہوں گے۔ (۴) تجھے ان سے جتانے شرمانے (شرمندہ کرنے) کا موقعہ دیا جائے گا۔

تابعین میں قتادہؒ سید المفسرین ہیں

﴿وَ هُمْ لَا يَشْعُرُوْنَ﴾ کا تعلق بعض نے ﴿لَتُنَبِّئَنَّهُمْ﴾ سے سمجھا ہے۔ قتادہ کا مذہب یہ ہے کہ اس کا تعلق اَوْحَيْنَا سے ہے۔ یہی قوی مذہب ہے۔ تابعین میں قتادہؒ ہی سید المفسرین ہیں۔

افعال انسانی کا موازنہ الطاف رحمانی سے

اس آیت میں افعال انسانی کا موازنہ الطاف رحمانی سے کرو۔ بھائیوں نے یوسف کو چاہ میں گرا دیا ہے، چاہ ایک سنسان میدان میں واقع ہے، اسباب ظاہری اور وسائل دنیوی کا خاتمہ ہو چکا ہے، ایسے وقت میں (جو خالی از ایمان لوگوں کے نزدیک کامل یاس کا

وقت ہے) رحمت ربانی جوش میں آتی ہے اور یوسف کا تعلق ملاء آسمانی کے ساتھ قائم کر دیا جاتا ہے۔ مظلوم کی ہمدردی و دل دہی کے لیئے پیام الٰہی آتا ہے۔ یہ وہ سبق ہے جو ہم کو یاد رکھنا چاہیے۔

خشت زیر سر و بر تارم ہفت اختر پا
حال مسکین نگر و منصب صاحب جاہی [1]

❁ ❁ ❁

[1] سر کے نیچے اینٹ مگر سات آسمانوں کے اوپر اس کا پاؤں ہے۔ مسکین کا حال دیکھئے اور ان کا جاہ و منزلت والا ہونا بھی دیکھئے۔

فصل

برادران یوسف علیہ السلام کا شام کو گھر آنا

''باپ کوخبر دینا، باپ کا انہیں جھٹلانا، صبر واستقامت کی تعلیم''

﴿ وَ جَآءُوْٓ اَبَاهُمْ عِشَآءً يَّبْكُوْنَ ○ قَالُوْا يٰٓاَبَانَآ اِنَّا ذَهَبْنَا نَسْتَبِقُ وَ تَرَكْنَا يُوْسُفَ عِنْدَ مَتَاعِنَا فَاَكَلَهُ الذِّئْبُ وَ مَآ اَنْتَ بِمُؤْمِنٍ لَّنَا وَ لَوْ كُنَّا صٰدِقِيْنَ ○ وَ جَآءُوْ عَلٰى قَمِيْصِهٖ بِدَمٍ كَذِبٍ قَالَ بَلْ سَوَّلَتْ لَكُمْ اَنْفُسُكُمْ اَمْرًا فَصَبْرٌ جَمِيْلٌ وَاللّٰهُ الْمُسْتَعَانُ عَلٰى مَا تَصِفُوْنَ ○﴾ [۱۲/ یوسف:۱۶۔۱۸]

''وہ تھوڑی رات گئے سے باپ کے پاس روتے ہوئے آئے اور کہا باوا جی! ہم تو دوڑ لگانے چلے گئے اور یوسف کو ہم نے اسباب کے پاس چھوڑا۔ پھر بھیڑیا آیا اسے کھا گیا۔ آپ تو ہمارا یقین نہیں کریں گے خواہ ہم سچے ہی ہیں۔ وہ یوسف علیہ السلام کے کرتے پر جھوٹ موٹ کا خون بھی لگا کر لائے تھے۔ حضرت یعقوب علیہ السلام نے کہا، تم نے ایک بڑی بات خود بنائی ہے اب صبر ہی بہتر ہے، جو کچھ تم کہتے ہو اس بارے میں خدا میری مدد کرے گا۔''

عِشَـاءً : لغت میں اَوَّلُ الظَّلَامِ کو کہتے ہیں۔ غروب سے عتمہ تک کا وقت، یہی یہاں مراد ہے۔ اصطلاح شرعیہ میں عشاء نماز خفتن کو کہتے ہیں۔ اس کا وقت غروب سے سوا گھنٹہ، ڈیڑھ گھنٹہ بعد ہوتا ہے۔

نَسْتَبِقُ: سَبَقَ سَبْقًا آگے نکل جانا۔ دوسرے کو پیچھے چھوڑ گیا۔ استباق ایک دوسرے سے آگے نکلنے کے لیے دوڑنا۔

اصطلاح شرع میں مومن کے معنی

مـومـن : تصدیق کنندہ۔ اس جگہ یہی لغوی معنی مراد ہیں۔ اصطلاح شرعیہ میں تو مومن اسے کہتے ہیں جو اللہ ورسول، کتب منزلہ، انبیاء ورسل، یوم آخرت اور وجود ملائکہ پر یقین رکھتا ہو۔

﴿سَوَّلَتْ لَكُمْ . تَسْوِيل سَوِلَ سے ہے۔جس کے معنی استرخاء بطن ہیں تَسْوِيل کے معنی اغواء کے ہیں۔ سَوَّلَتْ لَكُمْ اَنْفُسُكُمْ کے معنی ہوئے کہ تمہاری جانوں نے تم کو گمراہ کیا۔

گلکاری کا کُرتا

بائیبل میں ہے کہ یعقوب علیہ السلام نے یوسف علیہ السلام کے لیے گلکاری کا کرتا بنا کر دیا تھا اور برادرانِ یوسف نے ان کو چاہ میں گرانے سے پہلے ان کا وہ کُرتہ اتار لیا تھا اور اس کُرتہ پر ایک دنبہ کا خون لگا کر لائے تھے۔

سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ان کو کرتا کا چاک کرنا یاد نہ رہا اور یعقوب علیہ السلام نے اسی امر سے سمجھ لیا کہ بھیڑیے والی بات جھوٹ ہے۔

یہ استدلال صحیح ہے۔اس کے علاوہ اسرائیل علیہ السلام کے سامنے دیگر امور بھی تھے جن سے برادرانِ یوسف کا بیان دروغ بے فروغ معلوم ہوتا تھا۔

یعقوب علیہ السلام نے بیٹوں کی بات کو کیونکر جھوٹ سمجھا

الف: یعقوب علیہ السلام کو یوسف علیہ السلام کا ابتدائی خواب معلوم تھا اور خواب کا اقتضا د تاویل یہ تھی کہ یعقوب علیہ السلام اپنی زندگی میں یوسف علیہ السلام کو شاندار منصب دنیوی وعروج دینی پر ممتاز دیکھ لیں۔

ب: برادرانِ یوسف علیہ السلام کوئی جدید بہانہ بھی نہ بنا سکتے تھے۔باپ نے جن الفاظ کو بطور اندیشہ ظاہر کیا تھا، انہی الفاظ کو ان برخورداران نے شام کو دہرا دیا تھا۔باپ نے کہا تھا۔﴿اَخَافُ اَنْ يَّاْكُلَهُ الذِّئْبُ﴾ انہوں نے آ کر کہہ دیا ﴿فَاَكَلَهُ الذِّئْبُ﴾

ج: جھوٹے شخص کو اپنے جھوٹے ہونے کی وجہ سے خود شبہ ہوتا ہے کہ کیا اس کی بات پر یقین کر بھی لیا جائے گا اسی لیے وہ (وَمَآ اَنْتَ بِمُؤْمِنٍ لَّنَا) کہتے ہیں۔یعنی آپ ہمارا یقین تو نہیں کریں گے۔

سیدنا یعقوب علیہ السلام کے اصل جواب پر غور کرو۔

﴿فَصَبْرٌ جَمِيلٌ ۖ وَاللَّهُ الْمُسْتَعَانُ﴾ [۱۲/یوسف:۱۸] یہ جواب دین قیمہ اسلام کے نہایت ضروری اصول پر مبنی ہے اور ہر ایک مسلم باایمان کو لازم ہے کہ ہر ایک مصیبت کا مقابلہ انہی دو آلاتِ حرب سے کرے۔

صبر اور استعانت باللہ دین کے ضروری اصول

اول: صبر جمیل۔ دوم: استعانت باللہ۔ ہر دو امور کے متعلق ذیل میں کچھ تفصیل سے تحریر کیا جاتا ہے، کیونکہ قرآن حکیم کا اسلوب یہی ہے کہ قصہ کے پیرایہ میں وہ بڑے بڑے اصول دینی کی تعلیم دیتا ہے اور ہر واقعہ انسانی کے ساتھ عرفان ربانی کے بیان کو شامل کر دیتا ہے۔ اس طرز کا فائدہ یہ ہوتا ہے کہ تعلیم آہستہ آہستہ دل میں اثر کرتی جاتی اور خوب ذہن نشین ہو جاتی ہے۔

صَبْر : صبر کا بیان قرآن حمید میں قریباً (۹۰) مقامات پر ہے۔ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ صبر کرنا باجماع امت سب پر واجب ہے۔ انہی کا قول ہے کہ نصف ایمان صبر ہے اور نصف ایمان شکر ہے۔

صبر کی ۱۶ قسمیں قرآن مجید میں

قرآن مجید کا بیان صبر کے متعلق 16 انواع پر ہے۔

① صبر کرنے کا حکم دیا۔

﴿اِسْتَعِيْنُوْا بِاللّٰهِ وَاصْبِرُوْا﴾ [۷/الاعراف:۱۲۸]

''صرف اللہ سے مدد مانگو اور صبر کرو۔''

فرمایا: ﴿اِسْتَعِيْنُوْا بِالصَّبْرِ وَالصَّلٰوةِ﴾ [۲/البقرۃ:۴۵]

''صبر اور نماز سے مدد لیا کرو۔''

فرمایا: ﴿اِصْبِرُوْا وَصَابِرُوْا﴾ [۳/آل عمران:۲۰۰]

''خود بھی صبر کرو دوسروں کو بھی صبر کی تعلیم دو۔''

فرمایا: ﴿وَاصْبِرْ وَمَا صَبْرُكَ اِلَّا بِاللّٰهِ﴾ [۱۶/النحل:۱۲۷]

''صبر کر، تیرا صبر کرنا تو اللہ کے لیے ہے۔''

② بے صبری سے منع فرمایا۔

فرمایا: ﴿وَ لَا تَسْتَعْجِلْ لَّهُمْ﴾ [۴۶/الاحقاف:۳۵]

''اُن کے بارے میں جلدی نہ کر۔''

فرمایا: ﴿وَلَا تَهِنُوْا وَ لَا تَحْزَنُوْا﴾ [۳/آل عمران:۱۳۹]

''وہن اور حزن نہ کرو۔'' (وہن صبر کی متضاد حالت کا نام ہے۔)''

③ صابرین کی تعریف فرمائی۔

فرمایا: ﴿الصّٰبِرِيْنَ وَ الصّٰدِقِيْنَ﴾ [۳/آل عمران:۱۷]

''مومن صبر کرنے والے، صدق والے ہوتے ہیں۔''

فرمایا: ﴿وَالصّٰبِرِيْنَ فِي الْبَاْسَآءِ وَالضَّرَّآءِ وَحِيْنَ الْبَاْسِ ؕ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ صَدَقُوْا وَ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُتَّقُوْنَ﴾ [۲/البقرۃ:۱۷۷]

''جو لوگ تنگی اور لڑائی میں صبر کرتے ہیں۔ وہی تو ہیں جنھوں نے اپنے اعتقاد کو سچ کر دکھایا۔ وہی تقویٰ والے ہیں۔''

④ صابرین کے ساتھ اپنی محبت کا وجوب بتلایا۔

﴿وَاللّٰهُ يُحِبُّ الصّٰبِرِيْنَ﴾ [۳/ال عمران:۱۴۶]

''اللہ صبر والوں کو دوست رکھتا ہے۔''

⑤ بتلایا کہ صابرین کو معیّتِ الٰہی حاصل ہوتی ہے۔

﴿وَاصْبِرُوْا اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الصَّابِرِيْنَ﴾ [۸/الانفال:۴۶]

''صبر کرو بے شک اللہ صبر والوں کا ساتھی ہے۔''

معیت کے بارے میں یہ یاد رہے کہ اس کی دو قسمیں ہیں۔ عام و خاص معیت عام تو وہ ہے جو بذریعہ علم و احاطت ہے اور معیت خاص وہ ہے جو حفاظت و نصرت اور تائید کی شکل میں جلوہ گر ہوتی ہے۔ اس آیت میں معیت خاصہ ہی کا ذکر ہے۔

⑥ بتلایا گیا کہ صبر افضل ہے۔

﴿وَ لَئِنْ صَبَرْتُمْ لَهُوَ خَيْرٌ لِّلصّٰبِرِيْنَ۝﴾ [۱۶/النحل:۱۲۶]

''اور اگر تم صبر کرتے البتہ صبر کرنے والوں کے لیے تو صبر ہی بہتر ہے۔''

⑦ وعدہ فرمایا گیا ہے کہ صابرین کے لیے بہترین جزاء ہے۔ فرمایا:

﴿وَ لَنَجْزِيَنَّ الَّذِيْنَ صَبَرُوْۤا اَجْرَهُمْ بِاَحْسَنِ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ﴾ [۱۶/النحل:۹۶]

''جن لوگوں نے صبر کیا۔ ہم ان کے عملوں کا اجر بہت بہتر دیں گے۔''

⑧ وعدہ فرمایا کہ صابرین کو اجر بے حساب دیا جائے گا:

﴿اِنَّمَا يُوَفَّى الصّٰبِرُوْنَ اَجْرَهُمْ بِغَيْرِ حِسَابٍ۝﴾ [۳۹/الزمر:۱۰]

''صابروں کا اجر بغیر حساب کے پورا کیا جائے گا۔''

⑨ اہل صبر کو اللہ تعالیٰ نے اپنی جانب سے بشارت دی۔

﴿وَبَشِّرِ الصّٰبِرِيْنَ۝﴾ [۲/البقرۃ:۱۵۵] ''صبر کرنے والوں کو بشارت سنا دیجیے۔''

⑩ اہل صبر کی نصرت و مدد کی ضمانت فرمائی۔

﴿بَلٰۤى ۙ اِنْ تَصْبِرُوْا وَ تَتَّقُوْا وَ يَاْتُوْكُمْ مِّنْ فَوْرِهِمْ هٰذَا يُمْدِدْكُمْ رَبُّكُمْ بِخَمْسَةِ اٰلٰفٍ مِّنَ الْمَلٰٓئِكَةِ مُسَوِّمِيْنَ۝﴾ [۳/آل عمران:۱۲۵]

''اگر تم صبر و تقویٰ اختیار کرو گے اور دشمن تم پر ناگہاں آ پڑے گا تو تمہارا رب تمہاری مدد پانچ ہزار ملائکہ سے کرے گا۔''

⑪ اہل صبر کا نام اہل عزیمت رکھا ہے۔ فرمایا:

﴿وَلَمَنْ صَبَرَ وَ غَفَرَ اِنَّ ذٰلِكَ لَمِنْ عَزْمِ الْاُمُوْرِ۝﴾ [۴۲/الشوریٰ:۴۳]

''جو کوئی صبر کرے گا اور معافی دے گا تو یہ بات بڑی عظیم الشان ہے۔''

⑫ بتلایا کہ اعمال صالحہ کی جزا و تلقی اور حظوظ کا عطیہ اہل صبر ہی کو ملے گا۔

﴿ثَوَابُ اللّٰهِ خَيْرٌ لِّمَنْ اٰمَنَ وَ عَمِلَ صَالِحًا ۚ وَلَا يُلَقّٰهَاۤ اِلَّا الصّٰبِرُوْنَ۝﴾ [۲۸/القصص:۸۰]

''جو ایمان لایا، جس نے عمل اچھے کیے۔ اس کے لیے اللہ کے یہاں ثواب

بہت بہتر ہے، اس ثواب کو تو صبر والے ہی حاصل کرتے ہیں۔"

⑬ بتلایا کہ آیات الٰہیہ سے استفادہ اور عبرت آموز سبق سے انتفاع اہل صبر ہی لیتے ہیں۔ فرمایا:

﴿ وَ ذَكِّرْهُمْ بِاَيّٰمِ اللّٰهِ ۭ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّكُلِّ صَبَّارٍ شَكُوْرٍ ﴾ [۱۴/ابراہیم:۵]

"تاریخ واقعات الٰہیہ کے ذریعہ ان کو برے انجام کے برے نتائج سمجھاؤ۔ صبر کرنے والوں، شکر کرنے والوں کے لیے اس کے اندر بہت نشانیاں ہیں۔"

⑭ فرمایا کہ مطلوب محبوب تک رسائی اور مرہوب سے نجات اور جنت ماویٰ کا داخلہ صبر ہی کی وجہ سے ہوگا۔

﴿ وَالْمَلٰٓئِكَةُ يَدْخُلُوْنَ عَلَيْهِمْ مِّنْ كُلِّ بَابٍ ۝ سَلٰمٌ عَلَيْكُمْ بِمَا صَبَرْتُمْ فَنِعْمَ عُقْبَى الدَّارِ ۝ ﴾ [۱۳/الرعد:۲۴]

"فرشتے ہر طرف سے ہر دروازے سے اُن کے سامنے آئیں گے اور سلام کریں گے اور کہیں گے کہ صبر کی وجہ سے تم پر سلامتی ہو۔ یہ عافیت کا گھر بہت بہتر ہے۔"

⑮ بتلایا کہ صبر ہی کے ذریعہ سے درجہ امامت پر فائز ہو سکتے ہیں۔ فرمایا:

﴿ وَ جَعَلْنَا مِنْهُمْ اَىِٕمَّةً يَّهْدُوْنَ بِاَمْرِنَا لَمَّا صَبَرُوْا ﴾ [۳۲/السجدۃ:۲۴]

⑯ دیگر آیات قرآنیہ پر غور کرنے سے معلوم ہو جاتا ہے کہ صبر کو اسلام و ایمان اور یقین و احسان کے ساتھ بیان کیا گیا ہے اور یہ ایسے فضائل ہیں جن سے صبر کی فضیلت بخوبی آشکار ہو جاتی ہے۔

مومن کے صبر و شکر کے متعلق حدیث صحیح

حدیث میں ہے:

((عَجَبًا لِاَمْرِ الْمُؤْمِنِ اِنَّ اَمْرَهٗ كُلَّهٗ لَهٗ خَيْرٌ وَلَيْسَ ذَالِكَ اِلَّا لِلْمُؤْمِنِ اِنْ اَصَابَتْهُ سَرَّاءُ شَكَرَ فَكَانَ خَيْرًا لَّهٗ وَاِنْ اَصَابَتْهُ

ضَرَّاءُ صَبَرَ فَكَانَ خَيْرًا لَهُ)) [1]

''یعنی مومن کا کام یہی ہے، اسے ہر طرح بھلائی ملتی ہے اور یہ بات صرف مومن ہی کو حاصل ہے، وہ خوشی پر شکر کرتا ہے اور یہ اس کے لیے بھلا ہے۔ وہ ضرر پر صبر کرتا ہے اور یہ اس کے لیے بھلا ہے۔''

دوسری حدیث شریف میں ہے:

((مَا أُعْطِيَ اَحَدٌ عَطَاءً خَيْرًا لَهُ وَ اَوْسَعَ مِنَ الصَّبْرِ)) [2]

''یعنی صبر سے بہتر اور وسیع تر عطیہ کسی کو نہیں ملا۔''

حقیقت صبر کا بیان

صبر کے لغوی معنی حبس اور روکنے کے ہیں۔ یہی معنی اس آیت میں ہیں:

﴿ وَاصْبِرْ نَفْسَكَ مَعَ الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ﴾ [۱۸/الکہف:۲۸]

''اللہ کا نبی اپنے آپ کو اللہ کا نام لینے والوں کے ساتھ ساتھ رکھے۔''

حقیقت صبر

شرعی معنی صبر کے یہ ہیں کہ نفس کو گریہ وزاری سے اور زبان کو شکایت سے اور اعضا کو گھبراہٹ سے روک لیا جائے۔

صبر کے اقسام

صبر کی تقسیم تین اقسام پر کی جاتی ہے:

الف: معصیت سے روکنے والا صبر۔ اس کے دو سبب ہیں:

① خوف عذاب ② شرم الٰہی

ب: طاعت پر قائم رکھنے والا صبر۔ اس کے تین اجزا ہیں۔

① نگہداشت حکم ② محافظت دوام ③ رعایت اخلاص۔

---

[1] مسلم: کتاب الزہد، باب لا یلدغ المؤمن من جحر مرتین، رقم ۷۵۰۰۔ ریاض الصالحین: رقم ۲۷۔

[2] ریاض الصالحین، باب الصبر، رقم ۲۶۔

ج: مصیبت کے برداشت کرنے والا صبر۔ اس کی بھی بڑی بڑی تین صورتیں ہیں:

① گزشتہ نعمتوں کی قدر و قیمت کو موجودہ بلا سے مقابلہ کرکے بلا کو خفیف سمجھنا۔

② امید رحمت کو قوی بنا کر سختی بلا کو کم کر دینا۔

③ احسن جزاء کے تصور سے مسرور ہو کر دل پر الم بلا کو غالب نہ ہونے دینا۔ [1]

آیت زیر تفسیر میں یعقوب علیہ السلام کا صبر، صبر بر بلا تھا اور اس لیے وہ ان ہر سہ انواع متذکرہ سے مکمل تر تھا۔

دین کا اصول دوم: استعانت باللہ

اصول دوم، جس کی تعلیم یعقوب علیہ السلام کے جواب میں ہے۔ وہ استعانت باللہ ہے، یعنی اللہ تعالیٰ ہی سے مانگنا۔

اکثر لوگ اس اصول دین کے نہ سمجھنے سے (شرک میں) گرفتار ہو جاتے ہیں۔ اس فقرہ میں بت پرستوں اور خارج از اسلام گروہوں کا ذکر نہیں بلکہ مسلمانوں کا ذکر ہے۔ الوہیت اور ربوبیت الٰہی پر اقرار کرنے والوں کا ذکر ہے کہ وہ بھی شرک میں اس وجہ سے پھنس جاتے ہیں کہ انہوں نے استعانت باللہ کی تعلیم کو کبھی سمجھا ہی نہیں۔

سورہ الحمد کا نماز میں بار بار پڑھا جانا اور اس کا راز

اللہ تعالیٰ نے سورہ فاتحہ میں فرمادیا ہے اور یہی وہ سورہ مبارکہ ہے جو سب سے زیادہ نماز میں پڑھی جاتی ہے اور بار بار پڑھی جاتی ہے ﴿ اِیَّاکَ نَعْبُدُ وَ اِیَّاکَ نَسْتَعِیْنُ ﴾ [الفاتحۃ: ۴] ''اے اللہ ہم صرف تیری ہی عبادت کرتے ہیں۔ دوسرے کی عبادت نہیں کرتے۔ صرف تجھ ہی سے مدد مانگتے ہیں، کسی دوسرے سے مدد نہیں مانگتے۔'' خدا کے سامنے جانا، تو یوں کہنا اور نماز سے فارغ ہونا تو جھٹ اوروں سے مدد کا طالب ہونا۔ ذرا غور تو کرو کہاں تک ٹھیک ہے؟

غیر اللہ سے مدد لینا۔

① یا تو منفعت حاصل کرنے کے لیے ہوتا ہے۔

[1] ماخوذ از کتاب منازل السائرین۔

② یا دفع ضرر کے لیے۔

بہر دو صورت جب کوئی شخص غیر اللہ سے مدد کا خواہاں ہوا تو استعانت باللہ سے ضروری غافل ہو گیا۔

اللہ کے بندہ کی شناخت

اگر کوئی شخص مصیبتوں اور آفتوں کے وقت ڈانواں ڈول نہ ہو اور اس کا دل اللہ تعالیٰ ہی کی مدد و نصرت اور کارسازی پر جما رہے اور غیر سے مدد لینے کا شائبہ بھی اس کے دل میں پیدا نہ ہو، اس وقت سمجھا جاتا ہے کہ یہ بندہ فی الحقیقت اللہ کا بندہ ہے۔﴿ اِیَّاکَ نَسْتَعِیْنُ﴾ اسی کی زبان سے زیب دیتا ہے۔

تراکہ از دگران است استعانتِ عمر
زبانِ کذب باپاک نستعین مکشا ❶

❶ تو جو دوسروں سے عمر کی مدد مانگ رہا ہے تو "نستعین" کے پاک لفظ کے ساتھ اپنی جھوٹی زبان نہ کھول۔

فصل

چاہ پر قافلہ کا آنا

یوسف کا چاہ سے نکلنا۔ مصر میں جا بکنا۔

﴿ وَ جَآءَتْ سَيَّارَةٌ فَاَرْسَلُوْا وَارِدَهُمْ فَاَدْلٰى دَلْوَهٗ ؕ قَالَ يٰبُشْرٰى هٰذَا غُلٰمٌ ؕ﴾ [۱۲/ یوسف:۱۹]

''ایک قافلہ آ گیا۔ انہوں نے اپنے پانی لانے والے کو چاہ پر بھیجا۔ اُس نے ڈول ڈالا (جب نکالا) تو بولا مبارک، یہ تو ایک نوجوان لڑکا نکل آیا۔''

سَیَّارَۃٌ: سیار کا مؤنث۔ قافلہ، وہ لوگ جو اکثر سیر و سفر میں رہتے ہوں۔

وَارِدٌ: وِرد بالکسر سے ہے وِرْد کے معنی ہیں پانی پر پہنچ جانا۔

وارد کا نام

وارد، وہ شخص جو پانی لانے پر مقرر ہو۔ علامہ ابن اسحٰقؒ نے اس کا نام مالک بن ذعر بن قریب بن عنقا بن مدیان بن ابراہیم علیہ السلام بتلایا ہے۔ ہم کو اس روایت کا ماخذ معلوم نہیں۔

اَدْلٰی: دلو اسم سے یہ فعل بنا لیا گیا ہے دلی الدلو کے معنی ہیں ولو کو چاہ سے نکالا اور اَدْلٰی الدَّلْوَ کے معنی ہیں دلو کو چاہ میں ڈالا۔ اَدْلٰی اِلَیْهِ بِمَالٍ۔ مال کا ادا کرنا۔ قرآن پاک میں ہے: ﴿وَتُدْلُوْا بِهَآ اِلَى الْحُكَّامِ﴾ [۲/البقرۃ:۱۸۸]

غلام: مذکر کے لیے آتا ہے۔ بعض نے نظم میں غلامہ مؤنث کے لیے استعمال کیا ہے۔ لیکن اس کا استعمال صرف قدماء کی نظم میں ہوا ہے۔

مختلف عمر کے لحاظ سے بچہ کے نام عربی زبان میں

ذرا لغت عرب کی وسعت پر غور کرو کہ بچہ کے نام بلوغت تک پہنچتے پہنچتے کتنے ہیں۔

① پیٹ کے بچہ کا نام	جنین	② سات دن تک	صدیغ
③ تا ایام شیر خوردگی	رضیع	④ دودھ چھٹانے کے بعد	فطیم
⑤ جب خوراک پر لگ جائے	حجوش	⑥ جب بڑھ نکلے تب	دارج
⑦ پانچ بالشت کے قد میں	خُماسي	⑧ جب دودھ کے دانت ٹوٹیں	مثغور
⑨ جب نئے دانت نکل آئیں	مثغو	⑩ دس یا دس سال سے زائد	مترعوع
⑪ قریب حلم	یافع یا مراهق	⑫ بعد از احتلام	حَزَوَّر

ان سب حالتوں کا مجموعی نام غلام ہے۔اس کے بعد جب سبزہ بھیگنے لگے۔تب غلام سے آگے نکل جاتا ہے۔ پھر فتی پھر شارخ وغیرہ نام آتے ہیں۔اس لفظ نے بتلا دیا کہ جب یوسف علیہ السلام چاہ سے نکالے گئے تو ابھی ان کے چہرہ پاک پر مسیں نہیں بھیگنے پائی تھیں۔

﴿وَاَسَرُّوْهُ بِضَاعَةً، وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ بِمَا يَعْمَلُوْنَ ○ وَ شَرَوْهُ بِثَمَنٍ بَخْسٍ دَارَهِمَ مَعْدُوْدَةٍ، وَكَانُوْا فِيْهِ مِنَ الزَّاهِدِيْنَ○﴾ [۱۲/یوسف:۱۹،۲۰]

”قافلہ والوں نے یوسف کو راس المال کی طرح چھپایا اور اللہ خوب جانتا تھا جو وہ کرتے تھے اور انہوں نے یوسف کو ہلکی سی قیمت پر جو گنتی کے درہم تھے، بیچ دیا، وہ یوسف کی قدر نہ جانتے تھے۔“

اَسَرُّوْهُ: سب کا اتفاق ہے کہ اَسَرُّوْهُ کے معنی یہ ہیں کہ قافلہ والوں نے یوسف کو چھپایا۔

شَرَوْهُ: شریٰ سے ہے۔ یہ لغات اضداد سے ہے۔اس کے معنی خریدنا بھی ہے اور فروخت کرنا بھی۔ مفسرین نے کہا ہے اس جگہ معنی تو فروخت ہی کے لیے ہیں مگر فاعل کے متعلق اختلاف کیا ہے اور اکثر نے یہ لکھ دیا ہے کہ فروخت کنندہ برادران یوسف علیہ السلام تھے۔

کوئی قرینہ نہیں کہ بھائیوں نے یوسف کو فروخت کیا تھا

یہاں اس قدر قصہ ایزاد کیا جاتا ہے کہ پھر بھائیوں کو خبر ہوگئی۔ وہ قافلہ والوں سے آ کر جھگڑ پڑے کہ یہ تو ہمارا غلام ہے اور پھر انہوں نے تھوڑے سے درہم لے کر فروخت کر دیا، لیکن کلام اللہ میں کوئی ایسا قرینہ نہیں، جو اس کی تائید میں ہو۔ عدم موجودگی قرینہ کے علاوہ ان معنی سے انتشار ضمائر بھی لازم آتا ہے، جو قرآن مجید کی اعلیٰ بلاغت کے خلاف ہے۔

فتح البیان جلد۵ص۱۹۲میں قتادہ کا قول درج ہے۔ بَلْ هُوَعَائِذٌ عَلَى السَّيَّارَةِ ۔علامہ ابن کثیر (ج۵ص۱۵) نے بھی اس کی تصحیح کی ہے۔اس سے یہ نتیجہ نکلا کہ یہ جو مشہور ہے کہ برادران یوسف نے یوسف علیہ السلام کو فروخت کر دیا تھا۔یہ غلط واقعہ ہے۔انہوں نے یوسف صدیق کو چاہ میں ہلاک ہو جانے کے لیے گرایا تھا۔

بَخْس: (بَخَسَ بَخْسًا) تقصرہ۔قرآن مجید میں ہے:

﴿ وَ لَا تَبْخَسُوا النَّاسَ اَشْيَاءَ هُمْ﴾ [۷/الاعراف:۸۵] ''لوگوں کو چیزیں کم نہ دیا کرو۔''

دوسرے مقام پر ہے:

﴿ فَلَا يَخَافُ بَخْسًا وَّ لَا رَهَقًا﴾ [۷۲/الجن:۱۳]

''وہ نقصان اور ظلم سے نہیں ڈرا کرتا۔''

ثمن بَخْسٍ سے مراد گھٹیل قیمت ہے۔

﴿ دَرَاهِمَ مَعْدُوْدَةٍ﴾ [۱۲/یوسف:۲۰] یہ الفاظ قیمت کی کمی کو بیان کرتے ہیں۔اول یہ کہ درہم لیے تھے، دینار نہیں۔دوم یہ کہ وہ بھی اتنے کم تھے کہ وزنہ اور وزن کرنے کی ضرورت نہیں پڑی۔ہاتھوں سے ہی گن دیئے۔

زہد کے لغوی و اصطلاحی معنی

زَاهِدِيْنَ: زُہد سے ہے۔زہد کے معنی کسی شے کو حقیر سمجھ کر چھوڑ دینا ہے۔ شَيْءٌ زَهِيْدٌ کے معنی قلیل چیز ہیں۔حدیث پاک میں ہے:

اَفْضَلُ النَّاسِ مُؤْمِنٌ مُزَهِّدٌ.

''تھوڑی سی چیز پر گزران کر لینے والا مومن سب میں اچھا ہے۔''

یہ تو لغوی معنی تھے اور آیت میں معنی لغوی ہی مراد ہیں۔

اصطلاح میں زہد کی تعریف یہ ہے: طَيِّبُ الْكَسْبِ وَ قَصْرُ الْاَمَلِ ۔یعنی پاک کمائی اور آرزو کی کوتاہی۔امام زہری رحمہ اللہ جو بزرگ تابعین میں سے ہیں اور محدثین کے امام ہیں، فرماتے ہیں:

''زہد کا تعلق حلال اشیا میں یہ ہے کہ نعمتوں کا استعمال شکر کو مغلوب نہ کر سکے

اور حرام اشیاء میں یہ ہے کہ صبر شکن نہ ہو۔"

اسلامی زہد اور جوگ

مندرجہ بالا تعریف پر غور کرو۔ اب جو لوگ زہد کی حقیقت یہ سمجھے ہوئے ہیں کہ ترک دنیا یا ترک ملابس یا ترک لذائذ کا نام زہد ہے۔ انہوں نے زہد اسلامی کی حقیقت کو سمجھا ہی نہیں۔ وہ تو جوگیانہ زندگی کو اسلامی زہد سمجھ بیٹھے ہیں۔

بائبل میں ہے کہ یوسف ں کو مدیانیوں نے چاہ سے نکالا اور اسماعیلیوں کے ہاتھ فروخت کیا تھا اور اسماعیلی قافلہ اُن کو مصر لے گیا۔

اسماعیلیوں کا فروخت کرنا اس لیے بھی غلط ہے کہ صرف ایک نسل کے درمیان پڑنے سے اسحاقی و اسماعیلی ایک دوسرے سے اس قدر ناواقف نہیں ہو سکتے تھے کہ وہ یوسف علیہ السلام کو شناخت بھی نہ کر سکتے۔ درانحالیکہ ایک کو دوسرے کا مسکن معلوم تھا۔

چاہ میں مدت اقامت

ابوبکر بن عیاش کا قول ہے کہ یوسف علیہ السلام چاہ میں تین روز رہے تھے۔

فصل

مصر میں یوسف علیہ السلام کا بکنا، خریدار کا ان کی توقیر کرنا، یوسف علیہ السلام کا آرام وآسائش میں پہنچ جانا

﴿ وَ قَالَ الَّذِی اشْتَرٰىهُ مِنْ مِّصْرَ لِامْرَاَتِهٖۤ اَكْرِمِیْ مَثْوٰىهُ عَسٰۤى اَنْ یَّنْفَعَنَاۤ اَوْ نَتَّخِذَهٗ وَلَدًا ﴾ [۱۲/ یوسف:۲۱]

''جس نے اسے مصر میں خریدا تھا، اس نے اپنی عورت سے کہا کہ اسے عزت سے ٹھہراؤ، ممکن ہے کہ یہ ہم کو نفع دے دے یا ہم اسے بیٹا بنا لیں۔''

عزیز مصر کا نام وعہدہ

اِشْتَرٰهُ: یہ خریدار یوسف وہی ہے جسے آگے چل کر عزیز مصر کہا گیا ہے۔ بائیبل میں اس کا نام ''فوطیفار'' تھا اور بتایا گیا ہے کہ وہ فرعونی سردار لشکر تھا اور جلوداروں کا سردار تھا۔

لِامْرَاَتِهٖ: اپنی عورت سے۔

عورت کا نام کہیں نہیں ملتا

اس عورت کا نام توراۃ، قرآن مجید یا کسی اور صحیح اسلامی روایت میں بیان نہیں ہوا اور ہم کو معلوم نہ ہوا کہ اس کا نام زلیخا یا راعیل کتابوں میں کس اعتماد پر لکھ دیا گیا ہے۔ زلیخا کے متعلق یہ قصہ کہ وہ کسی شاہی خاندان کی لڑکی تھی۔ اس نے قبل از شادی یوسف علیہ السلام کو خواب میں دیکھا اور مصر کا پتہ معلوم کر کے مصر میں شادی کرائی۔ بالکل افسانہ اور لغو ہے۔

مِصْر: ملک کا نام ہے جو مصر بن حام بن نوح علیہ السلام کے نام پر رکھا گیا ہے کیونکہ برادرانہ تقسیم میں یہ ملک انہی کے حصہ میں آیا تھا۔

مصر کا محل وقوع

مصر براعظم افریقہ میں داخل ہے اور افریقہ کے شمال مشرق میں واقع ہے۔ اس کی

حدود طبعیہ یہ ہیں:

حدود اربعہ

شمال.................... میں بحرابیض متوسط

شرق.................... میں بحراحمر، بلاد عرب وشام

جنوب.................... میں بلاد لوبہ

غرب.................... میں بلاد طرابلس

وضع طبیعی

بلحاظ وضع طبعی مصر اس وادی کا نام ہے جس کے شرق میں جبال عرب اور غرب میں جبال لیبیا کا سلسلہ واقع ہے۔

مساحت: ڈیڑھ سوملین فندان اس کی مساحت ہے۔ایک فندان ۱۰۲ء۱۔ ایکڑ کا ہوتا ہے۔ اس میں سے قابل زراعت صرف ۵ملین فندان اراضی ہے۔

آبادی: ۱۹۱۰ء میں اس کی آبادی ایک کروڑ بیس لاکھ تھی۔جن میں سے ۱۰/۱ حصہ اجنبی لوگوں کا ہے۔باقی سب مسلمان ہیں۔یابعداد قلیل قبطی ہیں۔

آثار قدیمہ

ملک مصر اپنے قدیم تمدن اور ترقی علمیہ کے لحاظ سے مشہور ترین ممالک میں سے ہے۔یہاں کے تین اہرام اپنی قدامت کے اعتبار سے زمانہ تاریخ سے بھی پیشتر کے ہیں۔

اہرام

سب سے اونچے اہرام کی بلندی ۴۵۰ فٹ، نیچے کا دور ۷۵۰ فٹ، اوپر کی چوٹی کا دور ۳۵ فٹ اور کل رقبہ اڑتالیس لاکھ ایک ہزار گز مربع ہے۔

ابوالہول

ابوالہول کا بت بھی اسی ملک میں ہے۔جو دنیا کے سب بتوں سے ڈھانچ میں بڑا اور

زمانہ کے لحاظ سے سب سے پرانا ہے۔اس بت کا جسم شیر کا اور چہرہ عورت کا سا بنایا گیا ہے۔

اس کا قد پنجہ سے دم کی جڑ تک ۱۸۷ فٹ بلند ہے۔ سر کی بلندی ٦٦ فٹ، کان ۵۴ فٹ، ناک ٦٧ فٹ کی ہے۔

مصر کے مشہور پہاڑ

مصر کے پہاڑ

المقطم قاہرہ کے شرق میں (اسی نام کا ایک عیسائی اخبار مصر سے شائع ہوتا ہے)

معصرہ .... ضلع جیزہ میں۔

جبل الطیر .... ضلع منیسا میں۔

جبل الرخام .... ضلع بنی سویف میں۔

جبل ابی فودہ .... ضلع اسیوط میں۔

جبل شیخ الہریدی.................. ضلع جرجا میں۔

یہ سب پہاڑ سلسلہ جبال عربی کے ہیں۔

سلسلۂ لیبیا کے پہاڑ زیادہ بلند نہیں۔اُن میں صرف جبل الاخضر زیادہ مشہور ہے جو ضلع فیوم میں ہے۔

دریائے نیل

دریائے نیل: مصر کی خاص شہرت دریائے نیل کی وجہ سے بھی ہے۔ یہ دریا ایشیا و یورپ اور افریقہ کے سب دریاؤں سے لمبا بہنے والا ہے۔

اس کا بہاؤ طول میں تقریباً ٦۵۰۰ کلومیٹر ہے۔ دریائے نیل افریقہ کی تین جھیلوں کے مجموعہ آب سے مل کر بنتا ہے۔

ان جھیلوں کو مسلمانانِ اندلس نے دریافت کر لیا تھا، مگر اب یورپ نے ان کا نام وکٹوریا نیانزا، البرٹ نیانزا، اور البرٹ ایڈورڈ نیانزا رکھ دیا ہے۔ گویا ان کی دریافت صرف

انہی عہود میں ہوئی۔

امدادی دریا

دریائے نیل میں عطیرہ، نیل ارزق، سوباط، بحر الغزالی گرتے ہیں اور پھر نیل ہی کہلاتے ہیں۔

دریائے نیل جنوب سے شمال کو بہتا ہے اور دو بڑی بڑی شاخوں میں منقسم ہو جاتا ہے۔

(الف) شاخ دمیاط: جو جنوب سے شمال مشرق کو جاتی ہے۔

(ب) شاخ رشید: جو جنوب سے شمال مغرب کو جاتی ہے۔

نیل کے مختلف نام

کبھی کبھی مختلف حصہ بلاد کی وجہ سے دریائے نیل کے مختلف نام بھی لیے جاتے ہیں۔

(۱) بحیرہ البرٹ اڈوارڈ سے بحیرہ نو تک اس کا نام بحر الجبل ہے۔

(۲) بحیرہ نو سے خرطوم تک اس کا نام نیل الابیض ہے۔

(۳) خرطوم سے قاہرہ تک اس کا نام ''نیل'' ہے۔

پانی

دریائے نیل کا پانی نہایت میٹھا اور خوشگوار ہے۔

نیل کا اچھلنا اور سیاہ مٹی

یہ دریا جب بڑھتا ہے تو پانی کناروں سے اچھل کر اراضی زیر کاشت پر پھیل جاتا ہے۔ پانی کے ساتھ ایک سیاہ مٹی بھی آتی ہے۔ جسے مصر والے ''طمی'' بولتے ہیں۔ یہ مٹی اس زمین کے لیے کھاد کا کام دیتی ہے، پھر اعلیٰ درجہ کی پیداوار ہوتی ہے۔

نیل کے بڑھنے گھٹنے کی تاریخیں

دریائے نیل کا پانی عموماً ۱۸ جون سے بڑھنے لگتا ہے اور ۲۱ ستمبر سے گھٹنے لگتا ہے۔ اور بماہ مئی (سال آئندہ) پھر اصلی حالت پر پہنچ جاتا ہے۔

نیل کی بھینٹ کا قصہ

دریائے نیل کو عہد قدیم میں ایک مقدس دیوتا سمجھا کرتے اور سال بسال ایک کنواری لڑکی کو دلہن بنا کر اس کی بھینٹ چڑھایا کرتے تھے اور ان کا اعتقاد تھا کہ اس بھینٹ لیے بغیر نیل دیوتا اوپر نہیں اچھلتا۔ جب مصر مسلمانوں نے فتح کیا تو اسلامی گورنر نے لوگوں کو اس رسم بد سے روک دیا۔ اللہ کی قدرت کہ اگست تک دریا میں افزونی کے آثار نمودار نہ ہوئے، تب تو رعایا نے کہہ دیا کہ وہ اجڑ جائیں گے۔ گورنر نے خلیفۂ راشد کی خدمت میں تمام احوال لکھ بھیجا۔

امیر المومنین کا فرمان بنام نیل

امیر المومنین عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے والی کو لکھا کہ اس خط کے ساتھ دوسرا خط دریائے نیل کے نام روانہ کیا جاتا ہے۔ جس مقام پر دلہن کو بھینٹ چڑھایا جاتا تھا، وہاں میرا فرمان ڈال دیا جائے، ایسا ہی کیا گیا اور پھر کبھی خلافت راشدہ کے عہد ہمایوں میں فیضان ماء میں کمی نہ آئی۔ فرمان کی نقل یہ ہے:

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ.

مِنْ عَبْدِاللّٰهِ اَمِيْرِ الْمُؤْمِنِيْنَ عُمَرَبْنِ الْخَطَّابِ اِلٰى نِيْلِ مِصْرَ اَمَّا بَعْدُ فَاِنْ كُنْتَ تَجْرِىْ مِنْ قِبَلِكَ فَلَا تَجْرِىْ وَ اِنْ كَانَ اللّٰهُ الْوَاحِدُ الْقَهَّارُ هُوَ الَّذِىْ يَجْرِيْكَ فَنَسْاَلُ الْوَاحِدَ الْقَهَّارَ اَنْ يَّجْرِيَكَ [1]

”اللہ کے نام سے جو بڑی رحمت اور کمال رحم والا ہے۔

[1] الخلفاء الراشدون لمحمد رضا: خلافت عمر رضی اللہ عنہ ص ۲۳۲۔

اللہ کے غلام مومنوں کے امیر عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کی طرف سے دریائے نیل کے نام۔ واضح ہو کہ اگر تو اپنی مرضی سے بہا کرتا ہے تو اب نہ بہنا اور اگر تیرا جاری کرنے والا، بہانے والا وہ یکتا مالک ہے جو سب پر حکمران ہے تو ہم اسی سے سوال کرتے ہیں کہ وہ تجھے جاری فرما دے۔" [1]

حُسن و جمال مصر

کلیو پیٹرا۔ زمانہ حُسن

داستان نویسوں کے نزدیک مصر کا حسن و جمال اور وہاں کی عشرت پسندی ایک مسلمہ امر رہی ہے۔ ملکہ کلیو پیٹرا کا حال اور اس کی رنگ رلیوں کی داستان سے مصر و روما اور یورپ کا کون سا مورخ ناواقف ہوگا۔

دینی تاریخ کا تعلق مصر سے

قرآن مجید میں ذکر

قرآن مجید میں مصر کا ذکر صراحۃً یا کنایۃً (۳۰) مقامات پر آیا ہے۔

صحیح مسلم میں ذکر مصر

صحیح مسلم میں سیدنا ابوذر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((سَتَفْتَحُوْنَ مِصْرَ وَهِيَ اَرْضٌ يُسَمّٰى فِيْهَا الْقِيْرَاطُ. فَاِذَا فَتَحْتُمُوْهَا فَاَحْسِنُوْا اِلٰى اَهْلِهَا فَاِنَّ لَهُمْ ذِمَّةً وَّ رَحِمًا.)) [2]

"تم عنقریب مصر کو فتح کر لو گے۔ یہ وہ ملک ہے جہاں قیراط نامی سکہ چلتا ہے۔ وہاں کے لوگوں سے بھلائی کرنا، ان کو ذمہ اور رحم کے دوہرے حقوق حاصل ہیں۔"

---

[1] منقول از تحفۃ الناظرین: تالیف الامام الشیخ عبداللہ الشرقاوی، ص ۷۷۔

[2] مسلم: کتاب فضائل الصحابہ، باب وصیۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم باھل مصر، رقم: ۶۴۹۴۔ مسند احمد: ۱۷۴/۵۔

مصر میں مصاہرت انبیا

مندرجہ ذیل انبیا کی زوجات مصر کی ہیں:

خلیل الرحمٰن ابراہیم علیہ السلام............کی زوجہ ہاجرہ علیہا السلام

اسماعیل علیہ السلام............کی اہلیہ اوّل

سلیمان علیہ السلام............کی زوجہ ضجیعہ۔ (دختر فرعون)

سیدنا حبیب الٰہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حلیلہ......ماریہ خاتون رضی اللہ عنہا۔

مولد انبیا

مندرجہ ذیل انبیا کی ولادت ملک مصر میں ہوئی:

ہارون، موسیٰ، یوشع بن نون علیہم السلام۔

مہبط انبیا

مندرجہ ذیل انبیا مصر میں تشریف لائے اور کچھ کچھ عرصہ قیام فرمایا:

سیدنا ابراہیم، یعقوب، یوسف، ارمیا، دانیال، عیسیٰ علیہم الصلوۃ والسلام۔

مومنین مصر

آسیہ امراۃ فرعون، مومن آل فرعون، ساحران عہد موسوی، وہ مومنین ہیں جن کا ذکر اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں فرمایا ہے۔ ان ساحروں کی صحیح تعداد کسی معتبر کتاب سے دستیاب نہیں ہوئی۔

مصر اور تاریخ اسلام

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا دعوت نامہ بنام شاہ مصر

یکم محرم ۷ھ کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے دنیا کے مشہور حکمرانوں کے نام فرمان دعوت اسلام جاری فرمائے تھے۔ اُن دنوں مصر پر متی بن جریج الملقب بہ مقوقس حکمران تھا

حاطب بن ابی بلتعہؓ اور شاہ مصر کی باہمی گفتگو

اس کے پاس حاطب بن ابی بلتعہ رضی اللہ عنہ فرمان نبوی صلی اللہ علیہ وسلم لے کر گئے تھے۔
انہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان بھی پیش کیا اور بادشاہ سے مندرجہ ذیل گفتگو بھی فرمائی:

حاطب: آپ سے پہلے اس ملک میں ایک شخص ہو چکا ہے۔ جو ﴿اَنَا رَبُّكُمُ الْاَعْلٰى﴾ [۷۹/ نازعات: ۲۴] ''میں سب کا بڑا خدا ہوں۔'' کہا کرتا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے اسے دنیا و آخرت کی رسوائی دی۔ اللہ پاک کے غضب سے ملک یا لشکر اسے بچا نہ سکے۔ اس لیے بہتر ہے کہ تم اس سے عبرت حاصل کرو۔ مبادا کہ لوگ تم سے عبرت لیا کریں۔

مقوقس: ہم خود ایک مذہب رکھتے ہیں اور اسے ترک نہ کریں گے۔ جب تک اس سے بہتر کوئی مذہب نہ ملے۔

حاطب: اسلام کے بعد عیسائیت یا کسی اور مذہب کی ضرورت نہیں رہتی۔ اسلام سب مذاہب سے کفایت کنندہ ہے۔ اسی کی دعوت آپ کو دی جاتی ہے۔

اے بادشاہ......! جیسے آپ اہل توراۃ کو انجیل کی دعوت دیا کرتے ہیں، ویسے ہی ہم آپ کو قرآن کی دعوت دیتے ہیں۔ نبی اللہ کے ظہور کے بعد سب لوگوں کو اسی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت ضروری و لازم ہو جاتی ہے۔ آپ یہ سمجھ لیں کہ آپ کو مذہب مسیح ہی کی دعوت دی جاتی ہے۔

وہی شاہ خراج گزار اسلام بنا

بادشاہ نے مزید مہلت کی درخواست کی، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان کو ہاتھی کے دانت کے ڈبے میں رکھ کر، مہر لگا کر خزانہ میں رکھوا دیا اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے تحائف بھیجے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں سے فرما دیا کہ تم تھوڑے ہی عرصہ بعد اس ملک کو فتح کر لو گے۔ چنانچہ جمادی الاخری ۲۰ھ میں امیر المومنین عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں مصر فتح ہوا اور یہی متی بن جریج الملقب بہ مقوقس اپنی ۳۷ سالہ فرمان روائی کے بعد خلیفۂ اسلام کا خراج گزار بنا۔

تعداد لشکر اسلام بوقت فتح مصر

مصر پر جس فوج نے حملہ کیا۔ اس کے سپہ سالار اعظم حضرت عمرو بن العاص اموی رضی اللہ عنہ تھے۔ حملہ اولین کے وقت اُن کے پاس صرف چار ہزار فوج تھی۔ بعد میں آٹھ ہزار فوج مدینہ منورہ سے اور بھیجی گئی۔ اس فوج کے سردار سیدنا زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ تھے۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے لکھا تھا کہ اس فوج میں چار شخص وہ ہیں۔ جو اکیلا ایک ہزار کے برابر کا ہے۔ اس لیے فوج کی تعداد بارہ ہزار سمجھنی چاہیے۔ وہ چار مندرجہ ذیل بزرگوار تھے:

زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ — مقداد بن الاسود رضی اللہ عنہ

عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ — مسلمہ بن مخلد رضی اللہ عنہ۔

اب ہم ایک نقشہ درج ذیل کرتے ہیں، جس سے واضح ہوگا کہ خلافت راشدہ کے بعد کن کن اسلامی حکومتوں نے مصر پر حکمرانی کی۔

مصر پر اسلامی سلطنتوں کی حکومت کا نقشہ

نمبر شمار	نام	سنہ ابتدا و انتہا	کیفیت
۱	امارت بنو امیہ	۴۰ھ تا ۱۳۲ھ	
۲	خلافت عباسیہ	۱۳۲ھ تا ۲۲۳ھ	
۳	دولت طولونیہ	۲۵۴ھ تا ۲۹۱ھ	۲۹۱ھ سے ۳۲۴ھ تک پھر براہ راست خلافت عباسیہ کے ماتحت تھا۔
۴	دولت اخشیدیہ	۳۲۴ھ تا ۳۵۵ھ	۳۴ سال۔ ۱۰۔ ۲۴ یوم
۵	دولت فواطم یا بیدیون	۳۵۰ھ تا ۵۶۶ھ	۲۰۸ سال۔ ۵ ماہ
۶	دولت ایوبیہ	۵۶۶ھ تا ۶۴۸ھ	ماتحت خلافت عباسیہ
۷	دولت الممالیک	۶۴۸ھ تا ۷۸۴ھ	ماتحت خلافت عباسیہ
۸	دولت چراکسہ	۷۸۴ھ تا ۹۰۵ھ	ماتحت خلافت عباسیہ
۹	خلافت عثمانیہ	۱۳ رجب ۹۲۳ھ الی الآن	
۱۰	خلافت خدیویہ	از ۱۲۲۰ھ الی الآن	

مصر کے مشہور شہر

القاہرہ

القاہرہ اس وقت مصر کا دارالسلطنت ہے۔ ۳۵۹ھ میں اس کی بنیاد رکھی گئی۔ جامع ازہر اسی شہر میں ہے۔ یہ علوم عربیہ کی تعلیم میں سب سے بڑی یونیورسٹی ہے۔ طلباء کی تعداد بالا وسط بارہ ہزار رہتی ہے۔

القاہرہ ہی کے قریب مصر القدیمہ کی آبادی ہے۔ اسی میں جامع عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ ہے۔ جس کی عمارت اب تک سالم وقائم ہے۔

القاہرہ میں ٹراموے جاری ہیں۔ جس کی بارہ لمبی لمبی شاخیں مختلف اطراف ملک میں جاری ہیں۔ سیاحین کو سیاحت ملک میں ان سے خوب مدد ملتی ہے۔

اسکندریہ: یہ شہر سکندر مکدونی نے ۹۵۴ قبل ہجرت آباد کیا تھا۔ اب اس کی آبادی ساڑھے تین لاکھ ہے۔

اسکندریہ کا کتب خانہ، اسے جلانے والا

اس شہر کی وجہ شہرت اس عظیم الشان کتب خانہ کی وجہ سے بھی تھی جو شاہان روما نے قبل از مسیح یہاں قائم کیا تھا۔

اس کتب خانہ کی بہترین کتب کو امپراطرہ رومان قسطنطنیہ لے گئی تھی۔ بعد ازاں جن کتابوں کو امپر رتیوڈورس نے عیسائیت کے خلاف سمجھا انہیں آگ لگا دی۔

ابوالفرج یہودی نے ۶ سو سال کے بعد یہ گھڑت بنائی

اس حقیقت کو چھپانے کے لیے سب سے اول ابوالفرج بن طبیب یہودی نے جو (مالٹا میں ۱۲۲۶ء کو پیدا ہوا) اور یہودیت کے بعد عیسائی بنا۔ احراق کتب خانہ کو مسلمانوں سے منسوب کر دیا ہے۔ یہ کذب وافترا کی داستان اسلامی قبضہ سے کامل چھ صدیوں کے بعد گھڑی گئی۔ ورنہ ابوالفرج مذکور سے پیشتر کی جتنی کتابیں ملک مصر کی تاریخ پر یہودیوں،

عیسائیوں، مسلمانوں نے لکھی ہیں کسی میں اس واقعہ کا ذکر تک نہیں۔

کتابوں کی تعداد اور جلانے کا حساب

جھوٹا آدمی بات تو بناتا ہے، مگر اسی کا جھوٹ خود اسی کی بناوٹی بات سے کھل جاتا ہے۔ یہ یہودی لکھتا ہے کہ اسکندریہ میں چار ہزار حمام تھے۔ اُن کا پانی چھے ماہ تک انہی کتابوں سے گرم ہوتا رہا۔ اگر فی حمام ایک سو کتاب روزانہ کا حساب بھی لگا لیا جائے تو کتابوں کا شمار ۷۲ ملین پہنچ جاتا ہے اور یہ وہ تعداد ہے کہ اگر آج اس زمانہ میں جبکہ لاکھوں مطابع کھلے ہوئے ہیں اور جبکہ دولت کی فراوانی اور شوق علم نے کتب خانہ جات کے قیام کو ہر ایک قوم کی زندگی کے قیام کا مسئلہ بنا دیا ہے۔ تمام یورپ کے کتب خانوں کی کتابیں جمع کر لی جائیں، تب بھی اتنی نہیں ہو سکتی ہیں۔

نہر سویز، مصارف پیائش وغیرہ

مصر کی بڑی شہرت اور سیاسی اہمیت ہمارے زمانہ میں نہر سویز کی وجہ سے ہوگئی ہے۔ یہ نہر بحر ابیض کو بحر احمر سے ملاتی ہے۔ طول ۱۷۰ کلومیٹر اور عرض ۵۰ سے ۱۰۰ کلومیٹر تک۔ عمق ۸ سے ۱۰ میٹر تک ہے۔ اس کی تیاری میں ۲۰ ملین پونڈ (تیس کروڑ روپیہ صرف ہوا تھا)

۱۸۵۹ء میں کھدوائی شروع ہوئی اور ۱۸۶۹ء کو نہر مکمل ہوئی۔ اب ہم احوال کو ختم کرتے ہیں اور خاتمہ پر حضرت عمرو بن العاص اموی فاتح مصر کا خط نقل کرتے ہیں جو ادب عربی کا بہترین نمونہ ہے۔

گورنر مصر عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کا خط بنام امیر المومنین رض

یہ خط امیر المومنین عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے نام بھیجا گیا تھا:

وَرَدَ اِلَیَّ کِتَابُ اَمِیرِ الْمُؤْمِنِیْنَ أطال الله بقاء ہ یسأ لنی عن مصر اِعلم یا امیر المومنین ان مصر قریة غبراء وشجرةً خضراء، طولها شهر وعرضها عشر یَکْتَنِفُهَا جبل اغبر و رمال اعفر یخطِ و سطها نهر مبارک الْغَدَوَاتِ میمون الروحات

تجری فیها الزیادة والنقصان کجری الشمس والقمر له اوانٌ یدر حلابه و یکثر عجاجه وتعظم امواجه فتفیض علی الجانبین فلا یمکن التخلص من القری بعضها الی بعض الا فی صغار المراکب و خفاف القوارب وزوارق کانهن المخائل اوورق الاصائل فاذا تکامل فی زیادته نکص علی عقبه کاؤل مابدأ فی جریته و طمی فی ردته فعند ذلک تخرج ملة محقورة وذمة مخفورة یحرثون بطون الارض و یبذرون فیها الحب و یرجون بذالک النماء من الرب لقیهم ما سعومن کدهم فنالهٗ عنهم بغیر جلدهم. فاذا احرق الزرع . واشرق، سقاه النداء و غذاء من تحت الثریٰ فبینما مصر یا امیر المؤمنین لؤلؤة بیضاء فاذا هی عنبرة سوداء فاذا هی زمردة خضراء فاذا هی دیباجة زرقاء فتبارک الله خلق لما یشاء والذی یصلح هٰذه البلاد و یضر قاطنهما فیها. ان لا یقبل قول خسیسها فی رئیسها. ولا یستأدی خراج ثمرة الا فی او انها و ان یصرف ثلث ارتفا عها فی عمل جسور هاوتر عها. فاذا تقرر الحال مع العمال علیٰ هٰذه الاحوال تضاعف ارتفا ع المال. واللہ یوفق الیٰ حسن الحال. فقط [الخلفاء الراشدون لمحمد رضا: خلافت عمرص ۲۲۴۔۲۲۵]

''امیر المومنین: آپ کا خط ملا!

اللہ تعالیٰ آپ کی عمر دراز کرے۔ آپ نے مصر کی بابت دریافت فرمایا ہے۔ سو واضح ہو کہ مصر روسلی زمین کا ملک ہے جس میں سرسبز درختوں کی کثرت ہے۔ طول ایک ماہ کی مسافت عرض دس یوم کی مسافت کا ہے۔ مٹیالے پہاڑ اور موٹی موٹی ریت اسے گھیرے ہوئے ہیں۔ اس کے وسط میں ایک دریا رواں ہے۔ جس کی جملہ اوقات مبارک ہیں۔ یہ گھٹتا، بڑھتا

ہے جیسا کہ آفتاب و ماہتاب کی حالت ہے۔ یہاں کا ایک موسم ہے جب شیر دار جانوروں کا دودھ گھٹ جاتا ہے اور گرد و غبار بڑھ جاتا ہے۔ اس کے بعد دریا اپنے دونوں کناروں سے اچھل پڑتا ہے۔ تب ایک بستی سے دوسری بستی تک ڈونگوں اور کشتیوں کے سوا جو بادلوں کے ٹکڑوں یا درختوں کے پتوں کی طرح چلتی پھرتی ہلتی جلتی نظر آتی ہیں، جانا دشوار ہوتا ہے۔ جب دریا کی افزونی پوری ہو جاتی ہے تب بدستور گھٹنے لگتا ہے اور ابتدائی حالت پر آ جاتا ہے۔ وہ اراضی پر مٹی چھوڑ جاتا ہے، تب غریب کاشتکار اور اجرتی لوگ نکل پڑتے ہیں جو زمین کے شکم کو چاک کرتے اور اُس میں دانہ ڈالا کرتے ہیں اور خدا سے اُس کی پرورش کے امیدوار ہوتے ہیں۔ ان کی کوششیں بارآور ہوتی ہیں اور ان کو بلا مشقت ثمرہ ملنے لگتا ہے۔ جب کھیتی کو گرمی پہنچتی ہے اور اس پر چمکیلی اوس پڑتی ہے اور تہ زمین سے غذا ملنے لگتی ہے۔ اس وقت اے امیر المومنین سارا ملک ایک درِ آبدار ہوتا ہے یا تلِ عنبر بار، وہ زمردِ آسمانی ہوتا ہے یا غالیچۂ الوانی۔ متبارک ہے وہ مالک کہ جو چاہا سو بنایا، جو چاہا وہ پیدا کیا۔ اس ملک کی صلاحیت اور باشندوں کی فطرت کے متعلق امور ذیل قابل غور ہیں:

(۱) ادنیٰ شخصوں کی شکایت پر جور ؤسا کے خلاف ہو توجہ نہیں کرنی چاہیے۔

(۲) محاصل اراضی قبل از وقت نہیں لینا چاہیے۔ (۳) کل آمدنی کا ایک ثلث وسائل آبپاشی اور تعمیر پل پر صرف کرتے رہنا چاہیے۔

ان طریقوں پر عمل کرنے سے پیداوار میں ترقی، آمدنی میں افزونی، رفاہیت میں بیشی ہوگی۔ اللہ پاک کی توفیق رفیق ہونی چاہیے۔"

عجائب خانہ مصر

اس عجائب خانہ میں فرعون غریق کی لاش بھی رکھی ہوئی ہے۔ جسے یورپ کے جملہ فلاسفروں نے مان لیا ہے کہ یہی فرعون عہد موسیٰ علیہ السلام کی لاش ہے۔

لاش فرعون۔اخبار قرآنی

اس سے قرآن مجید کی صداقت منکرین الٰہی پر حجت بن جاتی ہے۔اللہ تعالیٰ کے حکم سے فرعون کو غرق ہونے کے وقت آگاہ کر دیا گیا تھا کہ وہ غرق ہوگا اور پھر اس کی لاش ساحل پر پھینک دی جائے گی اور وہ آئندہ نسلوں کے لیے عبرت بنے گی ﴿فَالْيَوْمَ نُنَجِّيكَ بِبَدَنِكَ لِتَكُونَ لِمَنْ خَلْفَكَ آيَةً﴾ [۱۰/ یونس:۹۲]

یہ حقیقت بائبل نے ظاہر نہ کی تھی۔قرآن مجید کے اس اعلان کے بعد تیرہ صدیوں کے گزر جانے پر وہ لاش ملی اور قرآن مجید کی خبر اپنے ظاہری لفظوں میں پوری ہوئی۔

مزاراتِ مصر

مزار امام شافعیؒ

مصر میں سینکڑوں مزارات ہیں لیکن سب میں مشہور تر سیدنا محمد بن ادریس یعنی امام شافعیؒ کا مزار ہے۔ یہ یکے از ائمہ اربعہ ہیں۔علم میں ان کا پایہ بہت بلند ہے۔امام احمد بن حنبلؒ فرمایا کرتے کہ شافعیؒ کا وجود علم کے لیے ایسا ہے، جیسے دنیا کے لیے آفتاب یا انسان کے لیے صحت۔ مُطلبی النسب ہیں اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے قریب تر ہیں۔ان کی مصنفہ کتابیں بہت ہیں۔اشہر و نافع تر ''کتاب الام'' ہے، جس کی ۷ جلدیں ہیں۔

مزار رأس حسین رضی اللہ عنہ

یہاں ایک مزار امام حسین رضی اللہ عنہ کے سر مبارک کے نام سے بھی بنا ہوا ہے۔عوام اہل مصر کا اعتقاد ہے کہ سبط النبی امام حسین رضی اللہ عنہ کا فرق مبارک مصر میں مدفون ہے لیکن علما حدیث و سیرت اس روایت کی تصدیق نہیں کرتے۔

مَثْوَاهُ: (ثَوَىٰ يَثْوِيْ ثَوَاءً) جس کے معنی ہیں ٹھہرانا، اقامت دینا۔حدیث میں ہے: وَعَلَىٰ نَجْرَانَ مَثْوَىٰ رُسُلِيْ ''نجران والوں پر لازم ہوگا کہ ہمارے قاصدوں کو اترنے کی

جگہ دیا کریں۔''

خریدار نے حضرت یوسف کے متعلق اپنی عورت سے دو ارادے ظاہر کیے تھے۔

الف: حصول نفع۔ یعنی مہنگے داموں فروخت کرنا۔

غلامی کی رسم قدیم

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس عہد قدیم میں ملک مصر کے اندر خرید و فروخت غلامان بکثرت جاری تھی۔ متعصب عیسائی آج اس کا الزام صرف اسلام کو دیا کرتے ہیں۔ [1]

معلوم ہوتا ہے کہ دولت مند لوگ باہر کے سوداگروں سے جوان جوان لڑکوں کو ہلکی قیمت پر خرید لیتے اور پھر تعلیم و تادیب دے کر بڑی بڑی قیمت پر اُن کو فروخت کر دیا کرتے تھے۔ پس ﴿اَكْرِمِیْ مَثْوٰىهُ﴾ کے معنی بامید منفعت یہ ہیں کہ اسے مؤدب و مہذب بنانا چاہیے تاکہ اچھی قیمت دے جائے۔

متبنیت کی رسم

ب: اتخاذِ ولد یعنی بیٹا بنانا۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کے ہاں اولاد نہ تھی۔ نیز یہ

[1] کسی ایک مذہب نے بھی غلامی کی اصلاح میں کوشش نہیں کی۔ حضرت مسیح علیہ السلام نے اس کے متعلق ایک حرف بھی نہیں فرمایا۔ پولوس نے غلامی کو استحکام دیا۔ اس نے غلاموں کو نصیحت کی کہ ''وہ اپنے آقاؤں سے ایسا ہی ڈرتے رہیں جیسا خدا سے۔''

یہ فخر صرف اسلام کو حاصل ہے کہ اس نے غلامی کو ایسی شکل میں بدل دیا کہ آزادی کا گیت گانے والے بھی اس غلامی پر فخر کر سکتے ہیں۔ بلال رضی اللہ عنہ ایک حبشی الاصل غلام تھے۔ عمر فاروق جیسا خلیفہ اعظم جب اُن کا ذکر کرتا۔ تو ان الفاظ میں۔ سَیِّدُنَا اَبُوْبَکْرٍ اَعْتَقَ سَیِّدَنَا بِلَالًا' ہمارے سردار ابوبکر رضی اللہ عنہ نے ہمارے سردار بلال رضی اللہ عنہ کو آزاد کر دیا۔ زید رضی اللہ عنہ بھی غلام تھے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی پھوپھی کی لڑکی کا نکاح ان سے کر دیا تھا۔ خاندان نبوت کا یہ عمل دنیا کی بنائی ہوئی غلامی کو ہمیشہ کے لیے دفن کر دیتا ہے۔ کیونکہ اسلام نے نکاح کے لیے کفو کا لحاظ بتلایا ہے۔ ان زوجین کے درمیان وہ شے تو کفو نہیں ہو سکتی۔ جیسا دنیادار سمجھا کرتے ہیں۔ یعنی خاندان میں ہمسری، اب جو کفو پائی جائے گی۔ وہ مذہب اسلام ہے۔ یہ اسلام ہی کی فیاضی ہے۔ جس کی طفیل حسن بصری، نافع، عکرمہ، ابن سیرین جیسے لوگ جن کی امہات کو لوگ لونڈی کہتے تھے۔ دین کے امام تسلیم کیے گئے۔ البتگین، سبکتگین، قطب الدین ایبک، شمس الدین التمش جیسے غلام صاحب تاج و تخت بنے۔ مصر کا خاندان مملوکان، ہندوستان کا خاندان غلاماں کسے یاد نہیں۔ پس عیسائیوں کے اعتراضات دراصل یہودیوں یا عیسائیوں یا آریائیوں کی قدیم غلامی پر واقع ہوتے ہیں۔ اسلامی احکام غلامی پر اُن اعتراضات کو ذرا لگاؤ نہیں۔

کہ عزیز مصر کی عورت کی جوانی ڈھل چکی تھی کیونکہ اتخاذ ولد کا خیال عموماً شادی سے دس بارہ سال بعد پیدا ہوا کرتا ہے۔ جب کہ جانبین کو اپنے ہاں اولاد کی امید نہیں رہتی۔
رسم متبنیت سے لوگ سمجھتے ہیں کہ وہ اولاد کی کمی کے نقص کو دور کر لیتے ہیں مگر یہ غلط فہمی ہے۔

متبنیت، قدرت کے ساتھ گستاخی

اول: تو تبنیت قدرت ربانیہ کے مقابلہ میں ایک گستاخانہ فعل ہے یعنی جو شخص کسی دوسرے کا بیٹا لے کر اسے اپنا بناتا ہے۔ وہ قدرت ربانی کو منہ چڑاتا ہے کہ دیکھ، اگر تو نے مجھے بیٹا نہیں دیا تو کیا ہوا، میں نے تو بیٹا لے ہی لیا۔

تبنیت کا کڑوا پھل

دوم: متبنی گری کے شروع میں تبنیت کرنے والوں کے خیالات خواہ کیسے ہی صاف اور مستحکم ہوں، لیکن جوں جوں وقت گزرتا جاتا ہے ان جھوٹ کے والدین اور فرزند میں نفاق وشقاق میں ترقی ہوتی جاتی ہے۔ وہ رسم جو ایک دن خوشی خوشی منائی گئی تھی۔ بالآخر وہ نہایت کڑوا پھل ثابت ہوتی ہے۔ وہ کڑوا پھل جو حلق میں جا کر اٹک جاتا ہے نہ نیچے نگلا جائے نہ باہر تھوکا جائے۔

عورت کی بدنیتی، اصل ونقل کا فرق

خود اسی واقعہ کو دیکھو کہ عزیز اور اس کی عورت حضرت یوسف علیہ السلام کی نسبت یہ بات چیت کرتے ہیں کہ "ہم اسے بیٹا بنالیں گے" لیکن چند سال کے بعد جب حضرت یوسف علیہ السلام کی جوانی بھر جاتی ہے تو کیا ہوتا ہے کہ وہی عورت یوسف صدیق علیہ السلام پر مرنے لگتی ہے۔ اصلیت یا بناوٹ میں یہی تو فرق ہوتا ہے۔ دیکھو حقیقی ماں اپنے پیٹ کے بچے پر کیونکر ناپاک تعشق کر سکتی ہے۔

موسیٰ علیہ السلام اور تبنیت

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی سرگزشت میں بھی ایسی ہی مثال ہے۔ فرعون کی بیوی نے

بھی فرعون سے انہی الفاظ میں (جو عزیز مصر کے الفاظ اپنی عورت سے ہیں) کہا تھا:
﴿عَسٰٓی اَنْ یَّنْفَعَنَآ اَوْ نَتَّخِذَهٗ وَلَدًا﴾ [۲۸/القصص:۹] مگر نتیجہ یہ تھا کہ وہی بچہ موسیٰ علیہ السلام ان کو غرق و ہلاک و تباہ کرنے کا سبب ٹھہرایا گیا۔ پس تبنیت خواہ عورت کے انتخاب پر ہوئی ہو یا مرد کی رائے پر، نتیجہ یکساں ہے۔

کافروں کی رسم

تبنیت کرنے والوں کو آخر میں سخت مایوسی و محرومی دیکھنی پڑتی ہے۔ یاد رکھو کہ تبنیت کافروں کی رسم ہے اور شرع میں حرام ہے۔

فصل

یوسف علیہ السلام کے مصر پہنچنے کا راز

﴿وَ كَذٰلِكَ مَكَّنَّا لِيُوْسُفَ فِي الْاَرْضِ وَ لِنُعَلِّمَهٗ مِنْ تَاْوِيْلِ الْاَحَادِيْثِ ؕ وَاللّٰهُ غَالِبٌ عَلٰٓى اَمْرِهٖ وَ لٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ۝﴾ [۱۲/یوسف:۲۱]

''اور یوں ہم نے یوسف علیہ السلام کو ملک مصر میں تمکنت دی اور اس لیے بھی کہ ہم اسے احادیث کی تاویل سکھلائیں اور خدا تو اپنے کام پر غالب ہے مگر بہت لوگ ہیں جو اسے نہیں سمجھتے۔''

كَذٰلِكَ: کا ارشاد سابقہ واقعات پر ہے۔ یعنی بھائیوں کے ہاتھوں قتل سے بچایا، قافلہ کو اُن کی محبت نہ دی اور اُن کے ذریعہ اُن کو مصر پہنچایا اور مصر پہنچانے کے بعد صاحب خانہ کے دل میں اُن کی توقیر ڈال دی۔

مَكَّنَّا: مَكَّنَ الشَّيْءَ ۔ قوی و مضبوط بنایا، مکنت، قوت، مقدرت ، طاقت، مَكِنٌ، پرندے کا انڈے جمع کرنا۔ حدیث پاک میں ہے: ((اَقِرُّوا الطَّيْرَ عَلٰى مَكِنَاتِهَا))

''پرندوں کو انڈوں پر سے مت اٹھاؤ''

خلافت راشدہ اور تمکین

اللہ تعالیٰ نے خلافت راشدہ کی صفت وشناخت میں فرمایا:

﴿وَ لَيُمَكِّنَنَّ لَهُمْ دِيْنَهُمُ﴾ [۲۴/النور:۵۵]

''ان کے لیے اللہ تعالیٰ اپنے پسند کردہ دین کو قوت، طاقت اور جامعیت دے گا۔''

یوسف علیہ السلام کو گھر کا مختار بنایا

بائیبل ۴۰/۵، ۶ پ سے واضح ہے کہ فوطیفار نے یوسف علیہ السلام کو اپنے تمام گھر اور جائداد کا مختار مطلق کر دیا تھا اور اللہ تعالیٰ نے اُن کی وجہ سے اس کے ہر ایک کام میں برکت

بخشی تھی۔

آیت کا مطلب یہ ہے کہ چاہ میں گرایا جانا، خرید وفروخت، یہ تو سب ظاہری اسباب تھے۔ تقدیر الٰہی یہ تھی کہ یوسف علیہ السلام کے لیے مصر میں قوت وغلبہ حاصل ہو۔ اُن کے لیے تاویل احادیث کے زرّین مواقع مہیا کیے جائیں۔ اس کے لیے تدابیر بظاہر ایسی بنائی گئیں۔

اللہ تعالیٰ کے عجیب کام

یاد رکھنے کا سبق یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے عجیب کام ہیں اور وہ اپنی تدابیر پر خوب غالب ہے۔ لوگ جو قدرت اور حکمت الٰہیہ سے واقف نہیں۔ جن کی نگاہ اسباب وتدابیر انسانی کے دائرہ کے اندر اندر محدود ہے۔ وہ ایسی حکمتوں کو نہیں پا سکتے۔

ہدایتش بسوئے ساحراں نمائد رُخ　　عصا نمود بدست کلیم ثعبانی

بشاہ خواب نماید کہ یوسف صدیق　　عزیز مصر شود مشتہر نہ زندانی [1]

﴿ وَلَمَّا بَلَغَ اَشُدَّهٗۤ اٰتَيْنٰهُ حُكْمًا وَّعِلْمًا ؕ وَكَذٰلِكَ نَجْزِی الْمُحْسِنِيْنَ۝﴾ [۱۲/ یوسف:۲۲]

''جب وہ اپنی پوری طاقت کو پہنچ گیا۔ تب ہم نے اسے حکم اور علم عطا فرمایا اور ہم اسی طرح احسان کرنے والوں کو جزا دیا کرتے ہیں۔''

اَشُدَّهٗ: شدت کے معنی قوت ہیں اور ﴿بَلَغَ اَشُدَّهٗ﴾ سے مراد جوانی لی جاتی ہے۔ یعنی وہ عمر جب نشو ونما کا کمال ہو جائے۔

یوسف علیہ السلام کی جوانی کے متعلق چند اقوال

مفسرین کے اقوال اس بارے میں مختلف ہیں کہ یوسف علیہ السلام اپنی عمر کے کس سن و سال میں جوانی کی پوری طاقت کو پہنچ گئے تھے۔ سعید بن جبیرؒ نے ۱۸ سال، ضحاک نے ۲۰ سال، عکرمہ نے ۲۵ سال، سدی نے ۳۰ سال، مجاہد وقتادۃ نے ۳۳ سال، ابن عباس رضی اللہ عنہ نے ۳۵ سال۔ حسن بصریؒ نے ۴۰ سال بیان کیے ہیں۔ سعید بن جبیر وضحاک کے اقوال

[1] کلیم کے ہاتھ میں عصا تھا وہ ثعبان اور سانپ ہو گیا۔ جادوگروں کو اس سے ہدایت کا رخ دکھایا، بادشاہ کو اللہ تعالیٰ خواب دکھاتا ہے کہ یوسف صدیق عزیز مصر ہو جائیں اور قید سے رہائی پالیں۔

اس لیے راجح ہیں کہ یوسف علیہ السلام کا قیام اس عورت کے گھر میں ۲۳ سال کی عمر تک رہا تھا۔ اور اس کی داستان کا آغاز حضور کی جوانی کے بعد کا ہے۔ اگرچہ نبوت کے لیے ۴۰ سال کی عمر زیادہ موزوں ومناسب ہے۔

اسلام میں بلوغ کو تعداد سال کے ساتھ بیان نہیں کیا گیا

یہ بحث تو یوسف صدیق کے سن وسال جوانی اور اس کے بعد عطاء نبوت کے متعلق تھی، لیکن ہادیٔ اسلام علیہ الصلوٰۃ والسلام سے بلوغ مرد وزن کی بابت کسی سنہ یا سال کی تعیین کسی روایت صحیحہ میں نہیں پائی جاتی اور فی الحقیقت اُس دین کے لیے جو جملہ طبقات عالم اور ہر ایک براعظم کے لیے ہو، سال کا تعین کرنا مناسب ہی نہ تھا۔ روس کے شمال میں مرد ۳۰ سال کی عمر میں بالغ ہوتا ہے۔ جب کہ سوڈان میں ۱۲ سال کے مرد کا صاحب اولاد بن جانا مستبعد نہیں۔ اسی لیے علماء فقہ نے حُلُم وغیرہ کو علامت بلوغ قرار دیا ہے۔

اٰتَیْنَاہُ: اعطا و ایتا دونوں کے معنی ''دینے'' کے ہیں۔ مگر استعمال میں یہ فرق ہے کہ اعطاء کسی مادی اور مجسم شے کے دینے پر بولا جاتا ہے اور ایتا کا غیر مادی وغیر جسمانی شے پر اطلاق ہوتا ہے۔ ﴿اِنَّآ اَعْطَیْنٰکَ الْکَوْثَرَ ۝﴾ [۱۰۸/ الکوثر:۱] اور ﴿وَلَقَدْ اٰتَیْنٰکَ سَبْعًا مِّنَ الْمَثَانِیْ وَالْقُرْاٰنَ الْعَظِیْمَ ۝﴾ [۱۵/ الحجر:۸۷] پر غور کرو۔ کوثر جسمانی شے ہے اور سبع مثانی غیر جسمانی شے۔ آیت زیر تفسیر میں چونکہ حکم اور علم دیئے جانے کا ذکر تھا۔ اس لیے اسے ایتا کے ساتھ بیان فرمایا۔

مُحْسِنِیْنَ احسان سے ہے۔ احسان کے معنی نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جبریل علیہ السلام کو یہ بتلائے تھے:

((اَنْ تَعْبُدَ اللّٰہَ کَاَنَّکَ تَرَاہُ فَاِنْ لَّمْ تَکُنْ تَرَاہُ فَاِنَّہٗ یَرَاکَ)) [1]

''اللہ کی عبادت اس طرح کرنا گویا تو اسے دیکھ رہا ہے اور اگر تو اسے دیکھ نہیں رہا تو وہ تجھے دیکھ رہا ہے۔''

یہ تو شرعی معنی ہوئے۔ لغوی معنی نیکی کرنا، سلوک کرنا ہیں، یوسف صدیق علیہ السلام ہر دو معانی کے اعتبار سے محسن تھے۔

---

[1] بخاری: کتاب الایمان، باب سوال جبریل النبی صلی اللہ علیہ وسلم، رقم ۵۰۔ مسلم: کتاب الایمان باب بیان الایمان والاسلام والاحسان، رقم ۹۳۔ ابوداود: کتاب السنۃ، باب فی القدر، رقم ۴۶۹۵۔ ابن ماجہ: ابواب السنۃ، باب فی الایمان، رقم ۶۳۔

فصل

امراۃ العزیز کا ہیجان۔ یوسف علیہ السلام صدیق کا کمال عصمت

﴿ وَ رَاوَدَتۡهُ الَّتِیۡ هُوَ فِیۡ بَیۡتِهَا عَنۡ نَّفۡسِهٖ وَ غَلَّقَتِ الۡاَبۡوَابَ وَ قَالَتۡ هَیۡتَ لَکَ قَالَ مَعَاذَ اللّٰهِ اِنَّهٗ رَبِّیۡۤ اَحۡسَنَ مَثۡوَایَ اِنَّهٗ لَا یُفۡلِحُ الظّٰلِمُوۡنَ ○ وَ لَقَدۡ هَمَّتۡ بِهٖ وَ هَمَّ بِهَا لَوۡ لَاۤ اَنۡ رَّاٰ بُرۡهَانَ رَبِّهٖ کَذٰلِکَ لِنَصۡرِفَ عَنۡهُ السُّوۡٓءَ وَ الۡفَحۡشَآءَ اِنَّهٗ مِنۡ عِبَادِنَا الۡمُخۡلَصِیۡنَ ﴾ [۱۲/ یوسف: ۲۳۔۲۴]

''اور اس عورت نے جس کے گھر میں یوسف علیہ السلام رہتا تھا۔ اس کو بار بار پھسلایا اور سب دروازوں کو اچھی طرح بند کر کے بولی: آؤ! اپنا کام کرو۔ یوسف علیہ السلام نے کہا: پناہ، بخدا! میرے رب نے تو میرا مقام پاک بنایا ہے اور ظلم کرنے والے تو کبھی فلاح نہیں پاتے۔ عورت اپنی بات پر رہی اور یوسف اپنے جوابات پر رہا۔ اگر یوسف علیہ السلام نے برہان رب کو نہ دیکھا ہوتا (تو کچھ کا کچھ ہو جاتا) ایسا ہی ہوا تا کہ ہم یوسف سے بدی کو اور بے حیائی کو دور ہی رکھیں۔ یوسف تو ہمارے مخلص بندوں میں سے ہے۔''

رَاوَدَتۡهُ. (رَادَ یَرُوۡدُ رَوۡدًا) طلب کرنا۔ رَادَتِ الۡمَرۡاۃُ رَوۡدًا۔ ''عورت نے چکر لگائے'' رَاوَدَهٗ ''اُس سے فریب کھیلا۔''

رَاوَدَ عَنۡ نَفۡسِهٖ: ''اس سے فعل منکر چاہا۔''

رَاوَدَتۡ ''پھسلاوٹ میں برابر لگے رہنا'' بائبل میں ہے کہ وہ عورت یوسف کو ہمیشہ ہم بستری کے لیے کہا کرتی تھی۔

اَلَّتِیۡ هُوَ فِیۡ بَیۡتِهَا کہنے میں پہلی خوبی

اَلَّتِیۡ هُوَ فِیۡ بَیۡتِهَا سے مراد وہی اِمۡرَاۃُ الۡعَزِیۡزِ ہے۔ جیسا کہ دوسرے مقام پر ہے:

قَالَتِ امۡرَاَتُ الۡعَزِیۡزِ الۡـٰٔنَ حَصۡحَصَ الۡحَقُّ اَنَا رَاوَدۡتُّهٗ [۱۲/ یوسف: ۵۱]

(ا) قرآن مجید نے یہاں عورت کا نام نہیں لیا۔ بلکہ عَلَمْ (اِمْرَاَةُ الْعَزِیْزِ) بھی ترک کر دیا اور اس طرز بیان سے اللہ تعالیٰ نے اس عورت پر بھی احسان فرمایا اور اس کی پردہ پوشی کی۔

یہ سبق ہے کہ اگر کسی شخص کے کسی فعل بد کا ذکر ضروری بھی ہو جائے، پھر بھی جہاں تک ممکن ہو کنایہ وغیرہ سے کام نکالے۔

(ب) اس طرز بیان سے اللہ تعالیٰ نے یوسف علیہ السلام پر بھی احسان فرمایا۔

یوسف علیہ السلام پر احسان

کیونکہ ﴿اَلَّتِیْ هُوَ فِیْ بَیْتِهَا﴾ اس طرز بیان سے ثابت ہوا کہ یوسف علیہ السلام اس عورت کے تحت اقتدار و اختیار تھے اور سخت مشکل یہ تھی کہ ان کی رہائش عورت ہی کے گھر میں رکھی گئی تھی۔ ایسی حالت میں بچنا خاصانِ خدا ہی کا کام ہوتا ہے۔ اس جگہ حدیث ذیل کا درج کرنا موزوں ہے۔

سات قسم کے لوگ اللہ کے سایہ کے نیچے

صحیح بخاری کتاب المحاربین میں ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ حدیث روایت کی ہے کہ سات قسم کے لوگوں پر اس روز اللہ کا سایہ ہوگا جس دن کوئی سایہ نہ ہوگا۔

سَبْعَةٌ یُظِلُّهُمُ اللّٰهُ فِیْ ظِلِّهٖ یَوْمَ لَا ظِلَّ اِلَّا ظِلُّهٗ اِمَامٌ عَادِلٌ وَشَابٌّ نَشَاَ فِیْ عِبَادَةِ اللّٰهِ وَرَجُلٌ قَلْبُهٗ مُعَلَّقٌ بِالْمَسْجِدِ اِذَا خَرَجَ مِنْهُ حَتّٰی یَعُوْدَ وَرَجُلَانِ تَحَابَّا فِی اللّٰهِ اِجْتَمَعَا عَلَیْهِ وَتَفَرَّقَا عَلَیْهِ وَرَجُلٌ تَصَدَّقَ بِصَدَقَةٍ فَاَخْفَاهَا حَتّٰی لَا تَعْلَمَ شِمَالُهٗ مَا اَنْفَقَتْ یَمِیْنُهٗ وَرَجُلٌ دَعَتْهُ امْرَاَةٌ ذَاتُ مَنْصَبٍ وَجَمَالٍ فَقَالَ اِنِّیْ اَخَافُ اللّٰهَ وَرَجُلٌ ذَكَرَ اللّٰهَ خَالِیًا فَفَاضَتْ عَیْنَاهُ [1]

"① امام عادل ② وہ جوان جس نے عبادت الٰہی میں پرورش پائی

[1] بخاری، کتاب الاذان باب ابن جلس فی المسجد ینتظر الصلاۃ و رقم: ۶۶۰۔ مسلم کتاب الزکوۃ، باب فضل اخفاء الصدقۃ، رقم: ۲۳۸۰۔ ترمذی، ابواب الزہد باب فی الحب فی اللہ رقم: ۲۳۹۱۔ مسلم، کتاب الزکوۃ باب فضل اخفاء الصدقۃ۔

ہو۔ ③ وہ شخص جس کا دل مسجد سے نکلتے وقت مسجد ہی میں لگا رہتا ہے۔ جب تک کہ پھر مسجد میں نہ پہنچے۔ ④ وہ دو شخص جن میں اللہ کے لیے محبت ہے۔ اسی پر مل کر بیٹھتے ہیں اور اسی محبت کو لیے ہوئے جدا ہوتے ہیں۔ ⑤ وہ شخص جو صدقہ دے اور چھپائے حتیٰ کہ بایاں ہاتھ نہ جانے کہ داہنے ہاتھ نے کیا دیا۔ ⑥ وہ شخص جسے منصب اور جمال والی عورت اپنی جانب بلائے اور وہ کہہ دے کہ میں خدا سے ڈرتا ہوں۔ ⑦ وہ شخص جسے تنہائی میں خدا یاد آئے اور اس کی آنکھیں ڈبڈبا آتی ہوں۔'' [1]

غَلَّقَتْ: اس لفظ سے ظاہر ہوتا ہے کہ دروازوں کے بند کرنے کا کام عورت نے خود کیا تھا اور دروازے بند کرنے میں پوری احتیاط و اہتمام کیا تھا۔

اَلْاَبْوَاب: معلوم ہوتا ہے کہ عورت نے جس جگہ یوسف ں کو لے جا کر اُن سے چھیڑ چھاڑ شروع کی تھی۔ وہ مکان در مکان بہت اندر تھا۔ عموماً فساق لوگ ارتکاب فحش کے لیے ایسی ہی تجاویز کیا کرتے ہیں۔ کوئی رات کی اندھیاری، کوئی موسم گرما کی دوپہر، کوئی مکان کا اندرونی حصہ، کوئی بالا خانہ، کوئی پیچ در پیچ کوچہ کا انتہائی مکان، کوئی صحرا، کوئی پارک، کوئی ریسٹورنٹ وغیرہ وغیرہ مقام کو پسند کرتا ہے اور اپنے خیال میں سمجھ لیتا ہے کہ اب اُس نے اپنی سیہ کاری کے چھپانے کا پورا سامان کر لیا۔ لیکن بدبو پھوٹ پڑتی ہے اور اُن کی سیاہ درونی کا عکس ان کے احوال و اقوال و افعال پر ایسا پڑتا ہے کہ سب کو اُن کے شیطانی حالات کا علم ہو جاتا ہے۔

هَيْتَ لَكَ: صحیح بخاری کتاب التفسیر میں عکرمہ کا قول ہے کہ ﴿هَيْتَ لَكَ﴾ حورانی زبان کا لفظ ہے اور اس کے معنی هَلُمَّ ہیں۔ سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ کا قول ہے کہ اس کے معنی

---

[1] حدیث میں جو ہفت گانہ اوصاف بیان ہوئے ہیں۔ ان میں سے پانچ صفات اس قصہ میں سے یوسف علیہ السلام پر صادق آتی ہیں۔ (۱) وہ عادل تھے کیونکہ انہوں نے زنا کو ظلم بتایا اور ظالمین کو فلاح سے محروم بتایا۔ (۲) وہ تنہائی میں خدا کو یاد کرنے والے تھے۔ معاذ اللہ انہوں نے ایسے ہی وقت کہا، جب کوئی نہ تھا۔ (۳) وہ جوانی میں عبادت الٰہی کرنے والے تھے۔ (۴) انہوں نے ایسی عورت کی بات کا انکار کیا۔ جو صاحب جمال و مال ہونے کے علاوہ صاحب اقتدار بھی تھی۔ (۵) انہوں نے غریب بھائیوں کو غلہ کی قیمت کا روپیہ واپس کر دیا اور کبھی نہ جتایا کہ یہ فعل ان کا تھا۔

تعال ہیں۔

مَعَاذَ اللّٰہِ: یعنی میں اللہ سے پناہ مانگتا ہوں۔ اس برے فعل سے وہی مجھے بچائے گا۔ معاذ مصدر ہے۔ اس کے ساتھ اس کے فعل کا استعمال نہیں ہوتا۔

اِنَّہٗ رَبِّیْ کی ضمیر

اِنَّہٗ رَبِّیْ. اِنَّہٗ کی ضمیر اللہ کی طرف ہے جو معاذ اللہ میں موجود ہے۔ بعض نے لکھ دیا کہ اِنَّہٗ رَبِّیْ سے مراد شوہر زن ہے، مگر اس کا تو کوئی ذکر پہلے سے موجود نہیں۔ مجاہد اور سُدی اور ابن اسحٰق ” کا قول ہے کہ یہ بات بالکل بعید از فہم ہے کہ اللہ کا نبی یوسف صدیق علیہ السلام ایک دنیاوی افسر کو (جو فی الواقع اُن کا آقا بھی نہ تھا۔ کیونکہ یوسف صدیق علیہ السلام حقیقۃً غلام بھی نہ تھے) لفظ ربی کہہ کر یاد کریں۔ (فتح البیان، ج ۵ ص ۲۰)

خواہ اس زمانہ کے لوگ اپنے آقاؤں کو ربی کہہ کر بلاتے بھی ہوں۔ پس صحیح یہی ہے کہ اِنَّہٗ کی ضمیر اللہ کی طرف ہے۔ یا اسے ضمیر شان کہہ سکتے ہیں۔

مَثْوٰیْ: مقام (صحیح بخاری: کتاب التفسیر)

زانی ظالم ہے

اَلظّٰلِمُوْنَ: یوسف صدیق علیہ السلام نے اس جگہ زانی کو ظالم بتلایا ہے۔ وجوہات پر غور کرو۔

الف: زنا ظلم برخود بھی ہے۔

زنا ظلم برخود ہے

زانی اپنی جان پر ظلم کرتا ہے۔ کیونکہ زنا سے اخلاق، روپیہ اور خون تباہ و خراب اور فاسد ہو جاتے ہیں۔

پیدا ہونے والی نسل کا ذخیرہ ضائع جاتا ہے۔

زنا ظلم برخاندان

ب: زنا اپنے خاندان پر بھی ظلم ہے کیونکہ جو شخص زنا کرتا ہے۔ وہ اپنے خاندان کے لیے

ایک نمونہ قائم کرتا ہے۔ وہ اپنے گھر تک ایک سڑک بناتا ہے جس سڑک سے زنا بآسانی اس گھر میں داخل ہو جائے گا۔ تجربہ اور مشاہدہ ایسی ہزاروں مثالیں ناظرین کے سامنے پیش کر سکتے ہیں۔

زنا ظلم بر زانیہ

ج: زنا زانیہ پر بھی ظلم ہے کیونکہ جب عورت ایک بار زنا میں آلودہ ہو جاتی ہے تو اس کے اخلاق بگڑ جاتے ہیں۔ پھر وہ وقاحت و بے حیائی میں روز افزوں بڑھتی جاتی ہے۔

زنا اقربائے زانیہ پر ظلم

د: زنا عورت کے اقربا پر بھی ظلم ہے کیونکہ سب کو ایسی ندامت دامن گیر ہوتی ہے جس کی کوفت اور صدمہ اُن کے دل پر ہمیشہ رہتا ہے۔

زنا شوہر عورت پر ظلم

ہ: زنا عورت کے شوہر پر بھی ظلم ہے، بننے والے شوہر پر اس لیے ظلم ہے کہ جس اعتماد پر اس نے شادی کی، اس میں دھوکا دیا گیا اور شوہر موجودہ پر اس لیے ظلم ہے کہ اس کے واحد حق میں مداخلت کی گئی، اس کی رسوائی کی گئی، اس کے مال کا وارث ایسے مولود کو بنایا گیا جسے استحقاق وراثت حاصل نہ تھا۔

زنا مولود پر ظلم

و: زنا پیدا ہونے والے بچہ پر بھی ظلم ہے کیونکہ یا تو ایسے بچہ کو ضائع کیا جاتا ہے یا اس کی تربیت صحیح نہیں ہوتی۔

اور یہ تو لازمی ہے کہ اس کی زندگی کو ہمیشہ کے لیے ننگ و عار کی زندگی بنایا جاتا ہے۔

زنا ملک و قوم پر ظلم

ز: زنا ملک اور قوم پر بھی ظلم ہے، نسلیں محفوظ نہیں رہتی ہیں۔ وہ اوصاف و خصائل جو خصوصیات خاندان ہوتے ہیں، نیز صحت عامہ تباہ ہو جاتی ہے، اوصاف قومی گم ہو جاتے

ہیں۔زنا کے جراثیم گنہگار والدین، سے ان کی آئندہ اولاد میں منتقل ہوتے رہتے ہیں اور ان سب امور کا دائمی نقصان قوم کو اور پھر ملک تک کو اٹھانا پڑتا ہے۔

غور کرو کہ ایک لفظ ظالم کی تحت میں یوسف علیہ السلام نے زنا کی ان تمام برائیوں کو کیسی خوبی سے بیان فرما دیا ہے۔

﴿ وَ لَقَدْ هَمَّتْ بِهٖ وَ هَمَّ بِهَا﴾ اوحدی جیسے شخص ایسے بھی گزرے ہیں جنہوں نے اس آیت کے تحت میں ایسی باتیں لکھ دی ہیں جو عقل و شرع اور اصول قرآن مجید سے بالکل مخالف ہیں۔اُن کا ذکر کرنا بھی جائز نہیں۔

بے سرو پا روایتیں

پھر بعض لوگوں نے ان باتوں کے عمل و فعل میں نہ آنے کی وجہ کی بابت لکھ دیا کہ یوسف علیہ السلام کے سامنے فلاں فلاں امور منجانب قدرت ظاہر ہوئے تھے۔یہ سب باتیں بالکل بے سرو پا اور واہی ہیں۔

راویتوں میں باہمی تضاد

محدثانہ اصول کے مطابق اُن کی صحت کبھی بھی تسلیم نہیں کی گئی اور اُن میں اس قدر تضاد و تناقض باہمی موجود ہے کہ اُن کی تطبیق بھی نہیں ہو سکتی۔

اگر ان روایات کی بطلان کا ظاہر کرنا ضروری نہ ہوتا تو ہم اُن کا ذکر اتنا بھی نہ کرتے۔تنقید سے یہ معلوم ہو جاتا ہے کہ یہ سب روایات ابن کعب قرظی تک پہنچتی ہیں۔اور وہ ایک غیر معتبر شخص ہے۔

خیر اب تفسیر کی طرف آیئے۔

علامہ ابن حزمؒ کی تفسیر

علامہ ابن حزم (المتوفی ۴۵۷ھ) نے ''کتاب الفصل'' جلد چہارم ص ۱۱ پر تحریر کیا ہے کہ ﴿ وَ لَقَدْ هَمَّتْ بِهٖ﴾ پر جملہ ختم ہو جاتا ہے اور دوسرا جملہ ﴿وَ هَمَّ بِهَا ۚ لَوْ لَاۤ اَنْ رَّاٰ بُرْهَانَ رَبِّهٖ﴾ ہے۔ [۱۲/ یوسف:۲۴]

امام رازیؒ کی تفسیر

فخر رازیؒ نے بھی تفسیر کبیر میں زیادہ تر اسی معنی کی تائید کی ہے، پس آیت کا ترجمہ یہ ہوا۔ ''عورت نے اس کا قصد کر ہی لیا تھا۔ وہ بھی قصد کر لیتا، اگر برہان کو نہ دیکھ پاتا۔''

ابو حاتمؒ اور ابو عبیدہؒ کی روایت

ابو حاتمؒ کہتے ہیں کہ غریب القرآن کی تعلیم کے وقت اُن کو علامہ ابو عبیدہؒ نے یہی معنی بتلائے تھے۔

قاضی بیضاویؒ کے اعتراض کا جواب ''از امام رازیؒ''

قاضی بیضاوی لکھتے ہیں کہ لَــوْلا کی شرط پہلے نہیں آتی۔ لیکن فخر رازیؒ نے اس کی صحت کا ثبوت قرآن مجید سے پیش کر دیا ہے:

﴿وَ اَصْبَحَ فُؤَادُ اُمِّ مُوْسٰی فٰرِغًا اِنْ کَادَتْ لَتُبْدِیْ بِهٖ لَوْ لَآ اَنْ رَّبَطْنَا عَلٰی قَلْبِهَا﴾ [۲۸/القصص:۱۰]

اس آیت میں ﴿کَادَتْ لَتُبْدِیْ بِهٖ﴾ [۲۸/القصص:۱۰] کی شرط بعد میں واقع ہوئی ہے۔ یہ معنی عمدہ اور صحیح ہیں اور یوسف صدیق کی شان عالی کے موافق ہیں۔

ایک اور معنی

اگر اب بھی ﴿لَوْ لَآ اَنْ رَّاٰ بُرْهَانَ رَبِّهٖ﴾ کے جملہ کو علیحدہ رکھنا ہو۔

اور ﴿وَلَقَدْ هَمَّتْ بِهٖ وَهَمَّ بِهَا﴾ کو علیحدہ۔ تب ایک اور معنی بھی ہو سکتے ہیں۔ یہ میرے فہم کے موافق ہے اور اگر یہ غلط ہیں تو مجھے بھی اس کے غلط ہونے کا اقرار کرنے میں ذرا تامل نہ ہوگا۔ نعوذ باللہ کہ تفسیر بالرائی کی حمایت کی جائے۔

بِهٖ اور بِهَا کے مرجع ضمائر

واضح ہو کہ جس قدر معانی بیان کیے گئے ہیں اُن میں ﴿هَمَّتْ بِهٖ﴾ میں بِهٖ کا مرجع یوسف علیہ السلام کو اور ﴿هَمَّ بِهَا﴾ میں بِهَا کا مرجع اس عورت کو بتلایا گیا ہے لیکن ہر دو ضمائر

کے لیے قریب تر مرجع اور بھی مل سکتے ہیں اور علم فصاحت و بلاغت کی رو سے ضمائر کا قریب تر مرجع کی جانب لے جانا زیادہ صحیح اور زیادہ موزوں سمجھا جاتا ہے۔ اس اصول کے مطابق ﴿ هَمَّتْ بِهٖ﴾ میں ضمیر بِهٖ کا مرجع عورت کا قول هَيْتَ لَكَ ہے اور هَمَّ بِهَا میں ضمیر بِهَا کا مرجع یوسف علیہ السلام کے اقوال سہ گانہ ہیں اور وہ اقوال یہ ہیں۔ (۱) مَعَاذَ اللّٰهِ (۲) اِنَّهٗ رَبِّیْ اَحْسَنَ مَثْوَایَ (۳) اِنَّهٗ لَا يُفْلِحُ الظّٰلِمُوْنَ.

هَمَّ اور عزم کے معنی

لفظ هَمَّ کے معنی لغوی، صاحب کشاف نے قصد اور عزم لکھے ہیں اور عزم کے معنی اشتداد طلب ہیں۔ احمد بن یحییٰ ثعلب نے جو لغت و نحو کے مشہور امام ہیں۔ هَمَّتْ کے معنی اسی لیے وَ كَانَتْ مُصِرَّةً. ''عورت اپنی بات پر اصرار کرتی رہی'' بتلائے ہیں، اب آیت کا ترجمہ یہ ہوا۔

''وہ عورت اپنی بات پر اصرار کرتی رہی اور یوسف علیہ السلام اپنے جوابات پر اصرار کرتے رہے۔''

یہ معنی بالکل صاف ہیں اور ایک دل باختہ عورت اور ایک تقویٰ پرور نبی اللہ کی شان رفیع پر بھی بالکل چسپاں ہیں۔

ضمیر کا جملہ کی جانب ہونا

ضمیر کا مرجع کسی قول یا جملہ کو ٹھہرانا کثرت سے متداول ہے۔ دیکھو اسی سورہ میں آتا ہے: ﴿ اِنْ يَّسْرِقْ فَقَدْ سَرَقَ اَخٌ لَّهٗ مِنْ قَبْلُ فَاَسَرَّهَا يُوْسُفُ فِیْ نَفْسِهٖ وَ لَمْ يُبْدِهَا لَهُمْ﴾ [۱۲/یوسف:۷۷]

نظم قرآنی پر غور و تدبر

معنی ہذا کی توثیق اس وقت ہو جاتی ہے۔ جب نظم قرآنی پر تدبر و تفکر کیا جائے۔ یہ ظاہر ہے کہ آیت ﴿ وَ لَقَدْ هَمَّتْ بِهٖ وَ هَمَّ بِهَا﴾ [۱۲/یوسف:۲۴] بعد میں واقع ہوئی ہے اور اس سے پیشتر آیات ﴿ قَالَتْ هَيْتَ لَكَ ؕ قَالَ مَعَاذَ اللّٰهِ اِنَّهٗ رَبِّیْ اَحْسَنَ

مَثْوَایَ ط اِنَّهٗ لَا یُفْلِحُ الظّٰلِمُوْنَ o﴾ [۱۲/ یوسف: ۲۳] آ چکی ہیں۔ اس ترتیب کلام پر غور کرنے سے یہ واضح ہو جائے گا کہ هَمَّتْ کے معنی عورت کا صرف ارادہ اور خواہش دلی ہی نہیں کیونکہ اس عورت کے تو بہت سے افعال (جو خواہش اور ارادہ سے افزوں تر ہیں) (۱) ﴿وَرَاوَدَتْهُ﴾ (۲) ﴿وَ غَلَّقَتِ الْاَبْوَابَ﴾ (۳) اور قول ﴿هَیْتَ لَکَ﴾ کی تحت میں نمایاں و آشکار ہو چکے۔ ایسے اور اس قدر افعال کے صدور کے بعد اب هَمَّتْ مذکورہ کو صرف بمعنی خواہش و ارادہ لانے کا کون سا محل باقی تھا۔ علیٰ ہذا صدیق علیہ السلام کے حق میں بھی ''هَمَّ'' بمعنی خواہش و ارادہ یا میلان طبعی اس لیے نہیں ہو سکتے کہ وہ تو نہایت مکمل وعظ زنا کی برائی اور عظمت الٰہی پر فرما چکے ہیں اور خود کو اللہ تعالیٰ کی پناہ میں لے جا چکے ہیں۔

ہاں اگر آیت یوں ہوتی کہ ﴿غَلَّقَتِ الْاَبْوَابَ وَ هَمَّتْ بِهٖ وَ هَمَّ بِهَا وَ قَالَتْ هَیْتَ لَکَ قَالَ مَعَاذَ اللّٰهِ﴾ تب یہ معنی جو عام طور پر بیان کیے جاتے ہیں زیادہ چسپاں ہو سکتے۔ غور کرو کہ عورت تو خواہش کا اظہار بھی کر چکی اور نبی اللہ اسے رد بھی فرما چکے اب عورت کے ارادہ کے ذکر کا کون سا محل رہ گیا تھا۔ حقیقت یہ ہے کہ اس مقام پر نظم قرآنی پر پورا تدبر کرنا نہایت ضروری ہے۔

نظم قرآنی و لغت عربی اور شان نبوت کے لائق ترجمہ موجود ہے کہ عورت اپنے قول پر اڑی رہی اور یوسف علیہ السلام اپنے اقوال پر قائم رہے۔

﴿لَوْ لَا اَنْ رَّاٰ بُرْهَانَ رَبِّهٖ﴾ ''اگر وہ اپنے رب کی برہان کو نہ دیکھ لیتا۔''

بُرْهَان دلیل و حجت۔ اس کا اطلاق مادی و غیر مادی ہر دو اقسام پر آیا ہے۔ قرآن مجید میں عصائے موسیٰ و ید موسیٰ دونوں کو برہان فرمایا گیا ہے اور حدیث میں ہے: ((اَلصَّدَقَةُ بُرْهَانٌ)) [1]

جب فقرہ لَوْ لَا اَنْ سے شروع ہوتا ہے تو اس کا جواب محذوف ہے اور یہ بلاغت کلام ہے کہ جواب کو محذوف رکھا کیونکہ اس کا وجود کوئی نہ تھا۔

قرآن مجید میں دوسرے مقام پر بھی لَوْ لَا کا جواب محذوف ہونا مل جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

---

[1] مسلم: کتاب الطہارۃ، باب فضل الوضوء، رقم ۵۳۴۔ ترمذی: ابواب الدعوات، باب فی فضل الوضوء، رقم ۳۵۱۷۔

﴿اِنَّ الَّذِيْنَ يُحِبُّوْنَ اَنْ تَشِيْعَ الْفَاحِشَةُ فِي الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ وَ اَنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ ○ وَلَوْ لَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَ رَحْمَتُهٗ وَ اَنَّ اللّٰهَ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ○﴾ [۲۴/النور:۱۹۔۲۰]

''کہ جولوگ ایمان والوں میں گندی باتوں کی اشاعت پسند کرتے ہیں۔ اُن کے لیے دنیا و آخرت میں عذاب ہے۔ اللہ اُن کو جانتا ہے۔ تم نہیں جانتے اور اگر تم پر اللہ کا فضل اور رحمت نہ ہوتی۔ تب...... اور اللہ تو رؤف و رحیم ہے۔'' دیکھو یہاں خبر محذوف سے جواب مکمل بنے گا۔

برہان کے متعلق کعب قرظی کی روایات کا واہی ہونا

واضح ہو کہ برہان رب کی تفسیر میں ابن کعب قرظی کی روایات میں جتنی باتیں بتائی گئی ہیں۔ صورت یعقوب علیہ السلام یا صورتِ جبریل علیہ السلام یا کوئی اور ندایا آیات قرانیہ میں سے کسی آیت کا دیوار پر یا چھت پر لکھا جانا۔ وغیرہ وغیرہ۔ یہ سب روایات اصول محدثانہ کے اعتبار سے واہی اور بے بنیاد ہیں۔

ابن حزم اور معنی برہان

اور صحیح قول امام ابن حزمؒ کا ہے کہ برہان رب سے مراد نبوت ہے۔

میرے فہم میں یوسف علیہ السلام کے گزشتہ وعظ کو بھی جو زنا کی برائی پر انہوں نے فرمایا، برہان رب کہہ سکتے ہیں، کیونکہ انبیا کی تعلیم و تلقین منجانب اللہ ہوتی ہے۔ سیدنا ابراہیم علیہ السلام کے وعظ کے متعلق اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

﴿وَ تِلْكَ حُجَّتُنَآ اٰتَيْنٰهَآ اِبْرٰهِيْمَ﴾ [۶/الانعام:۸۳]

''یہ ہمارے دلائل تھے جو ہم نے ابراہیم علیہ السلام کو دیے تھے۔''

اب مطلب آیت ﴿لَوْ لَآ اَنْ رَّاٰ بُرْهَانَ رَبِّهٖ﴾ کا یہ ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے سمجھایا ہے کہ موقعہ کی نزاکت، عورت کی درخواست جو صاحب مال و جمال تھی۔ اس درخواست پر

اصرار اور تحکم، یوسف علیہ السلام کی محکومی، بھرپور جوانی، شادی شدہ نہ ہونا، بے وطن ہونا۔ یہ ایسے حالات جمع ہوگئے تھے، جن پر غالب آنا کسی معمولی مرد کا کام نہ تھا۔ وہ فضل الٰہی جو شامل حال انبیاء علیہم السلام ہوتا ہے، وہ عصمت نبوت جو ارادہ کبائر کو دل میں جانشین ہونے نہیں دیتی ہے اپنا کام کرگئی اور خدا کا نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام ہر ایک مرحلہ سے پاک و صاف نکل گیا کیونکہ برہان رب ان کی راہنما تھی۔

سوء و فحشاء کا فرق

سُوْء . سَاءَ یَسُوْءُ سَوْءً سے اسم ہے۔ برا کام، بری عادت، آفت، عیب وغیرہ۔

عِبَادِنَا: ہمارے بندے، یہ اللہ تعالیٰ کا بہت پیارا لفظ ہے۔ عزت بخشی کے موقعہ پر اللہ تعالیٰ اسی لقب سے اپنے برگزیدہ خاص بندوں کو یاد فرمایا کرتا ہے۔ سیدنا و مولانا محمد النبی الامی صلی اللہ علیہ وسلم کی شان رفیعہ کا خیال کرو اور پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے مقامات عالیہ میں سے معراج کو یاد کرو۔ جس پر یہ مصرعہ نہایت صداقت سے صادق آتا ہے۔ ''بمقامے کہ رسیدی نرسد ہیچ نبی'' ❶ ذکر معراج میں یہ الفاظ ہیں ﴿ سُبْحَانَ الَّذِیْ اَسْرٰی بِعَبْدِهٖ ﴾ [۱۷/ الاسراء:۱] ''پاک ہے وہ مالک جس نے شباشب اپنے بندہ کو سیر کرائی'' دیکھو یہاں سب سے بہترین مقام کے بیان میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو لفظ عبد سے یاد و ممتاز فرمایا ہے:

تو عبد خواندہ شدی و رموز داں دانست   کہ برترست عبودیت از سلیمانی ❷

آیت زیر تفسیر میں یوسف صدیق علیہ السلام کو بھی اسی معزز اور پیارے خطاب سے یاد فرمایا ہے۔ جس سے صاف ظاہر ہے کہ اس ہفت خوان نفسانی پر فتح پانے میں جو امور جلیل انہوں نے کیے تھے، وہ اللہ تعالیٰ کی کمال خوشنودی کا موجب ہوئے۔

مُخْلَصِیْنَ اخلاص سے ہے۔ خَلَصَ لغت میں کسی چیز کو دوسری چیز کی آمیزش سے پاک صاف کرنے کو کہتے ہیں۔

اصطلاح شرعیہ میں دل کو غیر اللہ سے خالی کرنے کا نام اخلاص ہے۔

---

❶ جس مقام پر پہنچا ہے اس پر کوئی نبی نہیں پہنچا۔ ❷ تجھے عبد کیا گیا ہے اور اشارات سمجھنے والا یہ سمجھ گیا کہ سلیمانی (بادشاہت) سے عبودیت (بندگی) بلند تر ہے۔

صدق واخلاص میں فرق

یاد رہے کہ اخلاص کے قریب صدق بھی ہے، مگر ان دونوں میں فرق یہ ہے کہ اخلاص مطلوب کا عدم انقسام ہے یعنی مطلوب واحد ہو۔ صدق، طلب کا عدم انقسام ہے، یعنی طلب واحد ہو۔

صدق واخلاص میں ترتیب

صدق کے درجہ پر انسان بعد از اخلاص فائز ہوتا ہے لیکن اخلاص کے بغیر صدق حاصل ہو ہی نہیں سکتا۔

قرآن مجید میں اخلاص کی تاکید

اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں اخلاص کی نہایت تاکید فرمائی ہے۔ فرمایا:

﴿ اِنَّآ اَنْزَلْنَآ اِلَیْکَ الْکِتَابَ بِالْحَقِّ فَاعْبُدِ اللّٰہَ مُخْلِصًا لَّہُ الدِّیْنَ﴾

''ہم نے کتاب کو تجھ پر راستی کے ساتھ نازل فرمایا ہے۔ پس تو اللہ کی عبادت اخلاص کے ساتھ بالکل اسی کا بن کر ادا کیا کر۔'' [۳۹/الزمر:۲]

فرمایا: ﴿اَلَا لِلّٰہِ الدِّیْنُ الْخَالِصُ ﴾ [۳۹/الزمر:۳] یادرکھو یہ خدا ہی کی شان ہے کہ دین اسی کے لیے ہو۔

خواجہ فضیل بن عیاضؒ نے فرمایا: احسن عمل وہ ہے جو اخلص واصوب ہو۔ فرمایا: اگر عمل خالص تو ہوا مگر اصوب نہ ہوا، تب بھی قبول نہ ہوگا۔

اگر اصوب ہوا اور خالص نہ ہوا، تب بھی قبول نہ ہوگا۔

پھر بتلایا کہ خالص کے معنی یہ ہیں کہ صرف اللہ کے لیے ہو اور اصوب کے معنی یہ ہیں کہ سنت نبویہ علیہ الصلوٰۃ والتحیۃ کے مطابق ہو۔

اخلاص پر حدیث قدسی

حدیث قدسی میں ہے (یہ حدیث سند کے لحاظ سے بھی صحیح ہے)

((اَنَا اَغْنَی الشُّرَکَاءِ عَنِ الشِّرْکِ مَنْ عَمِلَ عَمَلًا اَشْرَکَ فِیْهِ مَنْ غَیْرِیْ فَهُوَ لِلَّذِیْ اَشْرَکَ بِهٖ)) [1]

"میں ہر ایک ساجھی بن کر کام کرنے والوں کے اندر سب سے زیادہ شرک اور ساجھی پنے سے الگ ہوں۔ اگر کسی شخص نے کوئی ایسا عمل کیا جس میں اس نے میرے سوا اور کوئی بھی شامل کیا تو وہ عمل اس غیر کیلیے سمجھا جائے گا۔"

الغرض جب عمل کو مخلوق کے دکھانے سنانے سے پاک رکھا جائے اور طاقت و عبادت میں صرف ذات سبحانی ہی مقصود ہو۔ تب اس کا نام اخلاص ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہر مسلمان کو توفیق اخلاص عطا فرمائے۔

یوسف علیہ السلام کے متعلق جب یہ معلوم ہو گیا کہ وہ کامل الاخلاص تھے۔ تو یہ بھی معلوم ہو گیا کہ امرأۃ العزیز کے واقعہ میں اُن سے کوئی بھی ایسی حرکت صادر نہیں ہوئی۔ جو اُن کے منصب عالیہ کے ذرا بھی خلاف ہو۔

قصہ کے ضمن میں مخلص کہنے کی بلاغت اور حسن دلیل

بلاغت قرآنیہ پر تدبر کرنے کے لیے یہ یاد رکھنا چاہیے کہ جس طرح ایک مکان میں دو جوان مرد و زن کے جمع ہونے کے بعد کے واقعات دوسروں کے لیے بالکل محجوب و مستور ہوتے ہیں۔ اسی طرح اخلاص کا معاملہ ہے۔ دونوں حالتوں کی اصلیت عالم الغیب ہی پر آشکار ہوتی ہے۔ واقعہ کا خاتمہ " مِنْ عِبَادِنَا الْمُخْلَصِیْنَ " کے الفاظ پر فرما دینے سے اللہ تعالیٰ نے صدیق کی بے گناہی و بے لوثی کو بہترین دلائل سے واضح فرما دیا۔ اس معاملہ میں بھی ان کی بریت فرمائی اور ان کے دلی اخلاص منزل کی بھی صفت فرما دی:

﴿ وَاسْتَبَقَا الْبَابَ وَقَدَّتْ قَمِیْصَهٗ مِنْ دُبُرٍ وَّ اَلْفَیَا سَیِّدَهَا لَدَا الْبَابِ ۭ قَالَتْ مَا جَزَآءُ مَنْ اَرَادَ بِاَهْلِکَ سُوْٓءًا اِلَّآ اَنْ یُّسْجَنَ اَوْ عَذَابٌ اَلِیْمٌ ۝﴾ [۱۲/ یوسف:۲۵]

"وہ دونوں دروازہ کو لپکے عورت نے یوسف علیہ السلام کے پیچھے سے اُن کا

[1] مسلم: کتاب الزہد، باب تحریم الریاء، رقم ۷۴۷۵۔ ابن ماجۃ: ابواب الزہد، باب الریاء والسمعۃ، رقم ۴۲۰۲۔

کرتہ چاک کر دیا پھر دونوں نے عورت کے خاوند کو دروازہ کے پاس ہی دیکھ پایا۔ عورت بولی! جو شخص تیری بیوی سے بدکاری کا ارادہ کرے۔ اس کی کیا سزا؟ یا تو اسے قید کیا جانا چاہیے یا دردناک عذاب ملنا چاہیے۔"

اِسْتَبَقَا: دو شخصوں کا ایک دوسرے سے آگے نکل جانے کی نیت سے دوڑنا۔ یوسف علیہ السلام اس لیے دوڑے کہ اپنا ایمان بچائیں، عورت اس لیے دوڑی کہ پھر اُن کو اپنی ڈھب پر لانے کی سعی کرے۔

اَلْبَاب: پہلے ﴿غَلَّقَتِ الْاَبْوَابَ﴾ فرمایا تھا۔ یہاں اَلْبَاب فرمایا۔ معلوم ہوا کہ اس سے آخری دروازہ یعنی داخلہ مکان کا سب سے پہلا دروازہ مراد ہے۔

یوسف علیہ السلام کا تیزی سے دوڑنا

اگر ہم نظم قرآنی سے یہ سمجھیں کہ کرتہ پھٹنے کا واقعہ اس آخری دروازہ کے متصل وقوع میں آیا تھا۔ تو اس سے معلوم ہو سکتا ہے کہ یوسف علیہ السلام کس تیزی سے بھاگے تھے۔ کیونکہ ان کو ہر دروازہ کھولنے میں بھی جو بڑی احتیاط سے عورت نے بند کئے تھے۔ خاصی دیر لگتی ہو گی بااین ہمہ وہ سب دروازوں کو طے کرنے میں کامیاب ہو گئے۔ صرف آخری دروازہ کے متصل عورت اُن سے اس قدر قریب پہنچ گئی کہ ان کو تو نہ پکڑ سکی، بلکہ ان کی قمیص عورت کے ہاتھ میں آئی۔

اَلْفَیَا: اَلْفَی الفاءً (وَجَدَهُ) اس کو موجود پایا۔

قَدَّتْ: قَدّ۔ کپڑے کا طول میں چاک ہونا۔

قدّ اور قطّ میں فرق لغوی

قَطّ کپڑے کا عرض میں چاک ہونا۔

یہ لفظ بتلاتا ہے کہ عورت کا ہاتھ یوسف علیہ السلام کی گردن کے قریب پڑا تھا۔

یہ لفظ بتلاتا ہے کہ یوسف علیہ السلام پوری طاقت سے بھاگ رہے تھے کیونکہ اگر وہ ایسے زور میں نہ ہوتے تو کپڑے کے تھام لیے جانے سے اُن کو بھی رک جانا پڑتا لیکن ادھر تو

یوسف صدیق علیہ السلام پورے زور سے آگے کو جا رہے تھے اور ادھر عقب سے عورت نے پورے زور سے اُن کے کپڑے کو پکڑ لیا تھا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ قمیص گریبان سے لے کر دامن تک چاک ہوتا چلا گیا مگر اللہ کا صدیق نہ رکا۔

سید کے معنی، کیا امرأۃ العزیز پہلے لونڈی تھی؟

سَیِّد: اصل میں سَیْوِدْ تھا۔ مجھے شبہ گزرتا ہے کہ یہ امراۃ العزیز غالباً لونڈی تھی پھر اس سے شادی کر لی گئی۔ یہی وجہ ہے کہ اسے امراۃ العزیز پر بھی کہا گیا اور اس کے شوہر کو اُس کا سَیِّد بھی، لیکن لفظ زوج کا استعمال ان کے لیے نہیں کیا گیا اور یہی لفظ ہے جو زوجین کے تساوی وتشاکل کا مثبت ہوسکتا تھا۔

لونڈی سے نکاح کا جواز

لونڈیوں سے نکاح کا جواز قرآن حکیم سے ثابت ہے، مگر صرف اس وقت جب کہ آزاد عورت نہ ملے اور مرد کو زنا میں مبتلا ہو جانے کا اندیشہ ہو۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿ وَ مَنْ لَّمْ يَسْتَطِعْ مِنْكُمْ طَوْلًا اَنْ يَّنْكِحَ الْمُحْصَنٰتِ الْمُؤْمِنٰتِ فَمِنْ مَّا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ مِّنْ فَتَيٰتِكُمُ الْمُؤْمِنٰتِ ؕ وَ اللّٰهُ اَعْلَمُ بِاِيْمَانِكُمْ ؕ بَعْضُكُمْ مِّنْ ۢ بَعْضٍ ۚ فَانْكِحُوْهُنَّ بِاِذْنِ اَهْلِهِنَّ وَ اٰتُوْهُنَّ اُجُوْرَهُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ مُحْصَنٰتٍ غَيْرَ مُسٰفِحٰتٍ وَّ لَا مُتَّخِذٰتِ اَخْدَانٍ ۚ فَاِذَاۤ اُحْصِنَّ فَاِنْ اَتَيْنَ بِفَاحِشَةٍ فَعَلَيْهِنَّ نِصْفُ مَا عَلَى الْمُحْصَنٰتِ مِنَ الْعَذَابِ ؕ ذٰلِكَ لِمَنْ خَشِيَ الْعَنَتَ مِنْكُمْ ؕ وَ اَنْ تَصْبِرُوْا خَيْرٌ لَّكُمْ ؕ وَ اللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ۠ ﴾ [۴/النسآء:۲۵]

”تم میں سے جسے مسلمان بیبیوں سے نکاح کا مقدور نہ ہو تو وہ نکاح ایسی مسلمان عورتوں میں سے کرے جو لڑائی میں ہاتھ آئی ہوں اور اللہ تمہارے ایمان کو خوب جانتا ہے (تم ایک دوسرے کے ہم جنس ہو۔ ایسی عورتوں سے نکاح لونڈی والوں کی اجازت سے کرلو اور دستور کے مطابق اُن کو مہر بھی

دو۔ اُن کو نکاح کے ساتھ قبضہ میں لاؤ نہ زنا کا تعلق ہو اور نہ چوری چھپی سے ملنے کا، پھر نکاح کے بعد اگر اُن سے بے حیائی کا کام ثابت ہو تو لونڈی کی سزا آزاد عورت سے آدھی ہے۔ یہ اجازت تم میں سے اُن لوگوں کے لیے جن کو نکاح کے بغیر گناہ میں آلودہ ہو جانے کا اندیشہ ہو۔ ورنہ اگر لونڈی کے نکاح سے رکے رہو تو یہ تمہارے لیے بہتر ہے اور اللہ تو بخشنے والا رحم والا ہے۔"

اَرَادَ: ارادہ کے معنی وہ اقتضائے طبعی ہے جو منجر بہ فعل اور مُلصِق بفعل ہو۔ اس لفظ کا استعمال مقصود فعل کے معنی میں بھی ہوتا ہے۔ ﴿مَاذَآ اَرَادَ اللّٰهُ بِهٰذَا مَثَلًا﴾ [۲/البقرۃ:۲۶]
"اللہ نے اس مثال سے کیا ارادہ کیا ہے"

امرأۃ العزیز نے اس لفظ کا استعمال کن معنی میں کیا

امرأۃ العزیز نے اس لفظ کے تحت اُن افعال کو بھی شامل کر لیا ہے کہ اگر اُن افعال ارادی کے بالمقابل کوئی مانع نہ پایا جائے تو فعل مطلوبہ کا ارتکاب مکمل ہو جائے۔ عورت کے شوہر اور شاہد نے بھی یہی معنی سمجھے اور اسی لیے قمیص کی حالت پر غور کیا گیا جیسا کہ آگے آئے گا۔

اگر ارادہ کے معنی نیت قلب لیے جائیں تو آیت کے معنی نہیں بن سکتے کیونکہ اس کی اطلاع تو خود اس عورت کو بھی نہ ہوتی۔

بِاَهْلِكَ: اہل الرجل، بیوی، اہل البیت بیوی اور کنبہ کے دیگر اشخاص۔ عورت کی ہوشیاری دیکھو یہ نہیں کہتی کہ "میرے ساتھ" بلکہ کہتی ہے کہ "تیرے اہل کے ساتھ" تا کہ شوہر کا غصہ تیز ہو جائے اور وہ سمجھ جائے کہ عورت کی عزت تو دراصل شوہر کی عزت ہوتی ہے۔

عورت کا پلٹی کھانا واقعہ قابل نصیحت ہے

اس واقعہ کو پورے غور اور تدبر سے پڑھنا چاہیے۔ عورت کا یہاں تو وہ شوق وصال کہ خود دروازے بند کیے، خود اپنی زبان سے درخواست کی اور جب یوسف علیہ السلام بھاگ چلے، تو خود حویلی کے آخری دروازہ تک تعاقب کیا اور کہاں یہ پلٹی کہ شوہر کو دیکھا تو خود مستغیثہ بن گئی۔

اور خود ہی شوہر کو زندان یا تازیانہ کی سزا بھی سوجھا دی۔اس واقعہ میں ان فاسقوں کے لیے سخت عبرت ہے۔ جو پرائی (بیگانہ) عورت کی محبت یا وفاداری کے قائل ہوتے ہیں۔

فاسقوں کی لیے سبق عبرت

شاید لوگ بظاہر سمجھتے ہیں کہ امرأۃ العزیز نے یہ بات اپنے حفظ آبرو کے لیے کہی تھی لیکن حقیقت اور ہے، اُس عورت کو یوسف علیہ السلام کی پاک دامنی وعفت ومعصومی وتقویٰ کا کامل یقین ہو چکا تھا اور یوسف علیہ السلام کی پاک طینت وطہارت فطرت نے اسے کہہ دیا تھا۔

بروایں دام بر مرغ دگرنہ — کہ عنقارا بلند است آشیانہ [1]

اس لیے ''عشق شہوانی مبدل بہ انتقام شیطانی'' ہو گیا اور شوہر کو تعذیب کی صورتیں بھی سمجھانے لگی۔ لہٰذا اب کسی مرد کو بھی کسی غیر عورت کی نسبت صداقت کا بھروسہ نہیں کرنا چاہیے اور کبھی خیال بھی نہیں کرنا چاہیے کہ ایسی لگاوٹ کا مقصد اقتضائے خواہش کے سوا کچھ اور بھی ہوتا ہے، اگر ایسا ہو سکتا تو یوسف علیہ السلام جیسے پاک محبوب کے لیے یہ عورت کبھی منہ سے ایسے الفاظ نہیں نکال سکتی تھی۔

مرثد بن کنعان رضی اللہ عنہ اور مسماۃ عناق کا واقعہ

اس سے مشابہ تر قصہ حضرت مرثد بن کنعان بن حصین الغنوی رضی اللہ عنہ کا ہے۔انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ہجرت مدینہ طیبہ کی تھی۔ یہ قوی پہلوان تھے، مدینہ سے مکہ چھپ کر آیا کرتے اور اُن مسلمان قیدیوں کو جن کو کفار مکہ اسلام لانے کے جرم میں قید کر دیا کرتے تھے، زندان سے نکال کر لے جایا کرتے تھے۔ یہ ایک بار اسی ارادہ سے مکہ میں پہنچے ایک گھر کی دیوار کے سایہ میں رات کو چھپ کر کھڑے ہوئے تھے کہ اتنے میں عناق آ گئی۔ یہ ایک مشہور حیاباختہ عورت تھی اور مرثد کا اس سے قبل از اسلام میل جول بھی رہا تھا۔عناق نے ان کو دیکھا اور پہچان لیا۔ بولی: مرثد! انہوں نے کہا: ہاں عناق! بولی: مرحبا واہلاً سہلاً۔ چلو میرے گھر چلو، رات کو میرے پاس ہی سونا۔ مرثد نے کہا، نہیں عناق نہیں۔ اسلام میں زنا

---

[1] یہ جال کسی اور پر ڈالو کیونکہ عنقاء کا آشیانہ دام سے بلند ہوتا ہے۔

حرام ہے۔ یہ سن کر عناق نے چلانا شروع کیا۔ لوگو! آؤ آؤ، دوڑو، دوڑو۔ وہ شخص کھڑا ہے، جو مسلمانوں کو تمہاری جیل سے نکال لے جایا کرتا ہے۔ یہ سنتے ہی آٹھ شخصوں نے مرثد رضی اللہ عنہ کا تعاقب کیا۔ انہوں نے مشکل سے ایک غار تک پہنچ کر اپنی جان بچائی۔

ذرا غور کرو! کہاں تو عناق کا مرحبا، اہلاً وسہلاً کہنا۔ اپنے گھر لے جانے کی درخواست کرنا اور کہاں یہ کہ جب سن لیا کہ یہ اب آلودہ نہ ہوگا۔ تو مرثد رضی اللہ عنہ کے گرفتار کرانے کے لیے خود شور ڈالنا، لوگوں کو بلانا۔

مرثد رضی اللہ عنہ کا قول ہے کہ میں نے مدینہ پہنچ کر نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے اجازت مانگی کہ عناق سے نکاح کرلوں، تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے اجازت نہ دی بلکہ میرے ہی سوال پر اس آیت کا نزول ہوا۔ [1]

﴿ اَلزَّانِیْ لَا یَنْکِحُ اِلَّا زَانِیَةً ﴾ [2] [۲۴/النور:۳]

”زانی نکاح نہ کریں مگر زانیہ سے یا مشرکہ سے اور زانیہ نکاح نہ کرے، مگر زانی یا مشرک سے اور یہ مومنوں پر حرام کیا گیا ہے۔“

[1] ترمذی: ابواب تفسیر القرآن الکریم، باب ومن سورۃ النور رقم ۳۱۷۷۔

[2] یہ روایت ترمذی اور نسائی و ابوداؤد میں بالفاظ متقارب موجود ہے۔ ابن مسعود رضی اللہ عنہ کا مذہب باستدلال آیت ہذا یہی تھا کہ زانیہ سے نکاح جائز نہیں۔ بعض نے جواز نکاح زانیہ کی دلیل حدیث ان امراتی لا تمنع ید سے نکالی ہے۔ امام نسائی اس حدیث کو لیس بثابت کہتے ہیں۔ اس آیت کے معنی میں دیگر اقوال و استدلال بھی ہیں۔ ہمارا مقصود چونکہ آیت بالا کی تفسیر نہیں۔ اس لیے بالاستیعاب بحث کی ضرورت نہیں۔

فصل

شوہر زن کے سامنے یوسف علیہ السلام کا بیان

عورت کے ایک قریبی رشتہ دار کی شہادت، یوسف علیہ السلام کے حق میں فیصلہ۔

﴿ قَالَ هِيَ رَاوَدَتْنِي عَنْ نَّفْسِي وَ شَهِدَ شَاهِدٌ مِّنْ اَهْلِهَا ۚ اِنْ كَانَ قَمِيْصُهٗ قُدَّ مِنْ قُبُلٍ فَصَدَقَتْ وَ هُوَ مِنَ الْكٰذِبِيْنَ ۝ وَ اِنْ كَانَ قَمِيْصُهٗ قُدَّ مِنْ دُبُرٍ فَكَذَبَتْ وَ هُوَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ ۝ فَلَمَّا رَاٰ قَمِيْصَهٗ قُدَّ مِنْ دُبُرٍ قَالَ اِنَّهٗ مِنْ كَيْدِكُنَّ ؕ اِنَّ كَيْدَكُنَّ عَظِيْمٌ ۝ يُوْسُفُ اَعْرِضْ عَنْ هٰذَا ٚ وَاسْتَغْفِرِيْ لِذَنْۢبِكِ ۚۖ اِنَّكِ كُنْتِ مِنَ الْخٰطِـِٕيْنَ ۝ ﴾ [۱۲/ یوسف: ۲۶۔۲۹]

''یوسف علیہ السلام نے کہہ دیا کہ یہ عورت تو خود مجھے پھسلاتی رہی تھی اور عورت کے گھرانے کے ایک شاہد نے یہ بات کہی کہ اگر یوسف علیہ السلام کا کرتہ آگے سے پھٹا ہے تو عورت سچی اور وہ جھوٹا اور اگر یوسف علیہ السلام کا کرتہ پیچھے سے پھٹا ہے تو عورت جھوٹی اور یوسف علیہ السلام سچا۔ پھر جب عورت کے شوہر نے دیکھا کہ یوسف علیہ السلام کا کرتہ پیچھے سے پھٹا ہوا ہے تو اس نے عورت کو کہا کہ یہ بات تو تیری تریا چلتر کی تھی اور تریا چلتر تو بڑے ہوتے ہیں۔ اے یوسف علیہ السلام اس بہتان کا خیال نہ کر۔ اے عورت! تو اپنے گناہ کی بخشش مانگ تو تو اُن میں سے ہے جو جان بوجھ کر خطا کیا کرتے ہیں۔''

شہادت کے معنی

شَهِدَ : شہادت کے معنی اظہار حقیقت ہیں۔ گواہ کی گواہی کو بھی اسی لیے شہادت کہتے ہیں۔ اور فی سبیل اللہ جان دینے والوں کی موت کو بھی اسی لیے شہادت کہا جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿ شَهِدَ اللّٰهُ اَنَّهٗ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۙ وَ الْمَلٰٓىِٕكَةُ وَ اُولُوا الْعِلْمِ ﴾[۳/آل عمران:۱۸]

"یعنی اللہ کی، ملائکہ اور صاحبان علم کی شہادت یہی ہے کہ اللہ کے سوا اور کسی کو بھی استحقاق الوہیت حاصل نہیں۔"

شاہد یوسف علیہ السلام کے شیر خوار ہونے کی روایت

شَاهِدٌ: مفسرین میں اس گواہ کے متعلق اختلاف ہے۔ معالم التنزیل کی ایک روایت میں ہے کہ یہ گواہ ایک طفل شیر خوار تھا، لیکن اس روایت کی سند صاحب صحیحین کی روایت کے بھی خلاف ہے، کیونکہ معالم کی اس روایت میں بیان کیا گیا ہے کہ چار بچے بعہد شیر خوارگی بولے۔ مگر صحیحین میں ان کی تعداد تین بتلائی گئی ہے اور اُن تین میں اس شاہد یوسف کا ذکر نہیں۔ علامہ ابن کثیرؒ نے ائمہ سلف کے اقوال بیان کیے ہیں۔

عکرمہ عن ابن عباس	(کہتے ہیں ...... ڈھی والا شخص تھا)
ابن ابی ملیکہ عن ابن عباس	وہ ش ... ب تھا۔ ہر دو روایات کو ابن جریرؒ نے بھی بیان کیا ہے۔ (مطبوعہ میمنہ، مصر)
عوفی	وہ پنگھوڑے کا بچہ تھا۔
سدی و ابن اسحٰق	وہ پورا آدمی تھا۔
ابن اسلم و سدی	وہ عورت کا چچیرا بھائی تھا۔

جمع اقوال سے ظاہر ہو جاتا ہے کہ اس شاہد کو بچہ بتلانے میں صرف عوفی منفرد ہیں۔ اس لیے یہ روایت مرجوح ہے۔

شاہد یوسف علیہ السلام عورت کا حمایتی تھا، بار ثبوت الٹنا

ہم سمجھتے ہیں کہ یہ ایک ہوشیار شخص تھا اور اس نے جو طریق استدلال اختیار کیا، وہ صاف طور پر ظاہر کرتا ہے کہ یہ شخص بالکل عورت کی حمایت میں تھا۔ اگر ہم عورت کے اس بیان کو قانون مروجہ حال کی تحت میں لائیں تو یہ ایک استغاثہ اقدام زنا بالجبر ۳۷۶/۵۱۱ کا تھا اور استغاثہ کی صداقت خود مستغیثہ کے بیان اور حالت سے ہونی چاہیے تھی۔ عورت کے لباس اور جسم کو دیکھا جاتا، نشانات تشدد کی تلاش کی جاتی، لیکن رائے دہندہ چونکہ عورت کے

گھرانے کا تھا۔ اس لیے اس نے تحقیقات کا یہ اصلی پہلو اختیار ہی نہیں کیا، بلکہ عورت کے خالی خولی بیان ہی کو مان کر حضرت یوسف علیہ السلام پر صفائی کا بار ڈال دیا۔ وہ تو اللہ تعالیٰ نے اپنے برگزیدہ بندہ کی عفت و عصمت کو واضح ہی کر دینا تھا اور طلاء ناب نے آتش امتحان میں پڑ کر بھی طلاء ناب ہی رہنا تھا۔ ورنہ طریقہ تحقیقات خالی از تعصب ہرگز نہ تھا۔

دریافت اصلیت پر قرینہ سے استدلال

اب قانون کی دوسری بات سمجھو کہ اس شاہد نے دریافت اصلیت کے لیے ایک قرینہ کو اختیار کیا ہے اور اللہ تعالیٰ نے ہم کو یہی امر سکھلانے کے لیے اس کا ذکر فرمایا ہے کہ جب شہادت واقعہ موجود نہ ہو، تب قرائن کا استعمال کیا جا سکتا ہے اور فقدان شہادت اصلیہ کے وقت قرائن صحیحہ اور قیاسات قریبہ بھی شہادت کا کام دے جاتے ہیں۔

جن لوگوں نے عمر فاروق اور علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہم کے فیصلہ جات کو پڑھا ہے۔ جن لوگوں کی نظر قاضی کعب بن سور ازدی اور قاضی شریح بن الحارث کندی اور قاضی ایاس بن معاویہ مُزنی اور فقیہہ محمد بن عبدالرحمٰن بن ابی لیلیٰ کے فیصلہ جات تک پہنچی ہے۔ وہ جانتے ہیں کہ ائمہ اسلام نے کس عمدگی سے اس اصول کا استعمال کیا ہے اور وہ فراست صادقہ کی شمولیت سے حقیقت اصلیہ کا انکشاف کس عمدگی سے کیا کرتے تھے۔

﴿ اِنَّ كَيْدَكُنَّ عَظِيْمٌ ﴾ لوگ سب عورتوں کی مذمت بیان کرتے ہوئے اس آیت کو اکثر پڑھا کرتے ہیں، لیکن ان کو یاد رکھنا چاہیے کہ یہ ارشاد ربانی نہیں بلکہ شوہر زن کا قول ہے۔ یعنی ایک ایسے مرد کا قول ہے جو ایک طرف اپنی عزت کے خوف سے عورت کی بات کو دبانا بھی چاہتا ہے اور ایک طرف اس واقعہ سے ملول بھی ہے اور ایک طرف یوسف صدیق علیہ السلام سے محجوب بھی ہے۔ وہ اپنی عورت کو الزام دیتے ہوئے یہ نہیں سمجھتا کہ صرف قصوروار ہی کو ملزم ٹھہرانا چاہیے، بلکہ وہ کل جنس اناث ہی کو مطعون ٹھہرا دیتا ہے۔

قرآن مجید میں مرد و زن کے مدارج کی یکسانیت

واضح ہو کہ اللہ تعالیٰ نے اس شخص کی طرح منجانب خود کوئی ایسا لفظ نہیں فرمایا ہے۔ اللہ

تعالیٰ کی نگاہ میں کوئی مرد، مرد ہونے کی وجہ سے اور کوئی عورت، عورت ذات ہونے کی وجہ سے قابل عزت یا قابل نفرت نہیں۔ قرآن مجید نے تو ﴿اَلطَّيِّبَاتُ لِلطَّيِّبِيْنَ﴾ اور ﴿وَالطَّيِّبُوْنَ لِلطَّيِّبَاتِ﴾ فرما کر اس جوڑ کے ہر فرد کی بابت صراحت فرما دی ہے۔ جیسا کہ ﴿اَلْخَبِيْثَاتُ لِلْخَبِيْثِيْنَ﴾ اور ﴿وَالْخَبِيْثُوْنَ لِلْخَبِيْثَاتِ﴾ فرما کر شق دوم کو واضح کر دیا ہے۔

قرآن مجید میں باایمان عورتوں کی تعریف

قرآن مجید تو باایمان عورتوں کے فضائل کا ذکر باایمان مردوں کے دوش بدوش فرماتا ہے:

﴿اِنَّ الْمُسْلِمِيْنَ وَالْمُسْلِمَاتِ وَالْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنَاتِ وَالْقٰنِتِيْنَ وَالْقٰنِتٰتِ وَالصَّادِقِيْنَ وَالصَّادِقَاتِ وَالصَّابِرِيْنَ وَالصّٰبِرَاتِ وَالْخَاشِعِيْنَ وَالْخَاشِعَاتِ وَالْمُتَصَدِّقِيْنَ وَالْمُتَصَدِّقَاتِ وَالصَّآئِمِيْنَ وَالصَّآئِمَاتِ، وَالْحَافِظِيْنَ فُرُوْجَهُمْ وَالْحَافِظَاتِ وَالذَّاكِرِيْنَ اللّٰهَ كَثِيْرًا وَّ الذّٰكِرَاتِ اَعَدَّ اللّٰهُ لَهُمْ مَّغْفِرَةً وَّ اَجْرًا عَظِيْمًا﴾ [۳۳/الاحزاب:۳۵]

''مسلمان مردوں، مسلمان عورتوں، مومن مردوں، مومن عورتوں، عابد مردوں، عابد عورتوں، صادق مردوں، صادقہ عورتوں، صابر مرد، صابر عورتوں، خاشع مردوں، خاشع عورتوں، صدقہ دینے والے مردوں، صدقہ دینے والی عورتوں، روزہ دار مردوں اور روزہ دار عورتوں، اپنے ستر کی حفاظت کرنے والے مردوں اور عورتوں، اللہ تعالیٰ کا بہت ذکر کرنے والے مردوں اور عورتوں کے لیے اللہ نے مغفرت اور اجر عظیم مقرر کر رکھا ہے۔''

اس آیت پر غور کرو کہ کس طرح مسلم عورتیں ہر ایک صفت حسنہ و خلق کریمہ میں مسلم مردوں کی طرح موصوف بتلائی گئی ہیں اور پھر اُن کو برابر کے درجہ میں رکھ کر شایان مغفرت و اجر عظیم ٹھہرایا ہے اور ﴿فَالصّٰلِحٰتُ قٰنِتٰتٌ حٰفِظٰتٌ لِّلْغَيْبِ بِمَا حَفِظَ اللّٰهُ﴾ [۴/النساء:۳۴] ''نیک عورتیں تو فرمانبرداری کرنے والی اور جان و مال کی حفاظت حفظ الٰہی سے کرنے والی ہیں'' کہہ کر عورتوں کی تعریف اوصاف حمیدہ کے ساتھ فرمائی ہے۔

جھوٹے قصوں پر اعتماد کر کے عورت کی منزلت کم نہ کرو

پس کسی مسلم کو یہ لازم نہیں کہ عزیز مصر کے قول پر بھروسہ کر کے اپنی شریک زندگی (بیوی) پر خواہ مخواہ بدگمانی کرنے لگے۔ یا بہار دانش و الف لیلہ کے جھوٹے، گندے، فرضی قصوں کو صحیح سمجھ کر مومنہ، مسلمہ مستورات کے شرف کو فراموش کر بیٹھے یا نائیکا بھید وغیرہ ہندی کتابوں کو پڑھ کر اپنی فطرت سلیم کو خراب کرے اور عورت ذات پر بدگمانی کر کے بہن، بیٹی کی قدر و منزلت کو بھی کم کر بیٹھے۔

متقدمین عیسائیوں کے بہت سے ایسے اقوال ملتے ہیں۔ جن میں عورت کو شیطان کے برابر یا اس سے بھی بڑھ کر بتلایا گیا ہے۔ الحمد للہ اسلام کی تعلیم نے اب اُن کی آنکھ بھی کھول دی ہے اور وہ عورت کا احترام کرنے لگے ہیں۔

اب آیت بالا کے نفس مضمون پر آنا چاہیے۔

یوسف علیہ السلام کی برداشت

یوسف علیہ السلام کا حلم و برداشت دیکھو۔ جواب دہی کے لیے صرف اتنے ہی الفاظ کا استعمال کیا جو نہایت ضروری تھے۔

عورت کا رشتہ دار بھی عورت کو نہ بچا سکا

شوہر زن نے عورت کے رشتہ دار سے اس بارے میں مدد حاصل کی، مگر وہ بھی اپنی منطقی دلیل سے عورت کو نہ بچا سکا، حتیٰ کہ خود شوہر زن کی عورت کے مکر و فریب کا حال معلوم ہو گیا اور اسے یوسف علیہ السلام سے عفو و درگزر کی درخواست کرنی پڑی۔ دراصل یہ تقویٰ اور خشیت من اللہ کی فتح تھی۔ جو مکائد شیطانی اور اکاذیب نسوانی پر حاصل ہوئی تھی اور اس سے یہ اطمینان ہوتا ہے کہ جو لوگ پس پردہ گناہ سے بچتے ہیں۔ رب العالمین اُن کی حفاظت و نصرت علی رؤس الاشہاد فرماتا ہے اور جو ایسا نہیں کرتے، اُن کے لیے نتیجہ بالعکس ہوتا ہے۔

فصل

زنانِ مصر کی ملامت۔ امرأۃ العزیز کی غیرت

عورتوں کی دعوت، حسن کا کرشمہ، تقویٰ کی قوت۔

﴿ وَقَالَ نِسْوَةٌ فِي الْمَدِينَةِ امْرَأَةُ الْعَزِيزِ تُرَاوِدُ فَتٰهَا عَنْ نَّفْسِهٖ قَدْ شَغَفَهَا حُبًّا ۭ اِنَّا لَنَرٰىهَا فِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ۝﴾ [۱۲/ یوسف: ۳۰]

''شہر میں عورتوں نے چرچا کیا کہ عزیز کی عورت اپنے غلام کو پھسلایا کرتی ہے۔ غلام کی محبت اس کے دل میں جانشین ہو گئی ہے۔ ہم تو اسے صریح گمراہی میں سمجھتی ہیں۔''

نِسْوَةٌ: بکسر اول اور بضم اول ''جماعت زنان'' اس کا مفرد اسی کے لفظ سے نہیں آتا۔ مفرد اِمْرَأَةٌ ہے۔ امراۃ سے تثنیہ تو آتا ہے، مگر جمع نہیں آتی۔ جمع کے لیے نِسْوَةٌ یا نِسْوَانٌ یا نِسْئین آتے ہیں۔

بعض تفاسیر میں ہے کہ وہ فلاں فلاں عورتیں تھیں لیکن نہ تو کوئی معتبر روایت موجود ہے اور نہ اس کی کچھ ضرورت ہی ہے کہ وہ کون کون عورتیں تھیں۔

مَدِيْنَة: (مَدَنَ مُدُوْنًا) سے ہے۔ مدینہ ایسا شہر جہاں انسانوں کی بڑی آبادی ہو یا جہاں قلعہ بھی ہو۔

مدینۃ النبی۔ مدینہ منورہ۔ اگر مدینہ منورہ کی جانب نسبت ہو تو مدنی کہتے ہیں۔ اور اگر کسی اور شہر کی جانب ہو، تب مدینی بولتے ہیں۔

شَغَفَهَا: شغاف وسط قلب اور سویداء قلب، امراؤ القیس کا شعر ہے:

تقتلنی و قد شغفت فؤادها   کما شغف المهنوۃ الرجل الطالی[1]

فَتٰى: جوان، بہادر، تہذیبا، فتٰی غلام کو اور فتاۃ لونڈی کو کہتے ہیں۔ آیت میں غلام ہی مراد ہے۔

---

[1] وہ مجھے قتل کر رہی ہے حالانکہ میں اس کے دل کے اندر داخل ہو ہو کر لٹک گیا ہوں۔ جس طرح پاؤں کو باندھنے والا اونٹ کا [illegible] سے لٹک جاتا ہے۔

زنانِ مصر کے اعتراض کا منشا

آیت پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ عورتوں کا طعن یہ تھا کہ اتنی امیر ہو کر غلام پر کیوں مرتی ہے۔

اگر ان عورتوں میں نفسِ زنا کی برائی مسلمہ ہوتی تب اُن کی کلام میں اصل فعل بد یعنی محبت غیر کی برائی پر زور دیا جاتا۔

باایمان عورتوں کی بزرگی

یہ تو اللہ تعالیٰ نے باایمان عورتوں ہی میں شرم و حیا پیدا کی ہے کہ خواہ کوئی شخص اُن کے شوہر سے امارت میں بڑا ہو یا حسن و جمال میں بڑھا چڑھا ہو، مگر وہ اپنے شوہر کے سوا دوسرے شخص کو ایک آنکھ بھی دیکھنا پسند نہیں کرتی ہیں:

﴿ فَلَمَّا سَمِعَتْ بِمَكْرِهِنَّ اَرْسَلَتْ اِلَيْهِنَّ وَاَعْتَدَتْ لَهُنَّ مُتَّكَاً وَّ اٰتَتْ كُلَّ وَاحِدَةٍ مِّنْهُنَّ سِكِّيْنًا وَّ قَالَتِ اخْرُجْ عَلَيْهِنَّ ۚ فَلَمَّا رَاَيْنَهٗ اَكْبَرْنَهٗ وَ قَطَّعْنَ اَيْدِيَهُنَّ ۫ وَ قُلْنَ حَاشَ لِلّٰهِ مَا هٰذَا بَشَرًا ؕ اِنْ هٰذَا اِلَّا مَلَكٌ كَرِيْمٌ ۝ ﴾ [۱۲/یوسف:۳۱]

"جب عورت نے ان عورتوں کی چغلیاں سنیں، تب اُن کو بلایا اور سب کے لیے کھانے تیار کیے اور ہر ایک کے ہاتھ میں چھری دے دی اور حضرت یوسف علیہ السلام سے کہا کہ: تم ان عورتوں کے سامنے آؤ۔ جب عورتوں نے یوسف علیہ السلام کو دیکھا تو وہ دہشت کھا گئیں اور انہوں نے اپنے اپنے ہاتھ کاٹ لیے اور منہ سے بولیں۔ اللہ! اللہ! یہ تو بشر نہیں ہے یہ تو کوئی فرشتہ بڑے درجے کا ہے۔"

مَكْر: اصلیت کو الٹ پلٹ دینا۔ اخفا اور ضرر، دونوں میں مکر ہوتا ہے۔ یہاں غیبت کو مکر کہا ہے۔ غیبت کرنے والا بھی بری طرح سے بیان کرتا ہے۔

اَعْتَدَتْ: اِعْتِدَاد یا عَتَادَه سے ہے۔

مُتَّکَاً: عکرمہ'' کا قول ہے کہ اس لفظ میں وہ سب اشیاء خوردنی شامل ہیں، جو چھری سے کاٹ کر کھائی جاتی ہیں، ابن جریر نے ضحاک سے بھی یہی معنی روایت کیے ہیں۔

سِکِّیْن: چھری۔ مونث و مذکر دونوں طرح مستعمل ہے۔ مذکر اکثر۔

اَکْبَرْنَهٗ: مجاہد'' کا قول ہے کہ یوسف علیہ السلام کو دیکھ کر اُن پر رعب چھا گیا۔

حَاشَ لِلّٰهِ: اس کلمہ سے مطلب تنزیہ ہے۔

چھری کانٹے سے کھانے کا طریق

آج کل ہندوستانی لوگ انگریزوں کی وجہ سے چھری کانٹے سے کھانے کو خوب سمجھتے ہیں۔ چھری چلانے کے لیے دوسرے ہاتھ کے سہارے سے اس چیز کو جسے کاٹنا ہے دبانا ہوتا ہے اور کسی رعب یا دہشت یا عظمت کے اثر سے یہ بالکل قرین عقل و قیاس ہے کہ چھری سے دوسرے ہاتھوں کی انگلیاں زخمی ہو جائیں۔

آج کل بجائے انگلی کے کانٹے سے دباتے ہیں۔ ورنہ دوسرے ہاتھ کی انگلیوں پر چھری کا چل جانا بہت آسان ہے۔

حسن یوسفی

اس فقرہ سے یوسف علیہ السلام کے حسن و جلال کی بڑی تعریف نکلتی ہے۔ بائبل ۶/۴۰ پ میں ہے۔ ''یوسف علیہ السلام نور پیکر تھے۔'' شب معراج کی حدیث صحیح میں ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم فلک سوم سے گزرے۔ وہاں یوسف صدیق علیہ السلام تھے۔'' فَاِذَا هُوَ قَدْ اُعْطِیَ شَطْرُ الْحُسْنِ'' دیکھا کہ ان کو حسن کا بڑا حصہ ملا ہے۔

کیا ملک (فرشتہ) بشر سے افضل ہے

عورتوں نے اس جگہ نفی بشریت کر کے حضرت یوسف علیہ السلام کو فرشتہ بتایا ہے۔ اس سے واضح ہوا کہ ان کو کمالات بشر کا علم نہ تھا۔ انبیاء کا درجہ تو فرشتوں سے برتر ہے۔ حالانکہ وہ بشر ہیں: ﴿قُلْ اِنَّمَآ اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ یُوْحٰۤى اِلَیَّ﴾ [۱۸/الکھف:۱۰۰]

''کہہ دے میں تو ایک بشر ہوں، مجھ پر وحی آتی ہے۔''

﴿ قَالَتْ فَذٰلِكُنَّ الَّذِيْ لُمْتُنَّنِيْ فِيْهِ ؕ وَ لَقَدْ رَاوَدْتُّهٗ عَنْ نَّفْسِهٖ فَاسْتَعْصَمَ ؕ وَ لَئِنْ لَّمْ يَفْعَلْ مَاۤ اٰمُرُهٗ لَيُسْجَنَنَّ وَ لَيَكُوْنًا مِّنَ الصّٰغِرِيْنَ ○﴾ [۱۲/ یوسف:۳۲]

''عورت نے کہا یہ ہے وہ جس کی بابت تم مجھے ملامت دیتی تھیں۔ ہاں میں نے تو اسے ضرور پھسلایا اور کئی بار کوشش کی، مگر یہ بچتا ہی رہا اور اب اگر یہ وہ کام نہ کرے گا جس کا حکم میں اسے دوں گی، تب یہ جیل میں جائے گا اور خود اپنی عزت کو کھو بیٹھے گا۔''

صَاغِرِيْنَ: (صَغُرَ صَغَرًا صِغَارًا) سے ہے۔ صاغر وہ جو اپنی ذلت پر خود رضامند ہو جائے۔ (راغب)

امرأۃ العزیز کا اثر عورتوں پر

امرأۃ العزیز کا مقصد یہ تھا کہ عشق غلام کا جو طعن اسے دیا گیا ہے، اس کا ازالہ کرے، جب اس نے دیکھا کہ اس کا جادو چل گیا اور وہ عورتیں جس منہ سے یوسف علیہ السلام کو غلام غلام کہا کرتی تھیں۔ اسی منہ سے وہ اُن کو ملک کریم کہنے لگ گئیں۔

تب امرأۃ العزیز نے اُن کے سامنے راز دل کہہ سنایا:

رشک آیدم وگرنہ نقابت کشودمی دست ترا گرفتہ بنا صح نمودمی [1]

فَاسْتَعْصَمَ: اس کا مادہ عصم ہے۔ اصل لغت میں اس کے معنی امساک ہیں۔ عِصْمَتْ. بچاؤ۔ جو لوگ ﴿هَمَّتْ بِهٖ وَ هَمَّ بِهَا﴾ کی بحث میں فضول باتیں لکھا کرتے ہیں۔ وہ یہاں عورت کی شہادت کو سنیں جو اپنی راز دار سہیلیوں کے سامنے بیان کر رہی ہیں کہ یوسف علیہ السلام پر پھسلاوٹ کا ذرا بھی اثر نہ ہوا اور وہ بالکل بچے رہے۔

لَيُسْجَنَنَّ: کے لفظ پر غور کرو کہ یہ عورت محبت صدق کے مدارج سے کس قدر دور تھی وہ تو ایک ایسی عورت ہے جو گندے خیال میں ڈوبی ہوئی ہے۔ اس کے دل میں یوسف علیہ السلام جیسے معصوم کی کوئی قدر و منزلت نہیں۔ اس نے صاف کہہ دیا ہے کہ یا تو یوسف علیہ السلام اس کی

[1] مجھے رشک آ رہا ہے ورنہ میں تیرا نقاب کھینچ کر اتار دیتا اور تیرا ہاتھ پکڑ کر نصیحت کرنے والے کو جا دکھاتا۔

بات کو مانے یا وہ جیل میں جائے۔

نفسانی خواہش برف کی طرح ناپائدار ہوتی ہے

اس قول سے یہ سبق لینا چاہیے کہ جس چاہت اور پریت کی بنیاد نفسانی خواہش پر ہوتی ہے وہ برف کی طرح ناپائدار ہوتی ہے۔

یاد رکھو کہ تعلقات کی تہہ میں تین امور میں سے ایک ضرور ہوتا ہے۔

① جس محبت کی بنیاد مبنی بر لذت ہے وہ جلد قائم ہو جاتی اور جلد فانی ہو جاتی ہے۔

② جس محبت کی بنیاد مبنی بر نفع ہے وہ دیر میں قائم ہوتی اور جلد ضائع ہو جاتی ہے۔

③ جس محبت کی بنیاد ''خیر محض'' ہوتی ہے وہ جلد قائم ہوتی ہے اور نہایت مستحکم ہوتی ہے۔

اللہ تعالیٰ نے مومنین کی محبت ایمانی کے متعلق فرمایا ہے:

﴿ اَلْاَخِلَّاۗءُ يَوْمَىِٕذٍۢ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ اِلَّا الْمُتَّقِيْنَ۝﴾ [۴۳/الزخرف: ۶۷]

''قیامت کے روز سب دوست ایک دوسرے کے دشمن ہوں گے۔ سوا اُن کے جن کی محبتیں اللہ کے لیے ہیں۔''

فصل

معصیت و مصیبت کا مقابلہ

﴿ قَالَ رَبِّ السِّجْنُ اَحَبُّ اِلَیَّ مِمَّا یَدْعُوْنَنِیْٓ اِلَیْهِ ۚ وَ اِلَّا تَصْرِفْ عَنِّیْ كَیْدَهُنَّ اَصْبُ اِلَیْهِنَّ وَ اَكُنْ مِّنَ الْجٰهِلِیْنَ ۝﴾ [۱۲/ یوسف:۳۳]

''اے رب! مجھے زندان زیادہ پیارا ہے اس کام سے جدھر وہ بلاتی ہیں اور اگر تو اُن کے چلتروں کو مجھ سے دور نہ کرے گا تو میں ادھر مائل ہو جاؤں گا اور پھر جاہلوں میں ایک جاہل بن جاؤں گا۔''

اَلسِّجْن: حبس۔ زندان کو اس لیے سجن کہتے ہیں کہ اس کے اندر قیدیوں کو روک دیا جاتا اور اُن کی آزادی و آمد و رفت کو سلب کر لیا جاتا ہے۔

اَصْبُ: صَبْوَہ سے ہے، جس کے معنی میلان نفس ہیں۔ بادِ صبا کو اس لیے ''صبا'' کہتے ہیں کہ نفوس اس کے شائق ہوتے ہیں۔

معلوم ہوتا ہے کہ جب مہمان عورتوں نے اس میزبان عورت کا یہ ارادہ معلوم کر لیا کہ وہ حضرت صدیق علیہ السلام کو جیل تک بھیجنے میں دریغ نہ کرے گی تو اُن کو حضرت کے ساتھ ہمدردی پیدا ہوئی اور وہ بھی امراۃ العزیز کی ہم آہنگ اور دلالۂ شیطان بن گئیں۔

توجہ الی اللہ

اللہ کے مخلص بندہ نے اس سے نجات کی کوئی راہ نہ دیکھی تو جھٹ اللہ ہی کی جانب متوجہ ہو گئے۔ یہ سبق ہے مسلمانوں کے لیے کہ وہ بھی ہر مصیبت سے بچنے کے لیے بہترین تدبیر رجوع الی اللہ ہی کو سمجھا کریں۔

معصیت و مصیبت کا مقابلہ

دوسرا سبق آیت بالا میں یہ ہے کہ صدیق علیہ السلام نے معصیت اور مصیبت کا مقابلہ کر کے دکھلا دیا ہے اور بتلا دیا ہے کہ جب معصیت سے بچنے کے لیے اور کوئی راہ باقی نہ

رہے بجز اس کے کہ سخت مصیبت برداشت کی جائے۔ تب اہل ایمان کو لازم ہے کہ مصیبت کو کشادہ پیشانی اور طیب خاطر سے اختیار کر لے، مگر معصیت کو اختیار نہ کرے۔

لاحول ولاقوۃ کے معنی

تیسرا سبق اس آیت میں یہ ہے کہ بندہ کو یقین رکھنا چاہیے کہ نیکی کرنے کی طاقت اور بدی سے بچنے کی توفیق اللہ تعالیٰ ہی کی جانب سے ملتی ہے۔ ورنہ انسان بوجہ بشریت سخت کمزور ہے۔ یہی وہ اصول ہے جو لَا حَوْلَ وَ لَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ الْعَلِيِّ الْعَظِيْمِ میں سکھلایا گیا ہے۔ یہی وہ اصول ہے جو انسان کے شجر ایمان کی شادابی و سرسبزی کے لیے پانی کا درجہ رکھتا ہے۔

یوسف علیہ السلام کے قول پر غور کرنا لازم ہے

قرآن مجید سے اقتباس نور کرنے والوں کو حضرت یوسف علیہ السلام کے ان فقرات پر بار بار غور کرنا چاہیے کہ "اگر تو ان کی مکاریوں کو مجھ سے دور نہ رکھے گا۔ تو میں ادھر مائل ہو جاؤں گا۔" یہ الفاظ اس مستقیم الاحوال برگزیدۂ رب العالمین کے ہیں۔ جو سخت ترین امتحان میں پاک وصاف ثابت ہو چکا ہے۔ اب بھی وہ اسی عاجزی اور خشوع کے ساتھ اپنے مالک کے سامنے مستدعی ہیں۔ گویا اُن کو اپنی حالت پر ذرا اعتماد نہیں، ہاں گناہ سے بچنے کی یہی بہترین تدبیر ہے۔ کتابوں میں اور تجربہ میں ایسی بہت سی مثالیں پائی جاتی ہیں کہ ایک عالم یا عابد نے اپنے علم و عبادت یا زہد و ورع پر بھروسہ کیا اور حرام کی مبادیات سے بچنے میں احتیاط نہ کی، بالآخر وہ اس میں مبتلا ہو ہی گئے۔

مبادیات زنا بھی حرام ہیں

شریعت نے زنا کو حرام ٹھہرایا تو اس کی مبادیات کو بھی حرام ٹھہرایا۔ بیگانی عورت کو تا کنا جھانکنا، اس سے بلا ضرورت ہم کلام ہونا، یا لمبے سفر میں غیر محرم کو ساتھ رکھنا، یا ایک مکان میں شب باش ہونا وغیرہ وغیرہ جملہ امور کو، جو زنا کی طرف لے جانے والے ہیں شریعت نے حرام ٹھہرا دیا ہے اور یہ سب اس لیے کہ انسان زنا سے بچ سکے۔

پردہ ہر ایک متقی و بزرگ سے ضروری ہے

چوتھا سبق: اَصْبُ اِلَیْھِنَّ میں ہے۔ بعض لوگ کسی شخص کو بزرگ یا نیک سمجھ کر اس سے اپنی عورتوں کا پردہ ترک کرا دیتے ہیں اور اکثر ایسے بزرگ بھی اپنا حق تقویٰ یہی سمجھا کرتے ہیں کہ عورتیں ان سے پردہ نہ کیا کریں۔ ان سب کو اس لفظ پر غور کامل کرنا چاہیے کیونکہ خدا کے نبی و صدیق نے اس لفظ کی تہہ میں انسانیت کی کمزوری کو بخوبی آشکار کر دیا ہے۔

﴿ فَاسْتَجَابَ لَهُ رَبُّهُ فَصَرَفَ عَنْهُ كَيْدَهُنَّ اِنَّهُ هُوَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ ○﴾ [۱۲/ یوسف:۳۴]

''پروردگار نے اس کی درخواست کو قبول فرمالیا، پھر اُن عورتوں کے چلتروں کو یوسف سے دور کر دیا۔ ہاں وہی پروردگار ہے جو سب کی سنتا ہے اور سب کچھ جانتا ہے۔''

استجابتِ دُعا

اِسْتَجَابَ. جَابَ جَوْبًا سے ہے۔ استجاب، قبولیت دعا، حاجت کا پورا کر دینا واضح ہو کہ قبولیت دعا رب العالمین ہی کی شان ہے۔

الف: قبولیت دعا کے یہ معنی بھی ہیں کہ اسی شکل میں دعا قبول کر لی جائے جس شکل میں مانگی گئی ہے۔ قرآن مجید میں مندرجہ ذیل نظائر پر غور کرو:

① نوح علیہ السلام کی دعا تھی ﴿لَا تَذَرْ عَلَى الْاَرْضِ مِنَ الْكَافِرِينَ دَيَّارًا﴾ [۷۱/نوح:۲۶] ''اے خدا کافروں میں سے کسی کو باقی نہ چھوڑ۔'' طوفان آیا سب کافر غرق ہوئے۔''

② ابراہیم علیہ السلام کی مکہ میں بسنے والوں کے لیے دعا تھی ﴿ وَارْزُقْهُمْ مِنَ الثَّمَرَاتِ ﴾ [۱۴/ابراہیم:۳۷] ''ان کو بہت میوے کھلا۔'' جو لوگ مکہ معظمہ جاتے ہیں۔ وہ اپنی آنکھوں سے دیکھتے ہیں کہ زمین مکہ نا قابل زراعت ہے مگر تمام بازار ہر قسم کے میوہ جات سے بھرے ہوئے ہیں۔

③ ابراہیم علیہ السلام کی دعا تھی ﴿فَاجْعَلْ اَفْئِدَةً مِّنَ النَّاسِ تَهْوِیْٓ اِلَیْهِمْ﴾ [۱۴/ابراہیم:۳۷] ''لوگوں کے دلوں کو ان کی محبت دے'' چار ہزار سال سے برابر ہر ایک اہل ایمان زیارت کعبہ و بلد الامین کے لیے بے تاب رہتا ہے اور سال بسال لاکھوں اشخاص وہاں حاضر ہوتے رہتے ہیں۔

④ ابراہیم علیہ السلام کی دعا تھی ﴿وَابْعَثْ فِیْهِمْ رَسُوْلًا﴾ [۲/البقرۃ:۱۲۹] ''ان میں بڑی شان کا رسول پیدا کر۔'' یہ دعا ایک ہی رسول کے لیے تھی۔ تنکیر تعظیم کے لیے تھی۔ یعنی عظیم الشان رسول کے لیے، چنانچہ خاص مکہ میں اس ہزاروں سال کے عرصہ میں صرف ایک ہی رسول مبعوث ہوا جو اتنا بڑا عظیم الشان ہے کہ کلام الٰہی میں اس کا نام ﴿رَحْمَةً لِّلْعَالَمِیْنَ﴾ ہوا۔ فداہ ابی و امی. اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّ اٰلِ مُحَمَّدٍ كَمَا تُحِبُّ وَ تَرْضٰی.

⑤ ایوب علیہ السلام کئی سال تک امراض جسمانی میں مبتلا رہے۔ ﴿رَبِّ اَنِّیْ مَسَّنِیَ الضُّرُّ وَ اَنْتَ اَرْحَمُ الرّٰحِمِیْنَ ۝﴾ [۲۱/الانبیاء:۸۳] ''اے رب! مجھے مرض لگ گیا ہے اور تو سب سے بڑھ کر رحم والا ہے۔'' کہہ کر انہوں نے دعا مانگی اور جھٹ صحت کامل عطا فرمائی گئی۔

⑥ یونس علیہ السلام نے قعر بحر اور بطن حوت میں ﴿لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنْتَ سُبْحٰنَكَ اِنِّیْ كُنْتُ مِنَ الظّٰلِمِیْنَ ۝﴾ [۲۱/الانبیآء:۸۷] ''تیرے سوا کوئی معبود نہیں اور میں تو اپنے اوپر ظلم کرنے والوں میں سے ہوں۔'' کہہ کر دعا مانگی اور وہ زندہ ساحل پر پہنچائے گئے۔

⑦ موسیٰ علیہ السلام فرعون سے بھاگے اور مدین پہنچ کر انہوں نے ﴿رَبِّ اِنِّیْ لِمَآ اَنْزَلْتَ اِلَیَّ مِنْ خَیْرٍ فَقِیْرٌ ۝﴾ [۲۸/القصص:۲۴] ''اے رب جو چیز بہبودی کی تو میرے لیے نازل کرے میں اس کا محتاج ہوں۔'' کے الفاظ میں دعا مانگی۔ اللہ تعالیٰ نے اُن کو شعیب علیہ السلام کی صحبت میں پہنچا دیا۔ جہاں انہوں نے اپنی تربیت پائی، بیوی ملی اور بالآخر نبوت پر فائز ہوئے۔

⑧ زکریا علیہ السلام نے دعا کی ﴿هَبْ لِیْ مِنْ لَّدُنْكَ ذُرِّیَّةً طَیِّبَةً﴾ [۳/آل عمران:۳۸] ''اے رب! مجھے اپنے ہاں سے پاک نسل عطا کر۔''

اللہ تعالیٰ نے اُن کو یحییٰ علیہ السلام سے شاد کام فرمایا:

⑨ والدہ مریم علیہا السلام نے دعا کی تھی ﴿اِنِّیْ نَذَرْتُ مَا فِیْ بَطْنِیْ﴾ [۳/آل عمران:۳۵]

''اے رب! میں اپنے پیٹ کے بچہ کو تیری نذر کرتی ہوں۔'' اللہ تعالیٰ نے اُن کی مراد کو قبول فرمایا اور آئین اسرائیل کے خلاف دختر کو بھی بطور خادم بیت المقدس قبول کر لیا تھا۔

⑩ نبی ﷺ کی دعا تھی ﴿رَبِّ زِدْنِي عِلْمًا﴾[۲۰/طٰہٰ:۱۱۴] ''اے رب! مجھے علم میں بڑھا تا رہ۔'' اللہ تعالیٰ نے اس دعا کو قبول فرمایا اور وہ علوم و اسرار اور حقائق و معارف حضور پر منکشف فرمائے جو پہلے کسی کو نہ ملے تھے، حتیٰ کہ حضور ہی معلم عالم قرار پائے ﴿وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ﴾[۲/البقرۃ:۱۲۹] ''ہمارا نبی سب کو کتاب و حکمت کی تعلیم دیتا ہے۔''

اسی طرح مومنین کی دعاؤں کی قبولیت کی بابت اطلاع دی ﴿إِذْ تَسْتَغِيثُونَ رَبَّكُمْ فَاسْتَجَابَ لَكُمْ﴾ [۸/الانفال:۹] ''جب تم نے اللہ سے فریاد کی تو اس نے تمہاری فریاد کو قبول کیا۔''

مقبولیت دعا بصورت دیگر

(ب) بعض اوقات جب اس دعا کا اسی طرح قبول کیا جانا رب العالمین کے علم میں خود مانگنے والے کے حق میں ضرر رساں ہوتا ہے۔ تب اس کی شکل دوسری پلٹ دی جاتی ہے۔ الغرض دعا منظور ہو جاتی ہے ﴿فَصَرَفَ عَنْهُ كَيْدَهُنَّ﴾ کی تاثیر دیکھو کہ اس وقت سے بعد پھر کوئی اور واقعہ پیش نہ آیا کہ کوئی عورت حسن یوسفی پر والہ و شیدا ہوئی ہو اور یوسف علیہ السلام کو پھر کبھی معصیت میں پڑ جانے کا اندیشہ ہوا ہو۔ امراۃ العزیز بھی بھول گئی اور زنان مصر بھی اسے فراموش کر بیٹھیں۔

﴿سَمِيعٌ عَلِيمٌ﴾ اللہ تعالیٰ کے خاص اسما میں سے ہیں اور اس کی مرکب صورت میں کسی دوسرے پر ان کا اطلاق جائز ہی نہیں۔ جہمیہ و معتزلہ نے صفات باری تعالیٰ کے متعلق عجیب عجیب عقائد نکالے اور تاویلات بعیدہ سے مسلمانوں کو اللہ تعالیٰ کی اُن صفات عالیہ سے جو اسماء حسنیٰ سے ظاہر ہیں، دور کرنا چاہا لیکن اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ اہل ایمان اب بھی ان اسماء اور اُن کی صفات پر اسی طرح ایمان رکھتے ہیں، جس طرح اُن کو اللہ کے برگزیدہ رسول نے تعلیم دی تھی۔ سمیع و بصیر کے متعلق یہ کہنا کہ وہ سمیع بسمع یا بصیر به بصر ہے۔ اللہ تعالیٰ کی تنزیہہ کے خلاف ہے۔

عَلِیْم کے متعلق یہ بحث کہ احداث معلومات کے بعد تعلق علم ہوتا ہے بالکل جہالت ہے۔ اللہ تعالیٰ کا علم ماضی و حال و مستقبل پر حاوی ہے۔ معلومات میں خواہ گونا گوں تغیرات و تبدلات رونما ہوں مگر اس کے علم ازلی میں کوئی تغیر و تبدل واقع نہیں ہوتا۔

جہمیہ و اہل بدعت کا حال

جہمیہ وغیرہ اہل بدعت کا اعتقاد ہے کہ اللہ تعالیٰ کا علم مستقبل پر حاوی نہیں بلکہ جب کوئی شے وقوع میں آ جاتی ہے۔ تب اس کا علم اس سے متعلق ہو جاتا ہے۔ اگر یہ لوگ قرآن پاک سے نور وہدایت لیتے تو ہرگز اس ضلالت میں نہ پڑتے۔

قرآن مجید کی ان پیشگوئیوں پر نظر ڈالو۔ جن میں اظہار غیب فرمایا گیا اور واقعات آئندہ کو قطعی و حتمی الفاظ میں بیان کیا گیا ہے۔ کیا ایسا اخبار و اعلان ایسی ذات سے ہو سکتا ہے جسے مستقبل کا علم نہ ہو۔ سُبْحَانَ اللّٰهِ عَمَّا يَصِفُوْنَ۔

قرآن مجید کی پیشگوئیاں

قرآن پاک نے خبر دی کہ یہودیوں، بت پرستوں اور قریش کے متحدہ عساکر کو جو مدینہ پر حملہ آور ہو رہے ہیں، ان سب کو دم دبا کر بھاگنا پڑے گا ﴿سَيُهْزَمُ الْجَمْعُ وَ يُوَلُّوْنَ الدُّبُرَ﴾ [۵۴/القمر:۴۵] ''جمعیت کے سب لوگ ہزیمت پائیں گے اور پیٹھ پھیر کر بھاگیں گے۔'' چنانچہ ایسا ہوا۔

قرآن پاک میں ہے:

﴿وَعَدَكُمُ اللّٰهُ مَغَانِمَ كَثِيْرَةً تَأْخُذُوْنَهَا﴾ [۴۸/الفتح:۲۰]

''اللہ نے تم سے بڑے بڑے مقام کا وعدہ کیا۔ جن کو تم حاصل کرو گے۔''

چنانچہ انہی مومنین نے عراق و شام، فلسطین و مصر کو فتح کیا۔ جو نزول آیت کے وقت مخاطب کئے گئے تھے۔ کیا ایسے واقعات کی اطلاع دینا، جس کی تصدیق ایران اور روما، ایشیا، وافریقہ کی تواریخ سے بھی ہوتی ہے۔ علم مستقبل کے بغیر ممکن ہے؟

قرآن پاک میں تھا:

﴿وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ

فِی الۡاَرۡضِ کَمَا اسۡتَخۡلَفَ الَّذِیۡنَ مِنۡ قَبۡلِہِمۡ ۪ وَ لَیُمَکِّنَنَّ لَہُمۡ دِیۡنَہُمُ الَّذِی ارۡتَضٰی لَہُمۡ وَ لَیُبَدِّلَنَّہُمۡ مِّنۡۢ بَعۡدِ خَوۡفِہِمۡ اَمۡنًا یَعۡبُدُوۡنَنِیۡ لَا یُشۡرِکُوۡنَ بِیۡ شَیۡئًا﴾ [۲۴/النور:۵۵]

''وعدہ کیا اللہ نے اُن سے جو تم میں سے ایمان لے آئے ہیں اور عمل صالح کرتے ہیں کہ خدا ان کو خلیفہ بنائے گا ارض مقدس کا، جیسا کہ اس نے اُن سے پہلوں کو وہاں کا خلیفہ بنایا تھا اور یہ کہ خدا اُن کے دین کو، جسے خدا نے اُن کے لیے پسند کرلیا ہے۔ عزت و مکنت دے گا اور یہ کہ خدا اُن کے خوف کو امن کے ساتھ بدل دے گا۔ وہ خالص میری ہی عبادت کریں گے اور میرے ساتھ کسی کو شریک نہ بنائیں گے۔''

یہ وعدہ اسی زمانہ کے لوگوں میں سے جن کے سامنے قرآن اتر رہا تھا، اُن بزرگوں کے ساتھ پورا کیا گیا۔ جن کا ایمان اور عمل صالح میں افضل و برتر ہونا اہل عالم کے نزدیک مسلم ہے۔ جو اُن ممالک کے مالک بنے، جن پر موسیٰ و یوشع، داؤد و سلیمان علیہم السلام نے فتوحات حاصل کیں اور حکومت فرمائی تھی، جن کی کوشش سے اللہ کا پسند کردہ دین کابل سے لے کر قیروان تک اور ٹیونس سے لے کر خراسان تک پہنچ گیا تھا، جن کے عہد میں امن بسیط اور غلبہ ظاہر اور فتح مبین اور نصر عزیز...... مسلمانوں کی رکاب کے ساتھ ساتھ چلتی تھی، وہ جنہوں نے دنیا کو توحید کی تعلیم دی، وہ جنہوں نے مشرکوں کو مواحد ہونے کے درجہ تک پہنچایا۔

اللہ تعالیٰ کا علم ماضی و حال و مستقبل پر حاوی ہے

کیا اس قسم کے اعلانات یہ نہیں بتلا رہے ہیں کہ رب العالمین کا علم کامل مستقبل پر بھی ویسا ہی حاوی ہے جیسا کہ حال پر اور جیسا کہ ماضی پر۔

﴿ثُمَّ بَدَا لَہُمۡ مِّنۡۢ بَعۡدِ مَا رَاَوُا الۡاٰیٰتِ لَیَسۡجُنُنَّہٗ حَتّٰی حِیۡنٍ﴾ [۱۲/یوسف:۳۵]

''سچی نشانیوں کے دیکھ لینے کے بعد بھی، پھر ان کی رائے یہ ہوئی کہ یوسف علیہ السلام کو کچھ مدت کے لیے قید رکھیں۔''

ثُمَّ حرف عطف ہے ترتیب و تراخی پر دال ہے۔ ﴿وَ مَنۡ یَّخۡرُجۡ مِنۡۢ بَیۡتِہٖ

مُهَاجِرًا اِلَی اللّٰہِ وَ رَسُوْلِہٖ ثُمَّ یُدْرِکْہُ الْمَوْتُ﴾ [۴/النسآء:۱۰۰] ''جو کوئی شخص اپنے گھر سے اللہ اور رسول کی طرف جانے کے لیے نکل پڑا، پھر اسے راہ ہی میں موت آ گئی تو اسے ہجرت کا ثواب مل جاتا ہے۔'' ثُمَّ سے یہ ثابت ہوا کہ اس واقعہ سے کچھ عرصہ بعد ایسا کیا گیا۔

اہل دنیا کا جھوٹا غرور

بَـدَا کا اشارہ اہل دنیا کے اس جھوٹے غرور کی طرف ہے جو وہ خیالی عزت اور ناک رکھنے کے زعم میں سینکڑوں گناہ اور جرم کا ارتکاب کرنے میں ذرا تامل نہیں کیا کرتے۔

لَهُـمْ : میں عورت کا خاوند اور وہ رشتہ دار جسے بلفظ شاہد بیان کیا گیا ہے اور خود عورت داخل ہے۔ ضمیر مذکر بوجہ تغلیب لائی گئی ہے۔

اَلْاٰیَـاتُ : سے مراد یوسف علیہ السلام کی پاکیزگی طبع، معصومانہ حالت، کرتہ کی ہیئت، شاہد کا فیصلہ، شوہر کا عورت پر الزام، صدیق سے درگزشت کی درخواست ہے۔

الآیات، امارات، بے گناہی یوسف علیہ السلام

آیت سے ظاہر ہے کہ انہوں نے یوسف علیہ السلام کو سچا سمجھتے ہوئے پھر جیل بھیج دیا تھا۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ اس زمانہ میں امراءِ مصر کو کتنے ظالمانہ اختیارات حاصل تھے کہ بلا تعیین جرم اور بلا تعیین میعادِ قید اپنے زیر حکم اشخاص کو جیل میں بھیجنے کی طاقت رکھتے تھے۔

انبیائے کرام کے مصائب

اللہ اکبر......! انبیاء کرام کے مصائب کیسے کیسے سخت ہوتے ہیں۔ اُن کے منصب عالی کی شان تب ہی نمایاں ہوتی ہے کہ انہوں نے ان مصائب کو مرضاۃ الٰہی (رضائے الٰہی) کے لیے کیسی کشادہ پیشانی اور فراخ دلی سے برداشت کیا ہے۔

فصل

جیل کے قیدیوں کے خواب، تعبیر، توحید کا اظہار

توحید کی تبلیغ، شرک کے بطلان پر دلائل۔

﴿ وَ دَخَلَ مَعَهُ السِّجْنَ فَتَيٰنِ قَالَ اَحَدُهُمَآ اِنِّيْٓ اَرٰىنِيْٓ اَعْصِرُ خَمْرًا وَ قَالَ الْاٰخَرُ اِنِّيْٓ اَرٰىنِيْٓ اَحْمِلُ فَوْقَ رَاْسِيْ خُبْزًا تَاْكُلُ الطَّيْرُ مِنْهُ نَبِّئْنَا بِتَاْوِيْلِهٖ اِنَّا نَرٰىكَ مِنَ الْمُحْسِنِيْنَ ﴾ [۱۲/ یوسف:۳۶]

''یوسف علیہ السلام کے ساتھ دو اور غلام بھی جیل میں داخل ہوئے۔ اُن میں سے ایک نے کہا: میں نے خواب دیکھا کہ میں شراب نچوڑ رہا ہوں۔ دوسرے نے کہا: میں نے دیکھا کہ میں نے اپنے سر پر روٹیاں اٹھا رکھی ہیں، پرندے اُن میں سے کھا رہے ہیں۔ دونوں نے حضرت یوسف علیہ السلام سے کہا کہ ہم کو تعبیر بتایئے۔ ہم آپ کو نیکو کاروں میں سے سمجھتے ہیں۔''

خمر کے لغوی معنی

خَمْر: خَمَرَهٗ خَمْرًا ''اسے چھپا دیا'' انہی معنی میں ہے: لَا تَجِدُ الْمُؤْمِنَ اِلَّا فِيْ مَسْجِدٍ يَعْمُرُهٗ اَوْفِيْ بَيْتٍ يَخْمِرُهٗ اَوْفِيْ مَعِيْشَةٍ يُّدَبِّرُهَا اَخْمَرَ الشَّهَادَةَ. شہادت کو چھپا لیا گیا۔ (خمار) وہ اوڑھنی جس سے عورت سر چھپاتی ہے۔

خمر اور مے

خَـمْـرَ: لغت میں شراب انگوری کو بولتے ہیں، جس کا ترجمہ فارسی میں مے ہے۔

مَے: اصل لغت دری میں زہر کو کہتے ہیں۔

جمشید کے عہد کا قصہ، رواجِ شراب

جمشید شاہ ایران انگور کھانے کا عادی تھا۔ انگور آئے، رکھ کر بھول گئے، ہفتوں کے بعد یاد آئے۔ دیکھا تو وہ سڑ گئے تھے۔ جمشید نے کہا: یہ تو مے (زہر) بن گئے۔ ان کو زمین میں دبا دو، برتن سمیت دبا دیئے گئے۔ ایک لونڈی کو دردِ شقیقہ ہوا کرتا تھا، اسے درد کی تکلیف

ہوئی اور اس نے خودکشی کا ارادہ کیا، مے کو نکال لیا اور وہ عرق پی گئی۔ اسے نشہ ہو گیا۔ گانے بجانے لگی، اس تغیر حالت پر بہت استعجاب کیا گیا، جب لونڈی کا نشہ اتر گیا تب اس سے پوچھا گیا۔ اس نے مے کا قصہ سنا دیا۔ پھر تو شاہ کج کلاں بھی اسی پر جھک پڑے اور دنیا میں شراب خوری کے موجد ٹھہرے۔

جام جم کی حقیقت

ساغر پر سات خط لگائے گئے، اول درجہ کا شرابی وہ سمجھا جاتا تھا۔ جو سات خط تک خالص شراب پی جاتا۔ اس ساغر کو ''جام جم'' کہتے ہیں، اس کا نام ''جہاں نما'' اس لیے رکھا کہ مدہوش کو دنیا بھر کی کچھ خبر نہیں رہتی۔

خمر کے شرعی معنی، خمر کی برائی

زبان شرع میں ہر ایک نشلی شراب کو خمر کہتے ہیں۔ صحیحین کی حدیث ((عَنِ ابْنِ عُمَرَ ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ((كُلُّ مُسْكِرٍ خَمْرٌ وَكُلُّ مُسْكِرٍ حَرَامٌ)) [1]

''ہر ایک نشلی چیز خمر ہے۔ ہر ایک نشلی چیز حرام ہے۔'' سنن نسائی میں حضرت عثمان ذوالنورین رضی اللہ عنہ سے موقوفاً روایت ہے:

((اِجْتَنِبُوا الْخَمْرَ فَإِنَّهَا أُمُّ الْخَبَائِثِ))

''شراب سے بچو، وہ تو بدیوں اور پلیدیوں کی ماں ہے۔''

صحیح مسلم کی روایت میں ہے ((كُلُّ مَا أَسْكَرَ كَثِيرُهُ فَقَلِيلُهُ حَرَامٌ)) ''یعنی جس چیز کی بڑی مقدار نشہ لاتی ہو، اس کی تھوڑی مقدار بھی حرام ہے۔'' [2]

اسلام میں حرمت خمر

شراب اسلام میں ۳ھ کو حرام ہوئی۔ لوگوں نے حرمت کا حکم سنا تو شراب زمین پر بہا

[1] مسلم: کتاب الاشربۃ، باب بیان ان کل مسکر خمر، رقم ۵۲۱۹۔ ابوداؤد: کتاب الاشربۃ، باب ماجاء فی السکر، رقم ۳۶۷۹۔ ترمذی: ابواب الاشربۃ، باب فی ، اشارب الخمر، رقم ۱۸۶۱۔ ابن ماجہ: ابواب الاشربۃ، باب کل مسکر حرام، رقم ۳۳۹۰۔ [2] نسائی، کتاب الاشربۃ، باب تحریم کل اسکر کثیرہ، رقم: ۵۶۱۰۔ ترمذی: ابواب الاشربۃ، باب ما اسکر کثیرہ فقلیلہ حرام، رقم ۱۸۶۵۔ ابن ماجہ: ابواب الاشربۃ، باب اسکر کثیرہ فقلیلہ حرام، رقم ۳۳۹۲۔

دی، مٹیاں توڑ دیں، مدینہ کی گلیوں میں شراب بہہ نکلی، جو احسانات عظیم اسلام نے نوع انسان (مسلم و غیر مسلم) پر فرمائے ہیں۔ حرمت خمر کا حکم بھی یکے از انجملہ ہے۔ ورنہ پولوس جیسے بڑے بڑے لیڈروں کی تعلیم تو یہ رہی ہے کہ سادا پانی نہیں پینا چاہیے۔ اس میں تھوڑی سی شراب ضرور ملا لینی چاہیے۔

اَعْصِرُ خَمْرًا: سے مراد انگور ہیں اور انگور کو خمر بقاعدہ مایؤدل الیہ فرمایا ہے۔

مِنَ الْمُحْسِنِیْنَ: قیدیوں نے یوسف علیہ السلام کو احسان کنندہ بتلایا۔ اس کی ایک توجیہ یہ ہے کہ بائبل میں ہے کہ جیل کے داروغہ نے جیل کا سارا انتظام حضرت یوسف علیہ السلام پر چھوڑ دیا تھا، یہ ظاہر ہی ہے کہ اس انتظام میں سب قیدی پوری پوری آسودگی و آرام میں رہتے تھے۔

قیدیوں کے خواب

پہلی دفعہ ہے کہ یوسف علیہ السلام کے سامنے کوئی خواب تعبیر کے لیے پیش ہوتا ہے یہ پہلا موقعہ ہے کہ:

﴿ یُعَلِّمُکَ مِنْ تَأْوِیْلِ الْاَحَادِیْثِ ﴾ [۱۲/ یوسف:۶]

''خدا تجھے خوابوں کی تعبیر کا علم سکھلائے گا۔''

کی بشارت کا ظہور ہوا۔

فصل

زندان میں تبلیغ توحید، اشاعت اسلام، دعوت الی الحق

تبلیغ خاصانِ خدا کا شیوہ ہے

خاصان خدا کا یہ شیوہ ہے کہ وہ تبلیغ اور اشاعت اور دعوت اسلام سے نہیں چوکتے۔ جہاں کہیں اور جب کبھی اُن کو کسی ایک شخص کے سمجھانے کا بھی موقعہ مل جاتا ہے تو اس موقعہ کو ضائع نہیں جانے دیتے۔ یوسف علیہ السلام کی زندگی میں یہ وصف عالی جوہر آبدار کی طرح آشکار ہے اور یہ دوسرا موقعہ ہے کہ انہوں نے عین موقعہ پر زبان کو تبلیغ کے لیے کھولا۔

یوسف علیہ السلام کے دو وعظ

پہلا وہ موقعہ تھا، جب امراۃ العزیز نے ﴿هَيْتَ لَكَ﴾ "اپنے کام کے لیے بڑھو" جیسا ولولہ خیز جملہ کہہ کر ان کے جوش شباب کو بھڑکانا چاہا تھا اور یوسف صدیق علیہ السلام نے فوراً زنا کے خلاف تین زبردست براہین سے اس کا رد فرما دیا تھا۔

اب دوسرا موقعہ یہ ہے:

اللہ کے صدیق نے دیکھ لیا کہ (۱) قیدیوں کو اُن سے حسن ظن بھی ہو گیا ہے۔ (۲) اور تاویل الاحادیث کے متعلق ان کا کام خاص نبی اللہ ہی کے ہاتھ میں آ گیا ہے تو انہوں نے اس موقعہ کو تاڑ کر چاہا کہ اول فرض تبلیغ کو ادا فرمائیں۔

اس مقصد کو زیر نظر رکھ کر ناظرین آیات ذیل کی ترتیب پر پورا تدبر فرمائیں:

﴿قَالَ لَا يَأْتِيكُمَا طَعَامٌ تُرْزَقَانِهِ إِلَّا نَبَّأْتُكُمَا بِتَأْوِيلِهِ قَبْلَ أَنْ يَأْتِيَكُمَا﴾ [۱۲/ یوسف:۳۷]

"حضرت یوسف علیہ السلام نے کہا جو کھانا تمہیں ملا کرتا ہے اس کے آنے سے پہلے پہلے میں تم کو وہ تاویل بتا دوں گا جو تمہارے خوابوں کی آئندہ ہونے والی ہے۔"

لَا یَاْتِیْکُمَا کا تعلق طعام سے اور یَاْتِیْکُمَا کا تعلق تاویل سے ہے۔ ❶

تُرْزَقٰنِہٖ سے معلوم ہوتا ہے کہ اس عہد میں بھی قیدیوں کو سلطنت کی طرف سے کھانا ملا کرتا تھا۔

یوسف علیہ السلام کی تمہید کے فوائد

کھانا آنے سے پہلے پہلے بتلا دوں گا اور وقوع میں آنے سے پہلے بتلا دوں گا۔ یہ دو باتیں یوسف علیہ السلام نے اس لیے فرمائیں کہ وہ شوق صادق اور طلب صحیح کے ساتھ یوسف علیہ السلام کے پاس بیٹھے رہیں اور اس وعظ سے جو آگے آئے گا، ملول ہو کر یا طول وقت سے افسردہ ہو کر اٹھ کے نہ چلے جائیں۔

یہ وہ ضروری اصول ہے جو واعظین اسلام کو دوران وعظ میں ہمیشہ یاد رکھنا چاہیے کہ وعظ میں سامعین کی دلچسپی کا قائم رکھنا ضروری ہے۔

﴿ذٰلِکُمَا مِمَّا عَلَّمَنِیْ رَبِّیْ، اِنِّیْ تَرَکْتُ مِلَّةَ قَوْمٍ لَّا یُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰہِ وَھُمْ بِالْاٰخِرَةِ ھُمْ کٰفِرُوْنَ ○ وَاتَّبَعْتُ مِلَّةَ اٰبَآءِیْٓ اِبْرٰھِیْمَ وَ اِسْحٰقَ وَ یَعْقُوْبَ، مَا کَانَ لَنَآ اَنْ نُّشْرِکَ بِاللّٰہِ مِنْ شَیْءٍ، ذٰلِکَ مِنْ فَضْلِ اللّٰہِ عَلَیْنَا وَ عَلَی النَّاسِ وَلٰکِنَّ اَکْثَرَ النَّاسِ لَا یَشْکُرُوْنَ○﴾ [۱۲/ یوسف:۳۷۔۳۸]

''یہ تعبیر بھی ان علوم میں سے ہے جو میرے رب نے مجھے سکھلائے۔ میں نے تو ان لوگوں کا مذہب چھوڑ دیا ہے جو اللہ پر ایمان نہیں رکھتے اور یہی وہ لوگ ہیں جو آخرت کے منکر ہوتے ہیں۔ میں تو اپنے باپ دادا ابراہیم علیہ السلام واسحٰق علیہ السلام ویعقوب علیہ السلام کے مذہب پر چلا کرتا ہوں۔ ہم کو یہ شایاں نہیں کہ ذرا سا شرک بھی اللہ کے ساتھ کریں اور یہ وہ فضیلت ہے جو خدا نے سب انسانوں کو دی ہے مگر بہت لوگ ایسے ہیں جو اس فضیلت کے بھی شکر گزار نہیں۔''

❶ بتاویلہ قبل وقوعہ ابن کثیر: ص۲۰۲۔

مِمَّا عَلَّمَنِي: فرما کر یوسف علیہ السلام نے رفع دخل فرما دیا کہ کوئی شخص یہ نہ سمجھ جائے کہ زمان مستقبل کی خبر بتلانا کسی انسان کی اپنی صفت ہوسکتی ہے۔ صاف سمجھا دیا کہ تعبیر اللہ نے مجھے بتلا دی، میں تم کو بتا دوں گا۔

تَرَكْتُ: پہلے ترک کا ذکر کیا کیونکہ جب تک کوئی شخص کفر و شرک کو ترک نہ کرے گا، تب تک توحید خالص کی دولت حاصل نہ کر سکے گا۔

کلمہ ''لَا اِلٰـهَ اِلَّا اللّٰـه'' میں بھی یہی راز ہے کہ اول جملہ ماسوائے کو تیغ لا کے ساتھ قطع کردے۔ تب گنجینہ اِلَّا اللّٰه تک رسائی ہوسکتی ہے۔

وَ هُمْ بِالْاٰخِرَةِ اس آیت میں بتلایا گیا ہے کہ ایمان بر قیامت بھی ایمان باللہ کی فرع ہے۔ منکر قیامت وہی ہوگا جو منکر خدا ہے۔

وَاتَّبَعْتُ: یوسف صدیق علیہ السلام نے اپنے مذہب کا بیان کرتے ہوئے انبیا کے مذہب کا حوالہ دیا کہ اقرار توحید کے ساتھ شہادت نبوت بھی ضروری ہے، ورنہ ایمان مکمل نہیں ہوتا۔

لفظ ملت کا عام و خاص استعمال

مِلَّتْ: طریقہ، شریعت، راہ روش۔ قرآن میں اس لفظ کا اطلاق صرف سنت انبیا علیہم السلام کے لیے ہوا ہے۔ بعد میں اس لفظ کا استعمال عام ہوگیا۔ (اَلْكُفْرُ مِلَّةٌ وَاحِدَةٌ.)

اِبْـرَاهِيْم: ماں باپ نے حضور کا نام ابرام رکھا تھا۔ ابراھیم الہامی نام ہے اور اس کا ترجمہ اَبِ رَحِيْم (پدر مہربان) ہے۔

ابراہیم علیہ السلام کا ذکر

۲۰۰۱ قبل مسیح میں پیدا ہوئے۔ ۱۷۵ سال کی عمر پائی۔

مجاہد، مہاجر، بانی کعبہ، معاہد باللہ

(۱) آپ مہاجر بھی ہیں، بابل سے فلسطین کی طرف ہجرت کی۔

(۲) آپ مجاہد و غازی بھی ہیں، آپ نے کدلاعمر اور اس کے تین اتحادیوں سے جنگ کی اور ان کو شکست دی۔ مال غنیمت حاصل کیا۔

(۳) آپ بانی کعبہ ہیں۔ (۴) آپ سب سے پہلے مختون ہیں، جن کے ساتھ اللہ نے ختنہ کو علامت عہد قرار دے کر معاہدہ کیا۔ (۵) آپ مناظر بھی ہیں۔ جنہوں نے بادشاہ وقت سے اثبات توحید کے مسئلہ پر بحث کی۔ (٦) آپ ہی نے مناسک حج قائم کیے۔ (۷) آپ ہی نے فرزند کو راہ حق میں ذبح کے لیے چھری کے نیچے لٹایا۔ (۸) آپ کے القاب میں سے ''عمود عالم'' اور ''آدم سوم'' ہیں۔

اسحٰق علیہ السلام کا حال، اسم اسحٰق کے معنی

وَ اِسْحٰقَ: اس کا لفظی ترجمہ ''ضاحک'' ہے۔ ابراہیم علیہ السلام ایک سو سال کے تھے، جب حضرت اسحٰق پیدا ہوئے۔ ۴۰ سال کی عمر میں شادی کی۔ شادی سے ۲۰ سال بعد یعقوب اور یعصو دو توام بچے پیدا ہوئے۔ ۱۸۰ سال کی عمر پائی۔ خاموش، امن پسند، متورع، مستغرق الاوقات تھے۔ فلسطین میں آباد رہے اور باپ کے پہلو میں مدفون ہوئے۔

اسم یعقوب کے معنی

وَ یَعْقُوْب: لفظی ترجمہ ''بعد میں آنے والا'' ہے۔ یہ اپنے بڑے بھائی کے بعد پیدا ہوئے تھے۔ اس لیے ان کا نام یعقوب (یا) عاقب رکھا۔

یعقوب علیہ السلام کا مختصر حال

حضرت اسحٰق علیہ السلام کی عمر ٦۰ سال کی تھی جب یہ پیدا ہوئے۔ ماموں کے گھر بیاہے گئے۔ وہاں بیس سال رہے، پھر وطن کو لوٹ آئے، پھر عہد یوسفی میں مصر گئے، وہاں ۱۷ سال رہے۔ ۱۴۷ سال کی عمر میں مصر میں وفات پائی۔ وہاں سے میت کنعان لائی گئی۔ یوسف علیہ السلام تدفین لاش کے بعد پھر مصر واپس ہوئے۔ ۲۳ سال تک فراق یوسف کا رنج برداشت کیا۔ بعد از فراق ۱۷ سال مصر میں اکٹھے رہے۔ بارہ مشہور بیٹوں کے باپ ہیں۔ ان کا لقب اسرائیل ہے۔ انہی کی اولاد بنی اسرائیل کہلائی۔ وہ اسباط بھی کہلاتے ہیں۔

شرک کی اجازت کسی کو بھی نہیں

﴿مَا كَانَ لَنَآ اَنْ نُّشْرِكَ بِاللّٰهِ﴾ [۱۲/ یوسف:۳۸] رد شرک میں نہایت

زبردست فقرہ ہے۔ یوسف علیہ السلام بتلاتے ہیں کہ خواہ کوئی شخص کتنا ہی بزرگ اور عالی منصب ہو جائے۔شرک کی اجازت اسے بھی کبھی نہیں ملتی۔اب اگر کوئی شخص اپنی بزرگی و عرفان کے زعم میں آ کر اپنے آپ کو عین ذات سمجھنے لگے یا خود کو رب القدوس کا فرزند، یا جز ویا صفات توحید وتفرید کا مماثل ٹھہرائے تو وہ اس آیت کی رو سے شرک کرتا ہے۔

۱۸ انبیا کا ذکر

اللہ تعالیٰ نے سورۂ انعام رکوع نمبر۱۰ میں ۱۸ نبیوں کے نام بنام مدح وتوصیف فرما کر یہ بھی فرمادیا:

﴿ وَلَوْ اَشْرَكُوْا لَحَبِطَ عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ۝﴾[٦/الانعام:٨٨]

”اگر یہ بھی شرک کرتے تو ان کے اچھے اعمال بھی برباد ہو جاتے۔“

شرک منافی انسانیت ہے

یہاں شرک کے رد میں یہ فرمایا ہے کہ شرک کرنا فضیلت انسانیت کے منافی ہے۔رد شرک میں یہ عجیب دلیل ہے۔

مشرکین کن کن چیزوں کے ساتھ شرک کرتے ہیں

مشرک لوگ عموماً درختوں، پتھروں، درند، چرند، کتا، بلی، تیتر وغیرہ کی عظمت کیا کرتے، حیوانات کی حرکتوں یا آوازوں سے نیک و بد کی فال لیا کرتے ہیں، مادی چیزوں کو سجدے کیا کرتے، ان کی منتیں مانا کرتے ہیں۔یہی حال لوگوں کا قبور اور تماثیل کے ساتھ ہے۔اگر انسان ذرا غور کرے اور سمجھ لے کہ اللہ تعالیٰ نے اُس کا درجہ بحیثیت انسانیت جملہ مادیات ارضی وسماوی سے برتر واعلیٰ بنایا ہے تو وہ کبھی اپنے شرف انسانیت کو اس ذلت کے ساتھ تبدیل نہ کرے اور بجز اپنے خالق ورازق مالک ومولیٰ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ کے اور کسی کے لیے ایسی تعظیمات بجانہ لائے۔

عبادت اصنام، عبادت خاک وآتش، عبادتِ کواکب، عبادت قبور، عبادت نفس، عبادت ہوا وہوس سب کے سب شرک ہیں۔

شرک کسے کہتے ہیں؟

اب اس قدر بتلانا رہ گیا ہے کہ شرک کسے کہتے ہیں؟ قرآن حمید اور احادیث پاک و ائمہ امت کی مستند کتابوں میں جملہ اقسام شرک پر نہایت مفید مباحث موجود ہیں۔ ہم اس جگہ صرف مناسبت مقام سے اس سوال کا مختصر جواب لکھنے پر اکتفا کرتے ہیں۔

شرک کی دو بڑی قسمیں

(۱) اگر کوئی شخص کسی بندہ یا کسی چیز میں اللہ تعالیٰ کی کسی صفت کا پایا جانا ثابت کرتا یا ایسی صفت کی موجودگی اس شخص یا چیز کے اندر ہونا اعتقاد رکھتا ہے، تو وہ شرک ہے۔

(۲) اگر کوئی شخص مخلوق کی صفات میں سے کسی صفت کا اللہ تعالیٰ کے اندر ہونا بتلاتا یا اعتقاد رکھتا ہے، تب وہ شرک کرتا ہے۔

قسم دوم کی مثال مسیح اور کرشن کی نسبت اعتقاد رکھنے والوں میں پائی جاتی ہے۔ عیسائی اور ہندو اُن کو خدا اور ایشور مانتے ہیں۔

قسم اول کی مثال میں بہت زیادہ لوگ آلودہ ہیں۔ ہزاروں اشخاص ایسے ہیں جو اپنے اپنے مسلمہ بزرگوں کو سمع و بصر، علم و قدرت میں اللہ تعالیٰ کا مساوی خیال کیا کرتے، تصرف و اقتدار میں رب العالمین کا سہیم جانتے ہیں اور اس کے ثبوت میں ہزاروں بے اصل کہانیاں بنا رکھی ہیں۔ یہ شرک ادیان باطلہ میں زوروں پر ہے اور ہم کو نہایت شرم و افسوس سے تسلیم کرنا پڑتا ہے کہ ہندوستان کے مسلمانوں میں بھی یہ کثرت سے پایا جاتا ہے۔ ان لوگوں کے نزدیک اولیائے خدا کا معتقد کوئی شخص تب ہی ہو سکتا ہے۔ جب ان بندگان خدا کو خدائی طاقتوں کا مالک یا حصہ دار بھی تسلیم کر لے۔

قرآن مجید پر عام تدبر

یہ خرابی صرف اس لیے ہے کہ لوگ قرآن حمید کو نہیں دیکھتے، نہیں سمجھتے، اگر ساری عمر میں کوئی شخص قرآن پاک کا اردو ترجمہ بھی غور و تدبر سے پڑھ لے تو کبھی نجاست شرک میں آلودہ نہ رہے۔

یا د رکھو کہ کلام اللہ ہی انسان کو اللہ تعالیٰ کا عرفان عطا کر سکتا ہے۔

اب ہم پھر تفسیر کی طرف آتے ہیں۔

اسلوب کلام

ان آیات میں اسلوب کلام کو دیکھو کہ کس قدر عالی ہے۔ بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ یوسف علیہ السلام قیدیوں کے سامنے (جو بانتظار تعبیران کے پاس بیٹھے ہوئے ہیں) اپنا احوال سنا رہے ہیں۔ مگر اسی اسلوب میں وہ توحید، نبوت، رد شرک اور وحی کے مسائل کو بیان فرما گئے۔ اس اسلوب کلام پر ہمارے زمانہ کے داعیین الی اللہ کو جو تبلیغ اسلام اور وعظ کا مبارک کام کر رہے ہیں۔ پورا پورا غور کرنا چاہیے۔

﴿ یٰصَاحِبَیِ السِّجۡنِ ءَاَرۡبَابٌ مُّتَفَرِّقُوۡنَ خَیۡرٌ اَمِ اللّٰهُ الۡوَاحِدُ الۡقَهَّارُ﴾ [۱۲/ یوسف:۳۹]

"اے زندان کے ساتھیو! کیا متفرق کئی ایک پروردگار بہتر ہیں؟ یا اللہ جو یگانہ اور سب پر حکمران ہے۔"

یٰصَاحِبَیِ السِّجۡنِ: صدیق علیہ السلام نے ان قیدیوں کو اپنی ذات کی جانب مضاف نہیں کیا، بلکہ سجن کی طرف کیا۔ تاکہ معلوم ہو جائے کہ ان قیدیوں کا تعلق نبی اللہ کے ساتھ ایمانی نہ تھا، صرف بندش زندانی کا تعلق تھا۔ اگر یہ لوگ ایمان لائے ہوئے ہوتے، تو صرف صاحبی فرماتے اور ایسا فرمانا اُن کے لیے موجب صد افتخار و عزت ہوتا۔ یہ شرف کلام الٰہی میں ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ہی کے لیے خاص ہے اور کوئی دوسرا اس شرف میں شامل نہیں۔ انہی کی شان میں ہے: ﴿اِذۡ یَقُوۡلُ لِصَاحِبِهٖ﴾ "جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم اپنے صاحب سے کہہ رہے تھے"

اَرۡبَاب: رب کی جمع ہے۔ سورۂ یوسف پر غور کرنے سے معلوم ہو جاتا ہے کہ اس زمانہ میں ہر ایک نوکر یا غلام اپنے آقا کو رب کہہ کر بلایا کرتا تھا۔ [1]

---

[1] ڈیرہ اسمٰعیل خان میں افغانوں کا ایک قبیلہ ہے، اس کا ہر فرد ارباب کہلاتا ہے۔ دوست آشنا اسے اسی طرح بلاتے ہیں۔ یعنی نام سے پہلے بجائے خان صاحب، شیخ صاحب، مسٹر وغیرہ کے ارباب فلاں کہتے ہیں۔ اسے ترک کرنا چاہیے۔

اہل شرک نے کس کس کو رب بنا رکھا ہے

جیسا کہ اب بھی ہندو ایران میں ہزاروں شرک آلودہ لوگ اپنے اپنے افسر کو خداوند یا خدایگان کہا کرتے ہیں۔ یا پنجابی والے ہر ایک افسر کو ان داتا (رزق دہندہ) بولا کرتے ہیں۔ اس عادت کو لوگوں نے مذہب میں داخل کر لیا ہے۔

کسی نے وشنو، کسی نے برہما، کسی نے مہادیو، کسی نے ابوالہول، کسی نے تیان چینی، کسی نے غول بیابانی، کسی نے عارف عراقی، کسی نے سلطان الہند، کسی نے ابدال شامی، کسی نے اوتاد مصری، کو غرض مختلف ملکوں میں ہر شخص نے اپنے اپنے تعلق و محبت اور اپنے اپنے میلان طبعی کی مناسبت سے جملہ اختیارات خدائی کسی نہ کسی مخلوق کو ضرور دے رکھے ہیں۔ انہی کو آیت میں ﴿ اَرۡبَابٌ مُّتَفَرِّقُوۡنَ ﴾ فرمایا گیا ہے۔

واحــد وہی ہے جو مالک وحدت ہے۔ جس کی توحید عین ایمان ہے۔ جب کوئی شخص بہ نگاہ عبرت و بصیرت جملہ کارگاہ عالم کی حقیقت معلوم کرے گا، تو اسے معلوم ہو جائے گا کہ جملہ اشیا کا وجود دو چیزوں کے التصاق کا نتیجہ ہے، (آدم علیہ السلام بھی اسی کلیہ میں شامل ہیں۔ جن کی خلقت ماء و طین سے ہوئی) پس واحد حقیقی رب العالمین ہی ہے اور اسی لیے ﴿لَمۡ یَلِدۡ وَ لَمۡ یُوۡلَدۡ ۙ﴾ [۱۱۲/ الاخلاص:۳] ہونا اس کا لازم ہے۔ اس مقام کے دقیق مباحث کو یہاں ترک کر دیا جاتا ہے اس قدر یاد رکھنا چاہیے کہ فلاسفروں کا مشہور مقولہ بالکل غلط ہے کہ الواحد لا یصدر عنه الا الواحد.

قھّـار: قہر کے معنی غلبہ ہیں اور قاہر اللہ تعالیٰ کے اسماء حسنیٰ میں سے ہے: ﴿وَ ھُوَ الۡقَاھِرُ فَوۡقَ عِبَادِہٖ ؕ﴾ [۶/ الانعام:۱۸] "وہ اپنے سب بندوں پر غالب ہے" قہار اسی کا مبالغہ ہے۔ یعنی وہ پاک ہستی، جس کا قبضۂ تام اور غلبۂ کامل جملہ مخلوقات پر ہے۔

منقسم خدائی کے حصہ دار، بہتر یا خدائے یگانہ و توانا و قہار

اس آیت میں یوسف علیہ السلام نے مخاطبین کے فہم و دانش کے سامنے ایک صاف بات کو رکھ دیا ہے۔ وہ خود ہی سوچ کر بتلا دیں کہ منقسم خدائی کے حصہ دار بہتر یا یگانہ و توانا معبود جو

سب پر غالب، سب سے برتر ہے۔ بہتر ہے؟ لوگو! تم نے اپنی اپنی پسند کے موافق اپنے بزرگوں کو خدائی اختیار تو دیئے ہوئے ہیں۔ لیکن یہ غنیمت ہے کہ خدا میں ان طاقتوں کے ہونے کا انکار تم کو بھی نہیں اور اندریں صورت بتلاؤ کہ پھر اُن کی ضرورت ہی کیا رہ جاتی ہے۔

بطلان شرک کی ایک اور آیت

قرآن میں ایک دوسرے مقام پر ہے ﴿لَوْ كَانَ فِيهِمَآ اٰلِهَةٌ اِلَّا اللّٰهُ لَفَسَدَتَا﴾ [۲۱/الانبیاء:۲۲] ''اگر آسمان وزمین میں خدا کے سوا کوئی اور بھی معبود ہوتے۔تب زمین وآسمان برباد ہو گئے ہوتے۔'' یہ دلیل بھی بڑی زبردست ہے، لیکن آیت زیر بحث میں دلیل کو ایک نئے ہی اسلوب بدیع سے بیان فرمایا گیا ہے اور یہ شان کلام رحمٰن ہی کی ہے کہ اسالیب مختلفہ اور الفاظ متنوعہ میں معارف عالیہ کو ایسے انداز، ایسے پیرایہ سے بیان کیا جائے کہ ہر ایک کی شان میں نئے نئے محاسن نظر آتے ہوں۔

﴿مَا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖٓ اِلَّآ اَسْمَآءً سَمَّيْتُمُوْهَآ اَنْتُمْ وَ اٰبَآؤُكُمْ مَّآ اَنْزَلَ اللّٰهُ بِهَا مِنْ سُلْطٰنٍ﴾ [۱۲/یوسف:۴۰]

''اللہ کے سوا تم جن جن چیزوں کی پوجا کرتے ہو، وہ تو خالی نام ہی نام ہیں۔ جو تم نے یا تمہارے باپ دادا نے رکھ لیے ہیں۔ اللہ نے تو ان کی بابت کوئی سند نہیں اتاری۔''

سُلْطٰنٍ: اصل مادہ سلط ہے۔ جس کے معنی طاقت وقدرت ہیں۔ سلیط مرد زبان آور (یہ صفت ہے) یا زن زبان دراز، (یہ ذم ہے) سلطان: کسی کا دائرۂ اثر۔ حدیث میں ہے ((لَا يُؤَمَّنَّ الرَّجُلُ الرَّجُلَ فِيْ سُلْطَانِهِ)) (کسی امام کے دائرہ اثر میں جا کر دوسرے کو امامت نہیں کرانی چاہیے)

لفظ سلطان کے معنی

سلطان بمعنی دلیل، وحجت، یہی مراد ہے۔

سلطان: صاحب حکومت، حدیث میں ہے۔ ((تُصِيبُ أُمَّتِي مِنْ سُلْطَانِهِمْ

شَدَائِدُ لَا يَنْجُوْ مِنْهُ)) پہلا شخص جو تاریخ میں سلطان کے نام سے موسوم ہوا، وہ محمود بن سبکتگین ہے۔

فرضی ناموں کے دیوتا

اس فقرہ میں یوسف علیہ السلام نے ان باطل معبودوں کو جو اس وقت مصر میں پوجے جاتے تھے، بیخ کنی فرمائی اور بتلا دیا کہ یہ دیوتا اور دیویاں فرضی نام ہیں۔ دنیا میں کوئی مسمی ان کا نہ تھا۔

یہی حال کل دنیا کا ہے۔ کسی درخت یا پتھر یا پہاڑ کی چوٹی یا غار کی گہرائی یا چشمہ یا دریا پر، کسی دیوتا، کسی ٹھاکر، کسی جن، کسی عامل، کسی بزرگ کا نام رکھ دیتے ہیں اور پوجا شروع کر دیتے ہیں۔ فرضی قبریں بنائی جاتی ہیں اور کسی بزرگ سے منسوب کر دیتے ہیں۔ ﴿مَا اَنْزَلَ اللّٰهُ بِهَا مِنْ سُلْطٰنٍ﴾ نے بتلا دیا کہ اثبات شرک کے متعلق کوئی دلیل عقلی یا نقلی مل ہی نہیں سکتی۔ اب جو کوئی جواز شرک کے مسئلہ پر خدا پرستوں کے ساتھ بحث کرے گا۔ وہ اپنے ہی ناقص فہم یا شیطانی الہام سے بات کرے گا۔ خدا نے تو جواز شرک کی کوئی دلیل پیدا ہی نہیں کی۔

حکم دینے کی شان صرف اللہ ہی کی ہے

﴿اِنِ الْحُكْمُ اِلَّا لِلّٰهِ﴾ [۱۲/ یوسف:۶۷] "حکم تو صرف اللہ تعالیٰ ہی کا ہے"

یہ فقرہ پہلے فقرہ کو مضبوط بناتا ہے اور دلیل کو قوی کرتا ہے۔ شرک کرنے والے اکثر اسی امید، اسی گمان فاسد پر غیر اللہ کی پوجا نذر و نیاز کیا کرتے، اُن کو پکارا کرتے، ان کو حاجت روا و مشکل کشا سمجھا کرتے ہیں کہ ان کے مقاصد کو پورا کر دیں گے، اُن کی مشکلات کو کھول دیں گے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ یہ گمان اس وقت صحیح ہو سکتا تھا، جب کسی کے ہاتھ میں کچھ اختیار بھی ہوتا۔ کوئی شخص کوئی حکم دینے کا مجاز بھی ہوتا، لیکن حقیقت تو یہ ہے کہ حکم دینے کی طاقت تو صرف اللہ تعالیٰ ہی کو حاصل ہے۔

نماز میں اقرار، بعد میں انکار......!

﴿اَمَرَ اَلَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّآ اِيَّاهُ﴾ [۱۲/ یوسف:۴۰]

''اللہ نے حکم دیا ہے کہ اور کسی کی عبادت نہ کرو صرف اللہ ہی کی عبادت کرو۔''

پہلی آیت میں بتلایا تھا کہ حکم دینے کی شان صرف مالک انس و جان کی ہے۔ اب اپنا حکم بھی بتلا دیا اور وہ یہ ہے کہ عبادت صرف اللہ کی کرو، دوسرے کی عبادت نہ کرو۔ سورۂ فاتحہ میں بھی جسے ہر ایک نمازی دن میں چالیس بار ضرور پڑھ لیتا ہے، یہی سکھلایا گیا ہے اور ہر ایک بندہ خدا کے حضور میں اسی اقرار کے ساتھ حاضر ہوتا ہے:

﴿ اِیَّاکَ نَعْبُدُ وَ اِیَّاکَ نَسْتَعِیْنُ ۝﴾ [۱/الفاتحہ:۴]

''ہم تو خاص تیری ہی عبادت کرتے ہیں، ہم تو خاص تجھ ہی سے مدد مانگتے ہیں''

اس مسلمان کی حالت پر بہت ہی افسوس ہوتا ہے کہ خدا کے سامنے جائے تو ایسا اقرار و اظہار کرے اور دربار سے باہر آئے تو پھر غیر کی عبادت و استعانت میں مبتلا ہو جائے۔

﴿ذٰلِکَ الدِّیْنُ الْقَیِّمُ وَ لٰکِنَّ اَکْثَرَ النَّاسِ لَا یَعْلَمُوْنَ ۝﴾[۱۲/ یوسف:۴۰]

''سیدھا مضبوط راستہ دین کا یہی ہے لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے۔''

دین کے معنی

دین: طریقہ۔ زبان شرع میں وہ طریقہ جس سے عبادت الٰہی کی جاتی ہے۔ قرآن مجید میں ہے: ﴿اِنَّ الدِّیْنَ عِنْدَ اللّٰهِ الْاِسْلَامُ﴾[۳/آل عمران:۱۹] اللہ کے نزدیک اسلام ہی وہ صحیح طریقہ ہے، جس کے مطابق بندوں کو چلنا چاہیے۔

دین القیم

دِیْنُ الْقَیِّمْ: وہ محکم دین جو رب واحد کا ہمیشہ سے اور ہمیشہ کے لیے واحد دین رہا ہو۔ جس کا انکار کوئی صاحب فطرت سلیم نہ کر سکے۔ وجود باری، تعظیم خالق، جزا و سزائے اعمال، سلسلۂ وحی و نبوت، یہ ایسے اصول محکم ہیں کہ دنیا میں خواہ ہزاروں، لاکھوں مذاہب موجود ہیں، تاہم اگر ہر ایک متمدن یا وحشی اقوام کے عقائد کا تجزیہ کیا جائے گا تو اس میں مندرجہ بالا اصول ضرور مل جائیں گے۔ اگرچہ اس مذہب باطلہ میں اس سچے اصول کی مثال ایسی رہ گئی ہو جیسے کیچڑ میں پانی۔ اب ان اصولوں کو جب اصل واحد کی طرف لایا جائے گا تو یہی رہ جائے گا ﴿اَلَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّآ اِیَّاہُ﴾[۱۲/ یوسف:۴۰] یاد رکھو کہ توحید دین قیم ہے اور رد

شرک دین محکم ہے۔ یوسف علیہ السلام کا یہ وعظ جو کلام اللہ کے ذریعہ سے ہم تک پہنچا ہے ایسا زبردست ہے جس نے شرک کو بالکل مٹا دیا اور فنا کر دیا ہے۔ اب کوئی شخص بھی جس میں فہم کا ذرا سا مادہ بھی ہوگا، کبھی شرک کا روادار نہ ہوگا۔

مومن پر حکم الٰہی کے تحت اپنے عقائد کی پڑتال لازم

ہر ایک مومن کو لازم ہے کہ وہ ہمیشہ اپنے عقائد و اعمال کو ان آیات کے سامنے پیش کیا کرے اور دیکھ لیا کرے کہ کیا وہ اس دین قیم کا پابند ہے، اس میں کوئی نقص یا کمی تو واقع نہیں ہوئی۔ اگر اپنے آپ کو ایسا ہی پائے، تو ہادئ برحق کا شکر بجا لائے۔ لیکن اگر ذرا بھی تفاوت معلوم ہو تو جلدی سے ادھر رجعت کرے، توبہ و استغفار سے تلافی مافات کرے۔

مسلم اور جھوٹی تاویلیں

مسلم کی یہ شان نہیں کہ اپنے غلط افعال و کردار کے صحیح ثابت کرنے میں دور دراز کی تاویلیں کیا کرے اور جھوٹ موٹ کے حیلے بہانے ڈھونڈے۔ مسلم کی شان تو یہ ہے کہ رب العالمین کے بتلائے ہوئے دین محکم پر قائم ہو جائے۔

﴿ يٰصَاحِبَيِ السِّجْنِ اَمَّآ اَحَدُكُمَا فَيَسْقِيْ رَبَّهٗ خَمْرًا ۚ وَ اَمَّا الْاٰخَرُ فَيُصْلَبُ فَتَاْكُلُ الطَّيْرُ مِنْ رَّاْسِهٖ ؕ﴾ [۱۲/ یوسف:۴۱]

”اے میرے زندان کے ساتھیو! تم میں سے ایک تو اپنے آقا کو شراب پلائے گا اور جو دوسرا ہے وہ صلیب پر لٹکایا جائے گا اور پرندے اس کے سر کو نوچیں گے اور کھائیں گے“

رَبَّهٗ: اس زمانہ میں غلام اپنے آقا کو رب کہا کرتے تھے۔ یوسف علیہ السلام نے انہی کی زبان کا استعمال فرمایا اور رَبَّهٗ بطور علم کہا، عَلَم میں معنی کا لحاظ نہیں ہوتا۔

صلیب کیا ہے؟

صَلِيْب: ایک لکڑی کو زمین پر گاڑتے، پھر اس کی ۹۔۱۰ فٹ کی بلندی پر اس میں دوسری لکڑی لگاتے۔ (متقاطع / ترچھی) اس کا نام صلیب ہوتا۔ آڑی لکڑی کے ساتھ مجرم

کے دونوں بازوؤں کو باندھ دیتے اور لمبی لکڑی کے ساتھ مجرم کے جسم کو اور بعض اوقات ہاتھوں اور ٹانگوں میں میخیں بھی ٹھونک دیتے اور پھر مجرم کو مر جانے کے لیے چھوڑ دیتے۔ بھوک، پیاس اور زخموں کی شدت سے مجرم بے چارہ مر جایا کرتا تھا۔ یہ قتل کی وحشیانہ صورت اور نہایت درجہ سنگدلی کا نمونہ تھا۔

تصلیب مسیح علیہ السلام کے واقعہ سے یہودیوں، عیسائیوں کے دو متضاد نتیجے

عیسائیوں کا دعویٰ اور ایمان ہے کہ مسیح کو یونانی حاکم نے یہودیوں کی درخواست پر ایسی ہی لکڑی پر لٹکایا تھا۔ اب عیسائی صلیب کی شکل کو اپنے ساتھ رکھنا یمن و برکت کا موجب سمجھتے ہیں۔

مسیح علیہ السلام کو صلیب پر لٹکائے جانے کا واقعہ یہودیوں میں بھی مسلمہ ہے۔ وہ نہایت شوخی سے کہا کرتے ہیں کہ مسیح لعنتی ہے، کیونکہ وہ صلیب پر لٹکایا گیا اور توراۃ میں ہے کہ جو صلیب پر لٹکایا گیا وہ لعنتی ہے۔

قرآن مجید اور نفی تصلیب

عیسائی نہایت فخر واطمینان سے کہا کرتے ہیں کہ مسیح علیہ السلام صلیب پر لٹکایا گیا، اس لیے کہ اس نے گنہگار عیسائیوں کے گناہ اپنے اوپر لے لیے تھے۔ قرآن مجید نے اسی لیے واقعہ تصلیب کی نفی فرما دی تاکہ یہودیوں کا ادعائے باطل اور عیسائیوں کا زعم باطل آشکار ہو جائے۔ قرآن مجید میں ہے۔ ﴿ وَ مَا صَلَبُوْهُ ﴾[۴/ النسآء:۱۵۷] ''مسیح علیہ السلام کو صلیب پر نہیں لٹکایا گیا۔''

عیسائی اگرچہ آج صلیب کے نشان کو حضرت مسیح علیہ السلام کے واقعہ سے منسوب کر کے اس کا استعمال کرتے ہیں، لیکن ان کا یہ خیال بھی غلط ہے۔

مؤرخین بخوبی واقف ہیں کہ نشان صلیب کا استعمال بطور نشان مقدس حضرت مسیح علیہ السلام کی ولادت سے بھی سینکڑوں سال پیشتر ''متھرا ازم'' میں موجود تھا۔ اس مذہب میں سورج کی پوجا کی جاتی تھی اور صلیب کا نشان دائرہ فلکی کے خطوط طولانی وعرضی کے

جائے اتصال کو (جب کہ آفتاب نقطۂ اعتدال پر ہوتا ہے) نمایاں کرتا تھا۔

قسطنطین اول جب داخل عیسائیت ہوا تو وہ اپنے ساتھ اپنے مذہب قدیم کی بھی بہت سی رسوم لایا تھا۔ نشان صلیب اور اتوار کی حرمت بھی انہی گمراہ کن رسوم میں سے ہیں۔ انگریزی میں یکشنبہ کو سَن ڈے اور ہندی میں ایتوار کہتے ہیں۔ سن اور آیت کے معنی سورج ہیں۔

یورپ قبل از عیسائیت سورج پرست تھا

یہ یاد رکھنا چاہیے کہ ''متھرا ازم'' عیسائیت سے بہت پہلے روما و انگلستان و فرانس کا مذہب تھا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم ایسی اشیا کا استعمال ناپسند فرمایا کرتے۔ جس پر صلیب بنی ہوئی ہو۔ اس لیے یورپ کا مال خریدتے وقت احتیاط سے دیکھ لو کہ اس پر صلیب تو بنی ہوئی نہیں ہے۔

تصلیب کا رواج قدیم

معلوم ہوتا ہے کہ صلیب پر لٹکانے کی رسم مصر میں بہت دیر سے جاری تھی۔ فرعون نے بھی ساحروں سے کہا تھا: ﴿لَاُصَلِّبَنَّكُمْ فِيْ جُذُوْعِ النَّخْلِ﴾[۲۰/طٰہٰ:۷۱] ''یعنی تم کو درختوں (کھجور کے تنوں) پر لٹکا دوں گا''

اس آیت میں یوسف علیہ السلام کے آداب مصاحبت پر غور کرو۔ یہ نہیں فرمایا کہ تو ساقی بنے گا اور تو پھانسی پائے گا، کیونکہ اس میں صلیب پانے والے کی سخت دل شکنی تھی۔

بیشک انبیا علیہم السلام کے اخلاق ایسے ہی ہوا کرتے ہیں۔ ہم کو بھی لازم ہے کہ کسی شخص کو اس کے عیوب اس طریق سے نہ جتایا کریں جس سے اسے شرمساری لاحق ہو۔

﴿قُضِيَ الْاَمْرُ الَّذِيْ فِيْهِ تَسْتَفْتِيٰنِ﴾[۱۲/ یوسف:۴۱]

''جو تم نے پوچھا، اس میں یہی حکم ہے۔''

امام سفیان ثوری رحمہ اللہ کی روایت

امام سفیان رحمہ اللہ اور محمد بن فضیل رحمہ اللہ نے اپنی اپنی اسناد کے ساتھ ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ جب یوسف علیہ السلام نے یہ تعبیر سنا دی تو قیدی بولے کہ ہم نے تو کچھ نہیں دیکھا تھا۔ تب یوسف علیہ السلام نے فرمایا تھا کہ اللہ پاک کے ہاں سے یہی فیصلہ ہو چکا ہے۔

بائیبل میں ہے کہ تیسرے دن بادشاہ کی سالگرہ تھی۔ ساقی عہدہ پر بحال ہوا۔ دوسرا جو نان پر تھا وہ صلیب پر لٹکایا گیا۔

خواب ربیعہ اور تعبیر فاروق رضی اللہ عنہ

کتاب الاستیعاب میں ہے کہ ربیعہ بن امیہ بن خلف نے عمر فاروق رضی اللہ عنہ کو اپنا خواب سنایا کہ وہ پہلے تو ایک سرسبز و شاداب وادی میں چلتا رہا اور پھر ایک صاف چٹیل میدان میں جا نکلا۔ اسی میدان میں چل رہا تھا کہ آنکھ کھل گئی۔ فاروق رضی اللہ عنہ نے فرمایا: تو اسلام میں داخل ہوگا اور پھر مرتد بنے گا اور پھر کفر ہی میں مر جائے گا۔ وہ بولا کہ میں نے تو کچھ بھی نہیں دیکھا۔ فاروق رضی اللہ عنہ نے یہی آیت پڑھی۔ ﴿قُضِيَ الْاَمْرُ الَّذِيْ فِيْهِ تَسْتَفْتِيٰنِ ۝﴾ [۱۲/ یوسف: ۴۱] یہی ہوا کہ وہ مسلمان بنا۔ پھر جب دیکھا کہ مسلمان رہ کر شراب نہیں پی سکتا تب نصرانی بن گیا اور اسی مذہب میں تھا کہ مر گیا۔

تعبیر کے متعلق ایک روایت

مسند امام احمد میں معاویہ رضی اللہ عنہ بن جیدہ سے مرفوعاً روایت ہے: ((اَلرُّؤْيَا عَلٰى رِجْلِ طَائِرٍ مَا لَمْ تُعَبَّرْ)) [1] "خواب جس کی تاویل نہ کی گئی ہو۔ وہ ایسی چیز ہے جو پرندہ کے پنجہ میں ہو، تعبیر کر دی تو گر پڑی۔"

[1] ابن ماجہ: ابواب التعبیر، باب الرؤیا اذا عبرت وقعت، رقم ۳۹۱۴۔

فصل

رہائی کے لیے یوسف علیہ السلام کی ایک تدبیر

''اس تدبیر کا احسان فراموش کی غفلت سے سرسبز نہ ہونا۔''

﴿ وَ قَالَ لِلَّذِیْ ظَنَّ اَنَّهٗ نَاجٍ مِّنْهُمَا اذْكُرْنِیْ عِنْدَ رَبِّكَ فَاَنْسٰىهُ الشَّیْطٰنُ ذِكْرَ رَبِّهٖ فَلَبِثَ فِی السِّجْنِ بِضْعَ سِنِیْنَ﴾ [۱۲/یوسف:۴۲]

''ان دونوں میں سے ایک کو جس کی رہائی کا گمان تھا یوسف علیہ السلام نے کہا کہ اپنے آقا کے پاس میرا ذکر کرنا۔ مگر شیطان نے بادشاہ کے پاس ذکر کرنا بھلا دیا اور یوسف چند سال تک زندان میں رہے۔''

ظَنَّ: شخص اور شے کے متعلق استعمال میں اس کے معنی مختلف ہوتے ہیں۔ جب لفظ ظن کسی شخص کے متعلق مستعمل ہو تو اس کے معنی بدگمانی ہوتے ہیں: ﴿اِجْتَنِبُوْا كَثِیْرًا مِّنَ الظَّنِّ﴾ [۴۹/الحجرات:۱۲] ''لوگوں پر بدگمانی سے بچو'' ﴿یَظُنُّوْنَ بِاللّٰهِ غَیْرَ الْحَقِّ ظَنَّ الْجَاهِلِیَّةِ﴾ [۳/آل عمران:۱۵۴] ''اللہ تعالیٰ کی نسبت بیہودہ، جاہلانہ بدگمانیاں کرتے تھے۔''

جب ظن کا استعمال کسی شے کے متعلق ہو۔ تو وہاں گمان نیک اور ایقان مراد ہوتا ہے۔ ﴿وَ ظَنُّوْۤا اَنْ لَّا مَلْجَاَ مِنَ اللّٰهِ اِلَّاۤ اِلَیْهِ﴾ [۹/التوبہ:۱۱۸]

انہوں نے یقین کر لیا کہ اللہ کے سوا اور کہیں ٹھکانہ نہیں۔

بعض اوقات لفظ ظن عام معنی میں ہوتا ہے۔ اس وقت وہ طرف راجح کا اظہار کرتا ہے۔ آیت زیر تفسیر میں گمان نیک کے معنی میں مستعمل ہوا ہے۔

یوسف علیہ السلام نے رہائی پانے والے اور ساقی شاد بننے والے کو اپنا ذکر بادشاہ سے کر دینے کے لیے فرمایا۔ اس سے معلوم ہوا کہ اس زمانہ میں قیدیوں کے واسطے اپیل کرنے کا کوئی ضابطہ نہ تھا۔ جس ظالم افسر نے چاہا کسی ناکردہ گناہ کو پکڑا، قید میں بھیج دیا۔ نہ میعاد مقرر ہے، نہ عذر و فریاد کرنے کا کوئی چارۂ کار ہے۔

یہ ایک حسن اتفاق تھا کہ صدیق علیہ السلام کو ایک ایسا قیدی مل گیا تھا، جو رہائی پاکر قرب

شاہ میں بھی جانے والا تھا اور وہ حضور کا مرہون احسان بھی تھا۔ اللہ کے نبی علیہ السلام نے اس حسن اتفاق سے فائدہ اٹھایا اور اپنے متعلق ذکر کر دینے کی اسے ہدایت فرمائی۔

یوسف علیہ السلام کا سبق آموز فعل

یوسف علیہ السلام اپنے اس فعل سے ہمارے لیے یہ سبق چھوڑ گئے کہ جب کسی شخص کو اپنی بہبود و سود کا کوئی موقعہ ہاتھ لگے تو اسے ضائع نہیں کرنا چاہیے۔ لوگ اس نکتہ کو نہیں سمجھتے بلکہ وہ کہا کرتے ہیں کہ یوسف علیہ السلام کا ایسا کرنا توکل کے خلاف اور رضا بر قضا کے مخالف تھا۔ لیکن ایسا سمجھنا بالکل غلط ہے ممکن ہے کہ یہ غلطی اس روایت کی وجہ سے ہوئی ہو۔ **لَوْ لَمْ يَقُلِ الْكَلِمَةَ الَّتِي قَالَ** یعنی اگر یوسف علیہ السلام **اذْكُرْنِي عِنْدَ رَبِّكَ** کا پیغام نہ کہتے۔ تب وہ اتنے برس تک زندان میں نہ رہتے۔ یاد رکھنا چاہیے کہ یہ روایت حد درجہ ضعیف ہے۔ اس روایت کے جملہ طرق میں سفیان بن وکیع آتا ہے، جو ضعیف ہے۔ نیز ابراہیم بن یزید الجوزی بھی آتا ہے، جو ضعیف تر ہے۔

اگر کوئی شخص قرآن حمید کو بغور پڑھے اور کتاب مجید پر تامل کرے تو اسے معلوم ہو جائے گا کہ اللہ تعالیٰ نے اسقاط اسباب اور ترک تدبیر کا حکم کسی جگہ بھی نہیں دیا۔

مسبب الاسباب نے تو طرق متنوعہ اور اسالیب بدیعہ کے ساتھ یہ ظاہر فرمایا ہے کہ قوانین کونیہ اور احکام شرعیہ اور اصول ثواب و عقاب مرتب بر اسباب ہیں۔

قرآن مجید اور احادیث صحیحہ میں بیان اسباب کے طریقے

بیان اسباب کے متعلق قرآن مجید میں مفصلہ ذیل طریقے کھلے طور پر واضح فرمائے گئے ہیں:

کبھی "ل" یا "ب" سببیہ سے ذکر فرمایا: ﴿ فَأَحْيَا بِهِ الْأَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا ﴾[۲/البقرۃ:۱۶۴]

"پانی کے ذریعہ مردہ زمین کو زندہ کیا۔"

﴿ كِتَٰبٌ أَنزَلْنَٰهُ إِلَيْكَ لِتُخْرِجَ النَّاسَ مِنَ الظُّلُمَٰتِ ﴾[۱۴/ابراہیم ۱]

"ہم نے تجھ پر کتاب نازل کی تاکہ تو لوگوں کو اندھیروں سے نکالے۔"

کبھی امر و نہی کے مقتضی کا بیان فرمایا: ﴿ وَذَالِکَ جَزَآءُ الظَّالِمِيْنَ ﴾ [۵/ المائدۃ: ۲۹] ''ظالموں کی جزا یہی ہے۔'' ﴿ وَ هَلْ نُجَازِيْ اِلَّا الْكَفُوْرَ ﴾ ''نافرمانوں کے سوا اور کسی کو بدلہ نہیں دیا جاتا۔''

کبھی جزاء اعمال کو سمجھایا: ﴿ فَبِظُلْمٍ مِّنَ الَّذِيْنَ هَادُوْا حَرَّمْنَا عَلَيْهِمْ ﴾ [۴/ النسآء: ۱۶۰] ''یہودیوں کے ظلم کی وجہ سے اُن پر چیزیں حرام کی گئیں۔''

ان آیات اور ان کے اشباہ و نظائر پر غور کرنے سے معلوم ہو جائے گا کہ قرآن مجید نے جا بجا بیان اسباب، ذکر اقتضا میں، صراحت علت اور وضاحت سبب فرمائی ہے۔ پس ترک اسباب ایک ایسا مذہب ہے جس کا بُطلان، حسن و نظر، عقل و فطرت اور تعلیم الٰہی سے بخوبی ہوتا ہے۔

اس مدعا پر احادیث صحیحہ بھی بکثرت پائی جاتی ہیں۔ حدیث میں ہے ((قَالُوْا يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اَفَلَا نَدَعُ الْعَمَلَ وَ نَتَّكِلُ عَلٰى كِتَابِنَا؟ قَالَ لَا اِعْمَلُوْا)) ❶ لوگوں نے کہا: اے رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم! کیا ہم عمل کرنا چھوڑ دیں اور اپنے نوشتہ پر بھروسہ نہ کریں؟ فرمایا: ایسا نہ کرو، بلکہ عمل کیا کرو۔''

سنن میں صحابہ رضی اللہ عنہم کا یہ سوال بھی ملتا ہے کہ کیا ادویہ و رقیہ کا استعمال تقدیر الٰہی کو بدل دیتا ہے؟ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ((هِيَ مِنْ قَدَرِ اللّٰهِ)) ❷ ان اشیا کا استعمال بھی تو تقدیر الٰہی ہی میں سے ہے۔

بایام طاعون امیر المؤمنین عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے امین الامۃ ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ کو لکھا تھا کہ فوج کا کیمپ بدل دیا جائے اور انہوں نے یہ شک ظاہر کیا تھا ((أَفِرَارًا مِنْ قَدَرِ اللّٰهِ)) کیا تقدیر الٰہی سے فرار کیا جائے؟ تب امیر المومنین نے فرمایا تھا ((نَفِرُّ مِنْ قَدَرِ اللّٰهِ اِلٰى قَدَرِ

❶ بخاری: کتاب التفسیر، باب فسنیسرہ للعسری، رقم: ۴۹۴۹۔ مسلم: کتاب القدر، باب کیفیۃ خلق الآدمی، رقم ۶۷۳۱۔ ترمذی. ابواب القدر باب ماجاء فی الشقاء والسعادۃ، رقم ۲۱۳۶۔ ابن ماجہ: ابواب السنۃ، باب فی القدر، رقم ۷۸۔

❷ ترمذی: ابواب القدر، باب لاترد الرقی من قدر اللہ شیئا۔ رقم: ۲۱۴۸۔ ابن ماجہ: ابواب الطب، باب ما انزل اللہ داء الا انزل لہ شفاء، رقم ۳۴۳۷۔

اللّٰهِ)) ❶ ہاں میں تقدیر الٰہی سے تقدیر الٰہی ہی کی جانب جاتا ہوں۔ المختصر اسباب وتدبیر کا عمل میں لانا منافی تقدیر نہیں اور توکل کے متضاد نہیں اہل توکل وہ ہیں۔ جو اسباب وتدابیر کرتے ہیں۔ مگر ان پر اعتماد نہیں کرتے۔ ان کا اعتماد اور وثوق واطمینان قلب وسکینہ تو مسبب الاسباب ہی پر ہوا کرتا ہے۔

یوسف علیہ السلام کا فعل سنن ہدیٰ میں سے ہے

یوسف علیہ السلام کا اس رہائی پانے والے اور شاہ تک پہنچنے والے قیدی سے اپنی بات کو کہنا ایک تدبیر اور سبب تھا اور اُن کا یہ فعل ان سنن ہدی میں سے ہے، جس پر جملہ انبیاء کرام گامزن رہے ہیں۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا قبل از جنگ بدر مکہ کے راہوں پر فوجی دستے بھیجنا اور قریش کے ارادوں سے علم حاصل کرتے رہنا بھی ایک تدبیر ہی تھا۔

جنگ احزاب میں خندق کا کھودوانا بھی ایک تدبیر ہی تھا۔

جنگ حنین میں فراہمیٔ اسلحہ کے لیے اہل ذمہ سے بھی اسلحہ جات کا جمع کرنا ایک تدبیر ہی تھا۔

صلح حدیبیہ میں ((مِنْ مُحَمَّدٍ رَّسُوْلِ اللّٰهِ)) کی جگہ ((مِنْ مُحَمَّدِ بْنِ عَبْدِاللّٰه)) ❷ لکھنے کی اجازت فرما دینا بھی انعقاد صلح کے لیے ایک تدبیر تھی۔

الغرض نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت پاک سے ایسے بیسیوں واقعات کا حوالہ دیا جا سکتا ہے۔ جو کوئی شخص توکل کے معنی ترک تدبیر سمجھتا ہے وہ توکل کے معنی ہی سے بے خبر ہے۔

ساقی کی فراموش کاری

اب اُس شخص کی سنو! وہ زندان سے نکل کر بادشاہ کا ساقی بن گیا۔ دنیا کی ہوا لگتے ہی یوسف علیہ السلام جیسے پاک منش کی یاد نہ رہی۔ وہ صدیق کی تعلیم، حضور کے اخلاق، حضور کے

❶ بخاری: کتاب الطب، باب ما یذکر فی الطاعون، رقم ۵۷۲۹۔ مسلم: کتاب السلام، باب الطاعون، رقم ۵۷۸۴۔

❷ بخاری: کتاب الصلح باب کیف یکتب هذا ما صالح فلان، رقم ۲۶۹۹۔ مسلم: کتاب الجہاد، باب صلح الحدیبیۃ، رقم ۴۶۲۹۔

احسانات کو یکبارگی بھول گیا اور اس نے پھوٹے منہ سے بادشاہ کے پاس ذکر بھی نہ کیا۔

شراب کا اثر فوری دماغ پر

یہ ظاہر ہے کہ جو شراب پلانے کی خدمت شاہی پر مامور ہوتا ہے۔ وہ خود مُدمن شراب (شراب کا عادی) ہوتا ہے۔ شراب پینا عمل الشیطان ہے اور جملہ قوائے دماغی و اخلاقی کا ستیاناس کرنے والا ہے۔ اس لیے رب العالمین کا ارشاد صحیح ہے کہ شیطان نے اسے بھلا دیا۔ مجاہد و ابن اسحاق وغیرہ ائمہ کا مذہب یہی ہے کہ ﴿ فَأَنسَاهُ الشَّيْطَانُ ﴾ [۱۲/ یوسف:۴۲] کی ضمیر ساقی کی طرف ہے (تفسیر ابن کثیر ص ۲۰۵) بائبل ۱۳/ ۴۰ میں ہے پھر سردار ساقی نے یوسف علیہ السلام کو یاد نہ کیا بلکہ اسے بھول گیا۔

بعض مفسرینؒ نے لکھ دیا ہے کہ ضمیر کا مرجع یوسف علیہ السلام کی طرف ہے مگر یہ معنی غلط ہیں۔ اس معنی کی تائید میں ایک روایت ابن جریر میں بیان کی گئی ہے مگر اس روایت میں ایک تو سفیان بن وکیع ہے، وہ ضعیف ہے۔ دوم ابراہیم بن یزید جوزق ہے، وہ اضعف ہے۔ ایسی روایت کا یہ درجہ نہیں ہوسکتا کہ ایک اصولی مسئلہ کو طے کر سکے۔

اس معنی کے غلط ہونے پر قرآن مجید سے دو دلائل بیان کئے جا سکتے ہیں۔

اوّل: قرآن مجید میں آگے چل کر آتا ہے: ﴿ وَادَّكَرَ بَعْدَ أُمَّةٍ ﴾ [۱۲/ یوسف:۴۵] ''قیدی کو دیر کے بعد وہ بات یاد آئی۔'' ظاہر ہے کہ یاد آنا بھولنے والے کے لیے ہوتا ہے۔

دوم: اللہ تعالیٰ نے شیطان سے فرما دیا تھا: ﴿ إِنَّ عِبَادِي لَيْسَ لَكَ عَلَيْهِمْ سُلْطَانٌ ﴾ [۱۵/ الحجر:۴۲] ''میرے بندوں میں تیرا کچھ قابو نہ چلے گا۔''

غرض مطلب آیت یہ ہوا کہ بادشاہ کو خبر تک نہ ہوئی کہ ایک مظلوم، بے گناہ، پاک منش جیل میں پڑا ہے۔

ساقی خود شیطان کے پنجہ میں گرفتار ہوگیا۔

عزیز مصر کو کیا ضرورت تھی کہ یاد کرتا۔ اس کے ظالمانہ حکم سے تو حضرت صدیق علیہ السلام جیل میں پہنچے تھے۔

امرأۃ العزیز کو کیا غرض تھی کہ ایسے عصمت پرور، اللہ سے ڈرنے والے بندہ کی خبر

لیتی! جو اس کی جہنمی خواہش میں اس کا شریک نہ بنتا تھا۔

بِضْعَ سِنِيْنَ: بضع ۳ سے ۹ تک کے لیے آتا ہے۔ اکثر مفسرین کا اتفاق اس پر ہے کہ یوسف صدیق علیہ السلام زندان میں سات سال تک رہے تھے اور چونکہ عمر چاہ میں گرانے کے وقت ۱۷ سال تھی اور وزارت کے وقت ۳۰ سال اور مدت قید ۷ سال۔ تو یہ بھی معلوم ہو گیا کہ عزیز کے گھر میں یوسف علیہ السلام کا قیام ۶ سال تک رہا تھا۔ واضح ہو کہ ''بِضْعَ سِنِيْنَ'' کا لفظ سورۂ روم میں بھی آیا ہے۔

مناحبت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ وابن خلف ملعون

جہاں بطور پیشگوئی بتلایا گیا ہے کہ رومیوں کو شکست ہوگئی ہے مگر وہ بِضْعَ سِنِيْنَ میں پھر غالب ہو جائیں گے۔ اس پر ابی بن خلف نے سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے مناحبت (شرط) کی کہ اگر رومیوں کو ایرانیوں پر ۹ سال میں فتح ہوگئی تو ابوبکرؓ ۱۰۰ اشتر لے لیں گے اور اگر فتح نہ ہوئی تو ابی لے لیگا۔ ساتویں سال اللہ تعالیٰ نے رومیوں کو فتح دی اور صدیق رضی اللہ عنہ نے ابی ملعون کے ضامن سے شرط کے اونٹ وصول کر لیے اور صدقہ میں دے دیئے۔ اس وقت خود ابی بدر میں ہلاک ہو چکا تھا۔

اس واقعہ میں چونکہ قرآن مجید کی صداقت اور پیشگوئی کے پورا ہونے کا ذکر ہے۔ اس لیے اسے یاد رکھنا چاہیے اور یہ بھی یاد رکھنا چاہیے کہ شرط جیتنے کا زمانہ ۲ ھ کا ہے جب کہ شرط لگانا منع نہ ہوا تھا۔

جوازِ سود پر غلط استدلال

ہمارے زمانہ کے لوگ صدیق رضی اللہ عنہ کے فعل کو جواز سود کی دلیل میں پیش کیا کرتے ہیں، لیکن اس واقعہ سے ایسا استدلال نہیں ہو سکتا۔ اس لیے کہ:

① حرمت ربا کے احکام ۱۰ ھ کو جاری ہوئے اور یہ واقعہ ۲ ھ کا ہے۔

② صدیق امت نے اپنا روپیہ قرض دے کر یا امانت رکھ کر اس پر سود نہیں لیا۔ اس لیے اس واقعہ کو بینک کے زر امانت کا شبیہ و نظیر بتانا غلط ہے۔

③ صدیق امت نے اُن اونٹوں کوصدقہ کر دیا تھا۔ اس لیے یہ واقعہ بینک کا سود لینے والوں کے لیے کچھ مفید نظیر نہیں۔

④ اس واقعہ سے یہ بھی نہیں نکل سکتا کہ سودخوار اقوام سے سود لے کر پھر اسلامی ضروریات میں اسے صرف کر دیا جائے۔ اگر یہ اصول صحیح ہوتا تو صحابہ کرام یہود جیسی سودخوار قوم سے ایسا معاملہ ضرور کرتے، حالانکہ صحابہ اخیار کو فتح شام کے مکمل ہو جانے تک روپیہ کی از حد ضرورت رہتی تھی۔ اس میں شک نہیں کہ ہندوستان کے مسلمانوں کی سقیم الحالی اور بے زری بہت زیادہ قابل توجہ ہے۔ مگر اس کی اصلاح دو طریق سے ہو سکتی ہے۔

مسلمان سود دینے کی وجہ سے تباہ ہوتے ہیں

اول: مسلمانوں کو سود دینے سے روکا جائے۔ افسوس یہ ہے کہ مسلمان سود دینے کی حرمت کو پورا پورا نہیں سمجھتے۔ اگر سود دینے کی حرمت بھی اُن کے دلوں میں محکم و جانشین ہو جائے جیسا کہ سود لینے کی حرمت کا حال ہے۔ تب وہ کروڑوں روپیہ جو مسلمانوں کے ہاتھوں سے نکل کر غیر مسلموں کی جیبوں میں پہنچ جاتا ہے اور جس سے مسلم جماعت کا قومی افلاس اور غیر مسلم جماعت کا قومی تمول سال بسال روز افزوں ہے، بالکل رک جائے۔

شرعی بیت المال کا نہ ہونا مسلمانوں کی تباہی کا سبب ہے

دوسری تدبیر: بیت المال کا قائم کرنا ہے جس کی ابواب آمد و صرف وہی ہوں جو کلام اللہ العظیم میں بتلائے گئے ہیں۔ بیت المال ان تمام قومی ضروریات کا کفیل ہو سکتا ہے جن کے لیے ہمارے بھائی آج جواز سود کے دلائل پیش کیا کرتے ہیں۔

علماء کرام کی توجہ درکار ہے

اس زمانہ میں علماء کرام نے قومی ضروریات کی جانب توجہ فرمانا شروع کر دیا ہے۔ امید ہے کہ وہ ان ہر دو امور پر کامل اور جلد توجہ ضرور فرمائیں گے۔

فصل

مسبب الاسباب کا رہائی صدیق علیہ السلام کے لیے خود ایک سبب بنانا

بادشاہ کا خواب دیکھنا، تعبیر خواب سے اہل دربار کا عاجز ہو جانا،
ساقی کا زندان میں جا کر یوسف علیہ السلام سے تعبیر معلوم کرنا۔

بادشاہ کا خواب دیکھنا

﴿وَقَالَ الْمَلِكُ اِنِّیْۤ اَرٰی سَبْعَ بَقَرٰتٍ سِمَانٍ یَّاْكُلُهُنَّ سَبْعٌ عِجَافٌ وَّ سَبْعَ سُنْۢبُلٰتٍ خُضْرٍ وَّ اُخَرَ یٰبِسٰتٍ ؕ یٰۤاَیُّهَا الْمَلَاُ اَفْتُوْنِیْ فِیْ رُءْیَایَ اِنْ كُنْتُمْ لِلرُّءْیَا تَعْبُرُوْنَ۝﴾ [۱۲/یوسف:۴۳]

"بادشاہ نے کہا کہ میں نے دیکھا کہ سات فربہ گائیں ہیں اُن کو سات دبلی گائیوں نے کھا لیا۔ اسی طرح سبز بالیں ہیں اور خشک بالیں۔ اے سردارو! میرے خواب کی بابت بیان کرو۔ اگر تم خواب کی تعبیر جانتے ہو۔"

اَلْمَلِکُ: نام شاہ مصر

مصر کا بادشاہ اس زمانہ میں ریان بن ولید تھا۔ جسے یورپین مورخ ای پونس لکھتے ہیں۔ یہ مصری خاندان ہفدہم (۱۷) کا جو راعی خاندان کے نام سے مشہور ہے، بادشاہ تھا۔ یہ خاندان سامی النسل تھا، لیکن عہد موسیٰ علیہ السلام کا فرعون قبطی نسل سے تھا۔ اس اختلاف قومیت کو بھی ان دونوں فراعین کے اختلاف مزاج کا سبب قرار دیا جا سکتا ہے۔

سِمَان: سمین اور سمنہ کی جمع ہے۔ فربہ، تیار۔

عِجَافٌ: عجفاء کی جمع ہے۔ یہ جمع سماعی اور خلاف قیاس ہے۔

مَلَاءَ: ملی کی جمع ہے۔ مُلاءَ بھی جمع آتی ہے۔

محاورہ ہے ھُوَ اَمْلَأُ الْقَوْمِ۔ وہ ساری قوم میں زیادہ مقدرت اور دولت والا ہے۔

تَعْبُرُوْنَ: عبور سے بنایا گیا ہے۔ عبور کے معنی ہیں۔ پانی چیر کر دوسرے کنارہ پر پہنچ جانا۔ یہ تو لغوی معنی تھے۔ اب اصطلاح میں صور خیالیہ سے معانی نفسانیہ تک پہنچنے کا نام

تعبیر ہو گیا ہے۔

قدیم مصریوں میں گائے کی حرمت

قدیم مصریوں میں گائے کی بڑی حرمت تھی جیسا کہ اب ہندوؤں میں ہے۔ بادشاہ کے لیے یہ خواب اس لیے وحشت خیز تھا کہ گائیوں نے گائیوں کو کھا لیا۔

﴿ قَالُوْٓا اَضْغَاثُ اَحْلَامٍ ۚ وَمَا نَحْنُ بِتَاْوِيْلِ الْاَحْلَامِ بِعٰلِمِيْنَ ۝﴾

''دربار کے سرداروں نے کہا: یہ تو پریشان خواب کی باتیں ہیں۔ ایسے خوابوں کی حقیقت ہم نہیں جانتے۔'' [۱۲/ یوسف:۴۴]

اَضْغَاثٌ: ضغث کی جمع ہے۔ برسات کے موسم میں جس زمین پر بیسیوں قسم کی بوٹیاں نکلی ہوئی ہوں، ان کو مٹھی بھر کر توڑ لو، جو کچھ تمہارے ہاتھ میں آ جائے، وہ ضغث ہے۔

چونکہ مٹھی میں مختلف بوٹیوں کے پتے، ڈنٹھل وغیرہ آ جاتے ہیں۔ اس لیے ایسے خواب پریشان کو جس میں غیر متعلق، بے جوڑ، باتیں ہوں، اضغاث کہتے ہیں۔

اَحْلَامٌ: حلم کی جمع ہے۔ رویائے کاذبہ، بے اصل خواب۔

معلوم ہوتا ہے کہ اس بادشاہ کے یہ سردار لیاقت تو کچھ نہ رکھتے تھے، مگر باتونی پورے تھے۔ علم تعبیر سے اُن کو ذرا مس نہ تھا۔ اپنی عدم قابلیت کا اقرار تو نہ کیا، بلکہ بادشاہ کے خواب ہی کو جھوٹا بتا دیا اور خواب کے لیے اضغاث احلام دو لفظ جمع کر دینے سے اس کے بے اصل محض ہونے کا پورا مبالغہ کر دیا۔

﴿ وَقَالَ الَّذِيْ نَجَا مِنْهُمَا وَادَّكَرَ بَعْدَ اُمَّةٍ اَنَا اُنَبِّئُكُمْ بِتَاْوِيْلِهٖ فَاَرْسِلُوْنِ ۝﴾ [۱۲/ یوسف:۴۵]

''وہ جو دو قیدیوں میں سے ایک رہائی یافتہ تھا۔ بولا: (اسے عرصہ کے بعد بات بھی یاد آ گئی) کہ میں تم کو اس خواب کی حقیقت بتاؤں گا۔ تم مجھے (جیل تک) جانے دو۔''

اُمَّةٍ: عرصہ طویل، یہ قول عکرمہ کا ہے۔ ابن جریر کہتے ہیں کہ بعض نے اسے ''اَمَهُ الرَّجل بائمه'' سے لیا ہے اور اس کے معنی نسیان بتلائے ہیں۔ معلوم ہوتا ہے کہ یہ شخص افسروں کی

ذیل میں شامل نہ تھا کیونکہ یہ بادشاہ کو مخاطب نہیں کرتا، بلکہ سردارن دربار کو مخاطب کرتا ہے۔

ساقی کی فرومایہ طبیعت

علاوہ ازیں اس کی طبیعت کی فرومائگی بھی ظاہر ہے۔ (۱) یوسف علیہ السلام کے احسان کو بھلایا۔ (۲) اب وہ یاد بھی آئے، تو ان کا ذکر سرداروں سے نہیں کرتا۔ بلکہ صرف اس قدر چاہتا ہے کہ اسے دربار سے جانے کی اجازت دی جائے تا کہ وہ اتنے عرصہ میں یوسف علیہ السلام سے دریافت کر آئے اور ان کے علم سے خود فائدہ اٹھائے۔

شاہی درباروں کے لوگ اکثر کیسے ہوتے ہیں

اس قسم کے لوگ شاہی درباروں میں اکثر ہوا کرتے ہیں، جو دوسروں کی قابلیت اور محنت سے فائدہ اٹھاتے ہیں اور دوسروں کی کمائی سے اپنے لیے عزت اور منفعت چاہتے ہیں۔

﴿ يُوسُفُ أَيُّهَا الصِّدِّيقُ أَفْتِنَا فِي سَبْعِ بَقَرَاتٍ سِمَانٍ يَأْكُلُهُنَّ سَبْعٌ عِجَافٌ وَسَبْعِ سُنْبُلَاتٍ خُضْرٍ وَأُخَرَ يَابِسَاتٍ لَعَلِّي أَرْجِعُ إِلَى النَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَعْلَمُونَ ﴾ [۱۲/ یوسف:۴۶]

''اے یوسف علیہ السلام! اے سراپا صدق! ہمیں بتلاؤ سات موٹی گائیں، ان کو سات دبلی گائیں کھا رہی ہیں اور سات سرسبز خوشے سات خشک خوشوں کو۔ اس کی حقیقت بتلا دو تا کہ میں لوگوں کے پاس جاؤں اور وہ بھی سمجھ جائیں۔''

صِدِّیق: کثیر الصدق، دائم الصدق، وہ شخص جس کے قول کی تائید اس کے فعل سے ہوتی ہے۔ قرآن مجید میں یہ لقب شیخ الانبیا ابراہیم علیہ السلام کے لیے بھی آتا ہے: ﴿وَاذْكُرْ فِي الْكِتَابِ إِبْرَاهِيمَ إِنَّهُ كَانَ صِدِّيقًا نَبِيًّا﴾ [۱۹/ مریم:۴۱] حدیث پاک میں یہ لفظ شیخ الخلفاء الراشدین ابوبکر رضی اللہ عنہ کا ہے۔ سہل بن سعد رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم معہ ابوبکر و عمر و عثمان رضی اللہ عنہم جبل احد پر تھے، پہاڑ ہلا تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((اُثْبُتْ أُحُدُ فَمَا عَلَيْكَ إِلَّا نَبِيٌّ وَ صِدِّيقٌ وَ شَهِيدَانِ)) [1]

---

[1] بخاری، کتاب فضائل اصحاب النبی، باب مناقب عمر رضی اللہ عنہ رقم ۳۶۸۶۔ ابوداؤد: کتاب السنۃ، باب فی الخلفاء، رقم ۴۶۵۱۔

''احد ٹھہر جا، تجھ پر نبی اور صدیق اور دو شہید بھی ہیں''

اس حدیث کی تائید قرآن مجید کی آیت ﴿ وَالَّذِیْ جَآءَ بِالصِّدْقِ وَصَدَّقَ بِهٖٓ ﴾ [۳۹/الزمر:۳۳] کی تفسیر سے ہوتی ہے۔ معالم التنزیل میں ابوالعالیہؒ سے روایت ہے کہ ﴿ جَآءَ بِالصِّدْقِ ﴾ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور ﴿ صَدَّقَ بِهٖ ﴾ ابوبکر رضی اللہ عنہ ہیں۔

صدق کا بیان

صدق کی تعریف

یہ یاد رکھنا چاہیے کہ صدق ہی روح اعمال ہے اور صدق ہی محک احوال۔ اگر اعمال میں صدق شامل نہیں تو وہ مردہ ہیں اور اگر صدق کی کسوٹی پر احوال پورے نہیں اترتے تو وہ محض تخیلات ہیں۔ صدق کی مختصر تعریف یہ ہے کہ ''ظاہر و باطن یکساں ہو۔''

صدق میں تفاوتِ درجات مردم

صدق سے تین الفاظ بمعنی فاعل آتے ہیں۔ صادق اور صدوق اور صدیق صادق سے صدوق کا درجہ بڑا ہے اور صدوق سے صدیق کا درجہ بڑا ہے۔

صادق کا بیان

صادق کے قلب میں ایک ایسا داعیہ موجود ہوتا ہے۔ جو کسی دباؤ یا روک سے دبتا ہے، نہ رکتا ہے۔ اس میں ایسی طلب پائی جاتی ہے، جسے انقطاع نہیں ہوتا۔ وہ ایسے عزم درست کا شخص ہوتا ہے۔ جو ہر ایک مانع پر غالب آ جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿ یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَ كُوْنُوْا مَعَ الصّٰدِقِیْنَ ﴾ [۹/التوبۃ:۱۱۹]

''اے ایمان والو! اللہ کا تقویٰ اختیار کرو اور صادقین کے ساتھ رہو۔''

صدوق کا بیان

وہ عزائم اعمال پر عمل کرنے کا مشتاق ہوتا ہے۔ وہ جلال الٰہیہ کے سامنے ہمیشہ اپنے نقص و کمی کو محسوس کیا کرتا ہے۔ وہ زندگی کو صرف حق کے لیے پسند کیا کرتا ہے۔ امیر المومنین عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا قول ہے کہ: ''اگر دنیا میں جہاد اور نماز اور علم نافع کا وجود نہ ہوتا، تو میں

اس جہان میں رہنا کبھی پسند نہ کرتا۔"

صدیق کا بیان

صدیق کی تعریف

وہ معرفت صدق کا عارف ہوتا ہے۔اس کے احوال واقوال،عزم وارادہ، مستقیم واحسن و قوی وراسخ ہوتے ہیں۔اس کا واحد مقصود "رضائے حق" ہوتا ہے۔یہ وہ کمال ہے جو کمال نبوت سے ملا ہوا ہے۔یہ وہ سراج ہے جو چراغ نبوت سے روشن ہوتا ہے۔اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿ فَأُولَٰئِكَ مَعَ الَّذِينَ أَنْعَمَ اللَّهُ عَلَيْهِم مِّنَ النَّبِيِّينَ وَالصِّدِّيقِينَ ﴾ [۴/النسآء:۶۹]

"اللہ اور رسول کی اطاعت کرنے والوں کو اللہ کے انعام یافتہ بندوں یعنی انبیا اور صدیقوں کی معیت دی جائے گی۔" [ماخوذ از منازل السالکین لاامام ابن قیمؒ]

شاہ ولی اللہؒ اور صفت صدیق

شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلویؒ نے "حجۃ اللہ البالغہ" میں صدیقیت ومحدثیت پر بحث لطیف لکھی ہے۔انہوں نے تحریر فرمایا ہے کہ "صدیق اصل فطرت میں ذات پاک نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے قریب تر ہوتا ہے وہ جو تعلیم نبی اللہ سے حاصل کرتا ہے۔اس کے دل میں ایسی راسخ ہو جاتی ہے، گویا وہ علوم اسی کے دل سے نکلے تھے۔"

"صدیق پر انوار وحی نبوت کا انعکاس ہوتا ہے اور تعاقب ورود انوار سے۔"

"تاثیر وتاثر،فعل وانفعال کا ایسا تسلسل قائم ہو جاتا ہے کہ صدیق فنا وفدا کے منصب پر ممتاز ہو جاتا ہے اور اس وقت یہ کیفیت ہوتی ہے کہ نبی کی روحانیت صدیق کی زبان پر تکلم کیا کرتی ہے۔"

فضائل صدیق اکبر رضی اللہ عنہ

صدیقیت کے انہی احوال پر اُن احادیث میں اشارہ ہے جو سیدنا ابوبکر الصدیق رضی اللہ عنہ

کی شان میں ہیں۔ حدیث میں ان کو ((اَمَنُ النَّاسِ عَلَیَّ فِیْ صُحْبَتِهٖ وَ مَالِهٖ)) [1] فرمایا گیا ہے "یعنی مصاحبت اور زر و مال کے فدیہ میں ابوبکر رضی اللہ عنہ کا احسان ومنت مجھ پر سب سے بڑھ کر ہے" دوسری حدیث میں ہے۔ ((لَوْ كُنْتُ مُتَّخِذًا خَلِيْلًا لَا تَّخَذْتُ اَبَابَكْرٍ خَلِيْلًا وَّ لٰكِنَّ اللّٰهَ اتَّخَذَنِيْ خَلِيْلًا)) [2] یعنی "اگر میں مخلوق میں سے کسی کو خلیل بناتا، تو ابوبکر کو بناتا، مگر مجھے تو اللہ نے اپنا خلیل بنالیا ہے۔"

صدیق امت بالاتفاق ابوبکر رضی اللہ عنہ ہی ہیں۔ آپ کے سوا اور کوئی ...... اس لقب سے ملقب نہیں ہوا۔ ابومحجن ثقفی رضی اللہ عنہ کا شعر ہے:

وَ سُمِّيْتَ صِدِّيْقًا وَ كُلُّ مُهَاجِرٍ سِوَاكَ يُسَمّٰى بِاِسْمِهٖ غَيْرَ مُنْكَرٍ [3]

قرآن مجید میں انہی کو "ثَانِيَ اثْنَيْنِ" فرمایا گیا ہے۔ اللہ تبارک وتعالیٰ کے کلام میں کسی دوسرے کو ثانی رسول صلی اللہ علیہ وسلم نہیں بتایا گیا۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ابوبکر رضی اللہ عنہ ہی کو سب سے پہلے حج اسلام کا سردار "امیر الحاج" بنایا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ابوبکر رضی اللہ عنہ ہی کو سب سے بڑی فوج اور سب سے آخری غزوہ تبوک میں فوج کا سپہ سالار بنایا اور علم نبی صلی اللہ علیہ وسلم انہیں سپرد کیا۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ابوبکر رضی اللہ عنہ ہی کو مسجد نبوی میں اپنی آنکھوں کے سامنے نماز کے لیے امام المومنین بنایا۔ ابوبکر رضی اللہ عنہ ہی صرف وہ ہیں جو خلیفہ رسول اللہ کے خطاب سے ملقب ہوئے۔ دیگر خلفائے راشدین مہدیین "امیر المؤمنین" کے لقب سے مخاطب کئے جاتے تھے۔ ان سب واقعات کی وجہ یہی ہے کہ ابوبکر رضی اللہ عنہ "صدیق" تھے اور صدیق ہی نبی اللہ سے قریب تر ہوتا ہے۔

اَفْتِنَا: اَفْتٰی اِفْتَاءً سے ہے۔ اس کے معنی ہیں، سوال کا جواب واضح طریق سے دینا۔

---

[1] ترمذی: ابواب المناقب، باب لو کنت متخذا خلیلا، رقم: ۳۶۶۰۔

[2] مسلم: کتاب فضائل الصحابة رضی اللہ عنہم باب من فضائل ابی بکر رقم: ۶۱۷۲...... بخاری: کتاب فضائل اصحاب النبی صلی اللہ علیہ وسلم رقم: ۳۶۵۶۔ ترمذی، ابواب المناقب باب لو کنت متخذا خلیلا رقم: ۳۶۵۹، ابن ماجۃ: ابواب السنۃ، باب فضل ابی بکر رضی اللہ عنہ، رقم: ۹۳۔ [3] ترجمہ: آپ کا نام صدیق رکھا گیا اور آپ کے علاوہ ہر ایک کو اس کے نام سے پکارا جاتا ہے۔ دراں حالیکہ وہ اس نام میں غیر معروف نہیں ہے۔

خودغرض لوگوں کے حالات

آیت کے مضمون پر غور کرو کہ یہ خودغرض شخص اب یوسف کو ﴿اَیُّهَا الصِّدِّیْقُ﴾ کہہ کر مخاطب کرتا ہے۔ ہمارا ایمان ہے کہ وہ توفی الواقع اسی خطاب کے شایان تھے۔

لیکن اس سے پیشتر اس نے نبی اللہ کو کبھی یاد بھی نہ کیا تھا۔

یہ شخص اب بھی یہ بات صدیق علیہ السلام سے چھپاتا ہے کہ خواب کس کا ہے۔ وہ صرف اس قدر کہتا ہے کہ لوگوں کو اس خواب کی تعبیر کی ضرورت ہے۔

اس دورخی چال کو دیکھو کہ دربار میں یوسف علیہ السلام کا نام نہیں لیتا اور یوسف صدیق علیہ السلام کے سامنے بادشاہ کا ذکر نہیں کرتا۔

سچ ہے! خودغرض لوگ ایسے ہی ہوا کرتے ہیں۔

تعبیر یوسف علیہ السلام

﴿قَالَ تَزْرَعُوْنَ سَبْعَ سِنِیْنَ دَاَبًا ۚ فَمَا حَصَدْتُّمْ فَذَرُوْهُ فِیْ سُنْۢبُلِهٖۤ اِلَّا قَلِیْلًا مِّمَّا تَاْكُلُوْنَ ○ ثُمَّ یَاْتِیْ مِنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ سَبْعٌ شِدَادٌ یَّاْكُلْنَ مَا قَدَّمْتُمْ لَهُنَّ اِلَّا قَلِیْلًا مِّمَّا تُحْصِنُوْنَ ○ ثُمَّ یَاْتِیْ مِنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ عَامٌ فِیْهِ یُغَاثُ النَّاسُ وَ فِیْهِ یَعْصِرُوْنَ ○﴾ [۱۲/یوسف:۴۷،۴۹]

''یوسف علیہ السلام نے کہا۔ تم سات سال متواتر زراعت کرتے رہو گے۔ جو اناج کاٹا جائے اسے خوشہ کے اندر ہی رہنے دو۔ صرف کھانے بھر کا نکالو۔ پھر اس کے بعد سات سال بہت سخت آئیں گے۔ جس میں سارے ذخیرے جو بچائے ہوئے ہوں گے، کھالو گے۔ صرف تھوڑا ہی غلہ رہ جائے گا جو بڑی حفاظت سے رکھا ہوگا۔ پھر ایسا سال آئے گا جس میں لوگوں کی فریادسنی جائے گی اور لوگ رس حاصل کر سکیں گے۔''

تَزْرَعُوْنَ: مضارع ہے بمعنی امر۔ زرع کے معنی زمین میں بیج گرانا ہے۔

دَاَبًا: متواتر، متوالی پے در پے۔ دوب لگا تار کام کرنا۔

تُحْصِنُوْنَ: حَصُنَ حِصَانَۃً سے ہے جس کے لغوی معنی روک ہیں۔قلعہ کو اسی لیے حصن کہتے ہیں کہ وہ حملہ آور کو روکتا ہے۔شوہر دار عورت کو اسی لیے محصنہ کہتے ہیں کہ اس سے دوسرے کی شادی نہیں ہوسکتی۔

یُغَاثُ: غیث سے بنایا ہے۔غیث وہ بارش جو احتیاج شدید کے بعد برسے۔وہ زراعت جو بارانی ہو۔اعانت، مدد و اغاثت۔

مصر میں قحط امساک بارش سے نہیں بلکہ دریائے نیل کے نہ اچھلنے سے پڑا کرتا ہے اس لیے یغاث سے مطلب فریاد رسی اور فراوانی نیل ہے۔

یوسف علیہ السلام نے خواب کی تعبیر بھی بتلائی اور حفاظت غلہ وحبوب کی تدبیر بھی بیان فرمائی۔ بادشاہ کی خواب میں تو پندرھویں سال کی بابت کوئی اشارہ نہ تھا۔مگر نرآسوں کی آس بندھوانے کے لیے صدیق علیہ السلام نے پندرھویں سال کی خبر بھی بتلادی۔اس سال کے متعلق لفظ یَعْصِرُوْنَ کا استعمال فرمایا ہے۔اس سے یہ نکلتا ہے کہ دودھ، شہد، انگور، انار، لیموں، رنگترے وغیرہ، تل، سرسوں، زیتون، بادام وغیرہ بکثرت ہوں گے اور یہ ظاہر ہے کہ جو سال ایسا شاداب ہو۔جس میں میوہ جات وفواکہ اور روغن دار حبوب کی کثرت ہو۔اس میں اناج بھی بکثرت ہوا کرتا ہے۔مع ہذا اناج۔ نیرہ کی بہتات لفظ یغاث میں شامل ہے۔

یوسف علیہ السلام کے محاسن

اس واقعہ میں بھی یوسف علیہ السلام کے اعلیٰ محاسن بخوبی آشکار ہوتے ہیں۔اس احسان فراموش سے دریافت بھی نہیں کرتے کہ اس نے اپنے وعدہ کے موافق کیا کام کیا؟ اور اب اسے دوبارہ کہنے کے لیے فرماتے بھی نہیں۔کیوں کہ آزمودہ کا آزمانا کیسا؟

اللہ اکبر! رضا بر قضا کی صفت کتنی نمایاں ہے۔ذاتی آرام وتنعم سے کتنی بے اعتنائی ہے اور جمہور کے ساتھ کس قدر دل سوزی ومحبت وہمدردی ہے کہ آئندہ آنے والے قحط سخت کے متعلق تدبیر بھی بتلاتے ہیں اور ایک ارزانی والے زمانہ کی بشارت سے انہیں شادکام بھی فرمادیتے ہیں اور ذات خاص کے متعلق کچھ بھی نہیں کہتے۔فضولیات سے اس قدر پرہیز ہے کہ یہ بھی سوال نہیں کرتے کہ خواب کس کا ہے اور اسے کس نے بھیجا ہے۔

فصل

بادشاہ کا یوسف علیہ السلام کو بلانا، نبی اللہ کا زندان سے نکلنے سے انکار فرمانا

اپنے الزام کی بابت عدالتانہ تحقیقات کا مطالبہ

﴿وَ قَالَ الْمَلِكُ ائْتُوْنِيْ بِهٖ﴾ [۱۲/ یوسف:۵۰]

''بادشاہ نے کہا: اسے میرے پاس لاؤ''

معلوم ہوتا ہے کہ آخر بادشاہ کو سرداروں سے اور ساقی سے معلوم ہو گیا تھا کہ تعبیر بتلانے والا کون ہے، کیونکہ دربار والے تو سب کے سب خواب کو خیالاتِ پریشان ہی بتلا چکے تھے۔

﴿فَلَمَّا جَآءَهُ الرَّسُوْلُ قَالَ ارْجِعْ اِلٰى رَبِّكَ فَسْئَلْهُ مَا بَالُ النِّسْوَةِ الّٰتِيْ قَطَّعْنَ اَيْدِيَهُنَّ ؕ اِنَّ رَبِّيْ بِكَيْدِهِنَّ عَلِيْمٌ۝﴾ [۱۲/ یوسف:۵۰]

''جب یوسف علیہ السلام کے پاس قاصد آیا تو انہوں نے کہا کہ اپنے آقا کے پاس واپس جا اور اس سے پوچھ کہ اُن عورتوں کا کیا حال ہے جنہوں نے ہاتھ کاٹ لیے تھے۔ میرا مالک تو ان کے فریبوں سے آگاہ ہے۔''

یوسف علیہ السلام میں صبر و سکون کی اعلیٰ شان نظر آتی ہے۔ اس لیے وہ زندان سے نکلنے میں جلدی نہیں کرتے۔

یوسف علیہ السلام کے اوصاف حزم و دور بینی

یوسف علیہ السلام میں حزم و دور بینی کے اوصاف صاف درخشاں ہیں۔ اسی لیے وہ تہمت و افترا کے معاملہ کو گومگو کی حالت میں نہیں رکھنا چاہتے۔ وہ تو اپنی برأت و عصمت کو آفتاب نیمروز کی طرح روشن کر دینا چاہتے ہیں۔ یوسف علیہ السلام میں عفو و درگزر اور چشم پوشی و حیا اتنی ہے کہ امرأۃ العزیز کے جور و ستم کا وہ اب بھی ذکر نہیں کرتے۔

بیشک انبیاء اللہ کے نفوس قدسی ایسے ہی ارفع و اعلیٰ ہوتے ہیں۔

فصل

دربارِ شاہی میں یوسف علیہ السلام کے الزام کی تحقیقات

﴿قَالَ مَا خَطْبُكُنَّ إِذْ رَاوَدْتُّنَّ يُوسُفَ عَنْ نَّفْسِهِ﴾ [۱۲/ یوسف:۵۱]

''بادشاہ نے عورتوں سے پوچھا کہ جب تم نے یوسف علیہ السلام کو پھسلانا چاہا تھا تو اس وقت کا معاملہ کیا ہے۔''

خَطْب: کوئی معاملہ، کوئی بات، چھوٹی موٹی ہو، اسے لغت میں خطب کہتے ہیں مگر محاورہ میں امر مکروہ یا امر عظیم کے لیے اس کا استعمال ہوتا ہے۔

بادشاہ کو حضرت یوسف علیہ السلام کے پیغام پر تحقیقات کرنی پڑی۔ اسے دست بریدہ عورتوں کے پتہ سے وہ عورتیں بلانی پڑی ہوں گی۔ پھر خفیہ طور پر تمام داستان معلوم کرنی پڑی ہوگی اور اسی سلسلہ میں امرأۃ العزیز کی دعوت کا قصہ معلوم ہوا ہوگا اور ان تمام مراتب کے بعد ان سب کو دربار میں بلایا گیا ہوگا۔

سوال کے الفاظ بتلاتے ہیں کہ بادشاہ تمام قصہ سے واقف ہو چکا ہے۔

عورتوں کے جوابات عصمت یوسفی

﴿قُلْنَ حَاشَ لِلّٰهِ مَا عَلِمْنَا عَلَيْهِ مِنْ سُوْٓءٍ﴾ [۱۲/ یوسف:۵۱]

''سب عورتوں نے کہا، پناہ بخدا! ہمارے علم میں بھی یوسف علیہ السلام کی کوئی برائی نہیں۔''

حَاشَ: حَوْش سے ہے۔ اس کے لغوی معنی کسی جانور کو گھیر کر لانا ہے۔ ''حَاشَ لِلّٰهِ'' کا مطلب یہ ہے کہ اب اس قول کا قائل شخص سب اطراف سے منہ موڑ کر متوجہ بخدا ہوتا ہے۔ اور یوں بتلاتا ہے کہ یہ شخص اس معاملہ میں بالکل پاک صاف ہے اور اسی لیے وہ رب العالمین کے منزہ و مقدس ہونے کو یاد دلاتا ہے۔

امرأۃ العزیز کا بیان۔ جواب مفصل

''اقبال جرم'' امرأۃ العزیز کا پورا بیان دربار شاہی میں

﴿قَالَتِ امْرَاَتُ الْعَزِيْزِ الْئٰنَ حَصْحَصَ الْحَقُّ ز اَنَا رَاوَدْتُّهٗ عَنْ نَّفْسِهٖ وَ اِنَّهٗ لَمِنَ الصّٰدِقِيْنَ○ ذٰلِكَ لِيَعْلَمَ اَنِّيْ لَمْ اَخُنْهُ بِالْغَيْبِ وَ اَنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِيْ كَيْدَ الْخَآئِنِيْنَ ○ وَ مَآ اُبَرِّئُ نَفْسِيْ اِنَّ النَّفْسَ لَاَمَّارَةٌۢ بِالسُّوْٓءِ اِلَّا مَارَحِمَ رَبِّيْ اِنَّ رَبِّيْ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ○﴾ [۱۲/یوسف:۵۱،۵۲]

''امرأۃ العزیز بولی: اب تو سچ کھل گیا۔ ہاں! میں نے اسے خود پھسلایا تھا اور وہ سچا ہے۔ یہ اس لیے کہتی ہوں کہ یوسف علیہ السلام کو معلوم ہو جائے کہ میں نے پس پشت اس کی خیانت نہیں کی اور اللہ تو خیانت والوں کی چالوں کو چلنے نہیں دیتا اور میں تو اپنے نفس کو بری نہیں ٹھہراتی کیونکہ نفس تو برائی پر اکسایا ہی کرتا ہے۔ بجز اس کے جس پر پروردگار رحم کرے۔ میرا رب تو غفور ورحیم ہے۔''

حَصْحَصَ: اصل لغت حص ہے۔ تکرار سے معنی میں مبالغہ مقصود ہوتا ہے۔ جیسے کبکبو کبوسے اور کفکف کف سے اور رو، رو، رو سے مستعمل ہے۔

حَصَّ الْاَمْرُ: معاملہ کا ظاہر واضح ہو جانا۔

حَصْحَصَ الْبَعِيْرُ: اونٹ کا زمین پر گھٹنے ٹیک دینا۔

حَصْحَصَ الْحَقُّ: اب سچائی کا پورا انکشاف ہو گیا۔

اب سچائی نے پورا پورا استحکام پالیا۔

اس آیت کا جو ترجمہ ہم نے لکھ دیا ہے۔ اس سے ظاہر ہوگا کہ قَالَتِ امْرَاَۃُ الْعَزِيْزِ سے غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ تک سارا مسلسل بیان اس عورت کا ہے۔ اکثر مفسرین نے اسے دو حصوں میں تقسیم کیا۔ لَمِنَ الصّٰدِقِيْنَ تک عورت کا بیان بتلایا اور ذٰلِكَ لِيَعْلَمَ سے آخر تک یوسف علیہ السلام کا قول بتلایا، لیکن ان بزرگوں کو اس قدر خلش ضرور ہوئی کہ دونوں

مقولے کیوں کر گڈمڈ ہو گئے۔ اس خلش کو دور کرنے کے لیے انہوں نے فراء نحوی کا قول نقل کیا کہ ایک شخص کے کلام میں دوسرے شخص کے کلام کو ملا دینے میں کوئی حرج نہیں جب کہ کوئی قرینہ صارفہ ہر دو کلام کے علیحدہ علیحدہ بتانے کو موجود ہو۔ ہم علامہ فراء نحوی کا قول درست سمجھتے ہیں۔ سوال یہ ہے کہ اس کلام میں وہ قرینہ صارفہ کون سا ہے؟ امام ابن تیمیہؒ نے اپنے فتاویٰ جلد دوم میں ایسے مفسرین کی رائے کی تغلیط کی ہے۔

وہ فرماتے ہیں کہ اس تمام بیان کے بعد بادشاہ کا یہ قول آتا ہے: ﴿اِئْتُوْنِیْ بِهٖۤ اَسْتَخْلِصْهُ لِنَفْسِیْ ﴾[۱۲/ یوسف:۵۴] ''یوسف کو میرے پاس لاؤ۔ میں اسے اپنا بناؤں گا۔'' اور اس فقرہ سے ثابت ہو جاتا ہے کہ مندرجہ بالا بیان جب دربار میں ہوا اس وقت تک یوسف صدیق زندان ہی میں تھے۔ اندریں صورت یوسف صدیق کا مقولہ عورت کے ساتھ کیوں کر شامل ہو سکتا ہے۔

علامہ ابن کثیرؒ (المتوفی ۷۷۱ھ) نے اپنی تفسیر میں تحریر کیا ہے کہ امام ابن تیمیہؒ نے اپنے اس بیان کردہ معنی کی تائید میں ایک مستقل کتاب بھی لکھی ہے۔

کتاب مذکور تو ہماری نظر سے نہیں گزری۔ ہاں فتاویٰ جلد دوم کی عبارت ہم نے خود پڑھی ہے۔

علامہ ابن کثیرؒ نے مجاہد و ابن عباس رضی اللہ عنہ سے بھی یہی روایت کی ہے کہ یہ تمام قول امرأۃ العزیز ہی کا ہے۔

ابن کثیرؒ خود بھی کہتے ہیں کہ اس تمام عبارت کو امرأۃ العزیز ہی کا قول بتلانا سیاق قصہ کے ساتھ اَنْسَبُ وَ اَسْبَقُ ہے اور یہی قول اشہر بھی ہے۔ اس کا ذکر ماوردی نے اپنی تفسیر میں کیا ہے۔

بیضاوی نے اس قول کو ''او'' لکھ کر بیان کیا ہے۔

لِیَعْلَمَ: کا فاعل قرار دینے میں بھی اختلاف ہوا ہے۔ اُن بزرگوں میں بھی اختلاف ہوا جنہوں نے ان تمام آیات کو امرأۃ العزیز ہی کا قول قرار دیا ہے۔

ان میں سے بعض وہ ہیں جنہوں نے لِیَعْلَمَ کی ضمیر کا مرجع شوہر زن کو بتلایا ہے اور

معنی یہ بتلائے ہیں کہ گو آج میں اقبال گناہ کر رہی ہوں مگر اس اقبال سے بھی میرے شوہر کو اس قدر معلوم ہو جائے کہ اقبال کنندہ عورت نے اپنے شوہر کی خیانت تو نہیں کی تھی۔

ہم کو اس سے اتفاق نہیں اور اس کا فیصلہ آسان ہے کیونکہ اس لِیَعْلَمَ سے پیشتر (۱) ﴿اَنَا رَاوَدْتُّهٗ﴾ (۲) ﴿اِنَّهٗ لَمِنَ الصّٰدِقِیْنَ﴾ کے جملے موجود ہیں اور ہر دو جگہ ان ضمائر کا مرجع سب ہی علمائے کرام نے یوسف علیہ السلام کو بتلایا ہے۔ پس لِیَعْلَمَ کا مرجع بھی وہی ہیں۔

اقبال جرم

غالباً بعض صاحبان کے لیے یہ امر تعجب خیز معلوم ہوا کہ امرأۃ العزیز کو اقبال جرم کی ضرورت ہی کیا تھی؟

لیکن یہ امر کچھ بھی حیرت خیز نہیں۔ خود ہمارا تجربہ ہے کہ بیسیوں ملزم ہمارے سامنے ایسے آئے جنہوں نے قتل اور ڈکیتی جیسے سنگین مقدمات میں صاف صاف اقبال جرم کیا تھا۔ حالانکہ اُن سے ایسے اقبال کے قلم بند کرنے سے پیشتر یہ دریافت کر لیا جاتا تھا کہ وہ کسی جبر واکراہ یا امید غلط پر تو مبنی نہیں اور اسے یہ بھی بتا دیا جاتا تھا کہ اس کا اقبال اس کے خلاف استعمال ہو سکے گا۔ ایسے اقبال کی اصلی وجہ تب سمجھ میں آتی ہے جب کوئی شخص فطرت انسان کی بناوٹ پر غور کرتا ہے۔

فطرت انسانی پاک و صاف واقع ہوئی ہے اور جب کسی بشر سے کوئی جرم کسی وجہ سے صادر ہو جاتا ہے۔ تب فطرت سلیمہ اسے ملامت کیا کرتی ہے۔ بعض اوقات یہ ملامت و نفرین اس قدر پر زور ہو جاتی ہے کہ مجرم انسان اپنے ضمیر کی نفرین سے رہائی حاصل کرنے کو زیادہ ضروری اور مقدم سمجھتا ہے اور اس کے مقابلہ میں اس قید یا تکلیف کی پرواہ نہیں کرتا۔ جس کا گمان بطور نتیجہ اقبال جرم ہو سکتا ہے۔

دوسری وجہ جو اس سے درجہ دوم پر ہے۔ یہ ہے کہ جب مجرم کے لیے انکار کی تمام راہیں بند ہو جاتی ہیں تو وہ اقبال جرم ہی میں آسودگی خیال کرتا ہے۔

امرأۃ العزیز کے اقبال کو دیکھو کہ اس کا بیان اس کی تمام سہیلیوں کے بعد ہوا ہے۔ اس

نے دیکھ لیا کہ سہیلیوں کی تمام شہادت متفقہ ہے اور ان سب نے یوسف صدیق علیہ السلام کو ایسا پاک، ایسا عفیف بتلایا ہے کہ روئت و مشاہدہ کا توڑ کر کیا۔

اُن کے خلاف اپنے علم میں بھی کسی بری بات کے ہونے کی نفی کر دی ہے۔ ایسی صورت میں امرأۃ العزیز نے دیکھ لیا کہ اب اقبال جرم سے کوئی مفر و چارہ نہیں۔

اقبال پر پورا غور کرو! وہ ﴿ اَلْـئٰنَ حَصْحَصَ الْحَقُّ ﴾ [۱۲/ یوسف:۵۱] کہتی ہے اور اس سے یہی وجہ دوم آشکار ہو جاتی ہے۔ من بعد اس کے بیان کے آخری حصہ کو دیکھو جس میں وجہ اول کا بھی سایہ نظر آتا ہے۔

﴿ اَنَا رَاوَدْتُّهٗ عَنْ نَّفْسِهٖ وَ اِنَّهٗ لَمِنَ الصّٰدِقِيْنَ ﴾ [۱۲/ یوسف:۵۱] پر وہ لوگ زیادہ غور کریں جو آیت وَ هَمَّ بِهَا کی تفسیر کرتے ہوئے ایسے افعال و حرکات کو یوسف علیہ السلام کے نفس قدسی سے منسوب کیا کرتے ہیں، جن افعال و حرکات کا یہ خود اپنے سے منسوب ہونا بھی اپنی کسر شان سمجھیں گے۔ یہ دوسرا موقعہ ہے کہ عورت حضرت صدیق علیہ السلام کی پاکیزگی اور اپنے قصور کا اعتراف کرتی ہے۔ یہ اعتراف سر دربار ہے۔ پہلے موقعہ کا اعتراف وہ ہے، جب اس عورت نے اپنی سہیلیوں میں یہ بات کہی تھی ﴿ وَ لَقَدْ رَاوَدْتُّهٗ عَنْ نَّفْسِهٖ فَاسْتَعْصَمَ ﴾ [۱۲/ یوسف:۳۲] کیا اب بھی یہ لوگ اپنے فہم کی غلطی کو تسلیم نہ کریں گے۔

نفس کی تعریف

﴿ اِنَّ النَّفْسَ لَاَمَّارَةٌۢ بِالسُّوْٓءِ ﴾ [۱۲/ یوسف:۵۳]

واضح ہو کہ نفس نام ہے شہوت اور غضب کے مجموعہ کا اور جہاں یہ دو بلائیں جمع ہوں وہاں کیا ہوگا؟ ہر قسم کی بدی کی تحریک، ہر طرح کی برائی کا شوق و اقدام۔

جہل و علم اور ظلم و عدل

وجہ یہ ہے کہ نفس کی ترکیب جہل و ظلم سے ہوئی ہے۔ معالجہ نفس میں ضروری ہے کہ جہل کا مقابلہ علم سے اور ظلم کا عدل سے کیا جائے۔

نفس امارہ

نفس کی تین حالتیں ہیں:

(الف) جب کہ وہ اصلی حالت میں ہو۔ اس وقت انواع شہوت اور اقسام غضب کی ہر ایک نوع، ہر ایک قسم زور پر ہوتی ہے۔ اسی کو "نفس امارہ" کہتے ہیں۔

(ب) جب علم کا جہل پر اور عدل کا ظلم پر غلبہ ہو۔ اس وقت یہ نفس خود اپنے آپ کو برا کہنے والا۔ اپنے ضمیر سے ندامت اٹھانے والا، خود اپنی نظر میں ذلیل نظر آنے والا ہوتا ہے یہی وہ حالت محمودہ ہے۔

نفس لوامہ

جو جملہ محاسن کی بنیاد و اساس ہے۔ اسی کو نفس لوامہ کہتے ہیں۔

(ج) جب نفس اپنے نقصان و خسران سے آگاہ ہو جاتا ہے۔

نفس مطمئنہ

جب اس میں مالک نفس کی عظمت و جلال کا نور سایہ فگن ہو جاتا ہے اس وقت وہ ہر ایک قلق و اضطراب سے دور ہو جاتا ہے اور لذائذ نفسانی سے نفرت کرنے لگتا ہے۔ اپنی تمام تر مسرت و شادمانی اسی میں سمجھتا ہے کہ اپنی خواہشات کو رضاء مولیٰ پر قربان کر دے اور تسلیم و توکل کے میدان میں گامزن ہو کر منصب ارتضےٰ تک پہنچ جائے۔ اسی کا نام "نفس مطمئنہ" ہے۔

اعترافِ گناہ معہ عذرِ گناہ

امرأۃ العزیز نے اعتراف گناہ کے ساتھ عذر گناہ بھی بیان کر دیا اور وہ یہ کہ اس میں بھی نفس ہے! اور نفس ہی کے خواص میں سے ہے کہ وہ بدی ہی پر برانگیختہ کیا کرتا ہے۔

﴿ اِلَّا مَا رَحِمَ رَبِّیْ ﴾ میں حضرت یوسف علیہ السلام کی طرف مخفی اشارہ ہے۔ یہ اشارہ درست ہے اور یہی بات اس عورت کے عذر کو قوی بنانے والی ہے کہ نفس کے آہنی پنجہ سے صرف وہی لوگ بچ سکتے ہیں جن کو رحمت ربانی نے بچا لیا ہو۔ آیت میں تعمیم ہے اور اس لیے ہر شخص کو لازم ہے کہ شرور نفس سے بچاؤ کے لیے رحمت ربانیہ کا سوال کیا کرے۔

اس واقعہ کا خاتمہ اللہ تعالیٰ کے دو اسماء حُسنیٰ غفور و رحیم پر کیا گیا ہے۔ اور اس سے سب گنا ہگاروں کے لیے بڑی بشارت ہے۔

امراۃ العزیز کی جوانی اور نکاح یوسف علیہ السلام میں آنے کی داستان صحیح نہیں

قرآن پاک میں اب اس عورت کا کوئی ذکر نہ آئے گا، لوگوں نے بنالیا ہے کہ پھر یہ عورت از سرنو جوان بنائی گئی تھی، پھر یوسف صدیق علیہ السلام کے نکاح میں آ گئی تھی۔ مگر اس امر کے ثبوت میں کوئی صحیح روایت اسلامی یا اسرائیلی موجود نہیں۔

امام رازیؒ نے تفسیر میں تحریر فرمایا ہے کہ یہی امراۃ العزیز حضرت یوسف علیہ السلام کے دونوں فرزندوں منسی و فرائیم [1] کی والدہ ہے لیکن توراۃ سے اس قیاس کی تردید ہوتی ہے۔

زوجہ یوسف علیہ السلام کا نام اور خاندان

کتاب پیدائش ۴۱ باب ۵۰ تا ۵۲ درس میں تو یہ ہے کہ حضرت یوسف علیہ السلام نے شہر اُون کے کاہن مسمی فوطی فرع کی دختر مسماۃ آس ناتھ سے نکاح کیا تھا اور مذکورہ بالا ہر دو پسر اسی کے بطن سے ہیں۔ ہمارے علما بزرگ کو غالباً اس لیے مغالطہ ہوا کہ العزیز کا نام فوطی فار تھا اور اس کاہن کا نام فوطی فرع تھا۔ یہ دونوں نام بہت زیادہ مشتبہ الصوت ہیں لیکن جب مورّخ غور کرے گا تو اسے معلوم ہو جائے گا کہ ان دونوں کی شخصیت میں بہت بڑا فرق ہے۔

فوطی فرع کاہن تھا یعنی امام مذہب، اس کی دختر کنواری تھی، اس کا نام آس نارتھ تھا۔ فوطی فار فرعون کے جلو داروں کا سردار تھا، اس کی عورت بیوہ یا مطلقہ ہو سکتی ہے، اس کا نام لوگوں نے زلیخا یا راعیل بتایا ہے، پھر یہ دونوں عورتیں ایک کیونکر سمجھی جا سکتی ہیں۔

استدلال بالا کے بعد (جو تاریخی ہے اور بائیبل کی تصدیق سے مضبوط ہے) ہم یہ بھی لکھ دینا چاہتے ہیں کہ ﴿وَالطَّيِّبَٰتُ لِلطَّيِّبِينَ﴾ اور ﴿الْخَبِيثَٰتُ لِلْخَبِيثِينَ﴾

[1] توراۃ میں ہے کہ منسی نام اس لیے رکھا کہ خدا نے مجھے میری مصیبت فراموش کرادی اور فرائیم نام اس لیے رکھا کہ خدا نے مجھے ثمردار بنایا۔ یہ دونوں لڑکے آغاز قحط سے پہلے پیدا ہو چکے تھے۔ (محمد سلیمان)

[۲۴/النور:۲۶] کا اصول ایسا زبردست ہے جو ناممکن ٹھہراتا ہے کہ کسی نبی یا رسول کے پہلو میں ایسی عورت پائی جائے جو حیا باختہ ہو۔

امرأة لوط، امرأة نوح

امرأة لوط اور امرأة نوح بھی ہم کو یاد ہیں۔ ان دونوں کی خیانت کا ذکر ہے کہ انہوں نے اپنے میکے والوں کو اور اپنی قوم کو اپنے اپنے شوہر کے خلاف مدد کی تھی، لیکن ان دونوں عورتوں کی عصمت کے خلاف تو کسی روایت میں ایک حرف بھی موجود نہیں۔

ہاں اُمرأة لوط اور امرأة نوح کے حالات سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ اُن سے جب ایک جرم صادر ہوا۔ تب عتاب الٰہی نے اسی وقت ان کو پکڑا اور دنیا ہی میں اور ان کے شوہروں کی آنکھوں کے سامنے ان پر عذاب بھیجا اور ذرا بھی مہلت نہ دی کیونکہ نبی کی خیانت ایسے ہی تعجیل عذاب کی مستوجب ہے۔ یہاں حضرت یوسف علیہ السلام کے قصہ میں تمام صورت معاملہ ہی بگڑ جاتی ہے۔

امرأة العزیز کی اخلاقی صورت

یہ ایک عورت جو منکوحہ ہے۔ پھر بھی کسی دوسرے جوان کو چاہتی ہے اور جب اپنی تمام تدبیروں میں ناکام رہ جاتی ہے، تب پاک معصوم نبی کو زندان خانہ میں بھیج دیتی ہے اور پھر سالہا سال تک کبھی بھی ان کی مصیبت کو یاد نہیں کرتی۔ کیا ایسی عورت نبی کے پہلو میں بیٹھنے کی اہل ہوسکتی ہے؟

ہرگز نہیں۔

بعض نیک دل انسان یہ سمجھ کر کہ اس عورت نے ایک نبی اللہ کے ساتھ اپنا دل لگایا تھا۔ نہ صرف اس کے افعال سے درگزر ہی پر اکتفا کرتے ہیں بلکہ اسے خوبی میں بھی شمار کرتے ہیں۔ بہتر ہے کہ یہ لوگ عشق نفسانی اور محبت ایمانی میں فرق کرنا سیکھ جائیں۔

عشقِ نفسانی اور محبتِ ایمانی

اول مہاجراۃ وانصاریات کے حالات پڑھو کہ ان کو سیدنا و مولانا محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی

ذات قدسی کے ساتھ کیسی محبت صادقہ وایمانیہ تھی۔ بیسیوں نے عزیز واقارب کو چھوڑا، وطن ترک کیا، دشمنان دین کے ہاتھوں سخت سے سخت عذاب سہے مگر حضور کی محبت میں ایک قدم بھی پیچھے نہ ہٹیں۔ بیسیوں وہ ہیں جنھوں نے خوشی خوشی جوان بیٹوں کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر نثار ہونے کے لیے میدان جنگ میں بھیج دیا اور جب اُن کے شہید ہو جانے کی خبر ملی تو سجدۂ شکر ادا کیا۔

کوئی ایسی کاملہ ملے گی کہ پدر وشوہر اور فرزند و برادر ایک ہی دن میں جنت کو سدھار گئے ہیں مگر وہ رخ زیبائے نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کی مشتاق جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے جمال سے آنکھیں روشن کر لیتی ہے تو نہایت ملنت وثبات کے لہجہ میں بول اٹھتی ہے۔ ﴿كُلُّ مُصِيبَةٍ بَعْدَكَ جَلَلٌ﴾ ”حضور صلی اللہ علیہ وسلم صحیح وسلامت ہیں تو اب ہر ایک مصیبت کی برداشت آسان ہے۔“

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا حسنِ مردانہ

اب نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے حسن مردانہ کا بھی تصور کرو۔ جو اس درجۂ کمال پر تھا جس سے برتر کوئی درجہ نہیں ہوسکتا۔

ترمذی و دارمی کی حدیث عن جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ کو پڑھو۔ وہ فرماتے ہیں کہ چودھویں رات کا چاند پوری روشنی میں تھا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم چاندنی میں لیٹے ہوئے تھے۔ میں کبھی چاند کو دیکھتا تھا اور کبھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے رخ انور پر نظر ڈالتا تھا۔ مجھے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہی کا چہرہ زیادہ روشن نظر آیا۔

ربیع بنت معوذ صحابیہ رضی اللہ عنہا کی حدیث پڑھو۔ اُن سے عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ کے پوتے نے دریافت کیا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا حسن کیا تھا؟ تو جواب میں اس پیکر عصمت نے فرمایا: ﴿لَوْ رَأَيْتَهُ رَأَيْتَ الشَّمْسَ طَالِعَةً﴾ ”اگر تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھ پاتا تو سمجھتا کہ سورج نکل رہا ہے۔“

انس بن مالک رضی اللہ عنہ کی حدیث کو بھی (جو صحیحین وترمذی) پڑھ جاؤ۔

((وَ لَا مَسِسْتُ خَزًّا وَ لَا حَرِيرًا وَ لَا شَيْئًا كَانَ أَلْيَنَ مِنْ كَفِّ رَسُوْلِ اللهِ صلی اللہ علیہ وسلم وَ لَا شَمِمْتُ مِسْكًا قَطُّ وَ لَا عَنْبَرَةً كَانَ

اَطْيَبَ مِنْ رَائِحَةِ النَّبِيِّ ﷺ)) ❶

''میں نے ریشم کا کوئی دبیز یا باریک کپڑا ایسا کوئی نہیں چھوا، جو نبی ﷺ کی کف دست (ہتھیلی) سے زیادہ نرم ہو۔ میں نے کوئی کستوری یا عنبر ایسا نہیں سونگھا، جو نبی ﷺ کے جسد مبارک کی خوشبو سے زیادہ پاکیزہ ہو۔''

امرأة العزیز، مومنات اور امت محمدیہ کا تقابل

مومنات کے اس محبت صادقہ اور حضور ﷺ کے اس حسن کاملہ کے علم کے بعد اب آپ دیکھئے کہ کیا کسی مسلم منکوحہ عورت نے حضور ﷺ کے سامنے ان الفاظ کا استعمال کیا جو امرأۃ العزیز کے منہ سے یوسف صدیق علیہ السلام کے سامنے نکلے تھے؟ ہرگز نہیں۔

اس تقابل سے پتا لگ جائے گا کہ حب ایمانیہ اور ہی شے ہے اور خواہش نفسانیہ اور ہی شے۔ اور یہی وجہ امتیاز ہے جو صحابیت کے درجہ کو بلند کردیتی ہے اور امرأۃ العزیز کو پست ٹھہراتی ہے۔

المختصر یہ یاد رکھئے کہ ایسی کوئی روایت صحیحہ موجود نہیں کہ امرأۃ العزیز کا نکاح یوسف صدیق علیہ السلام سے ہوا تھا۔

☆☆☆

❶ بخاری، کتاب المناقب، رقم: ۳۵۶۱۔ مسلم، کتاب الفضائل باب طیب ریحہ ﷺ، رقم: ۶۰۵۳، ۶۰۵۴۔

فصل

یوسف علیہ السلام کا دربار شاہی میں پہنچنا اور نائب السلطنت مقرر ہونا

﴿وَ قَالَ الْمَلِکُ ائْتُوْنِیْ بِہٖۤ اَسْتَخْلِصْهُ لِنَفْسِیْ ۚ فَلَمَّا کَلَّمَهٗ قَالَ اِنَّکَ الْیَوْمَ لَدَیْنَا مَکِیْنٌ اَمِیْنٌ﴾ [۱۲/ یوسف:۵۴]

''اب (تحقیقات کے بعد) بادشاہ نے کہا کہ اسے میرے پاس لاؤ۔ میں اسے خاص اپنا بناؤں گا۔ (حضرت آ گئے) جب بادشاہ کی اُن سے بات چیت ہوئی تب بادشاہ نے کہا کہ تم آج سے ہمارے پاس عزت وحفاظت سے رہا کرو گے۔''

﴿اَسْتَخْلِصْهُ لِنَفْسِیْ﴾ کے الفاظ پر غور کرو۔ پہلی دفعہ بادشاہ نے صرف ﴿ائْتُوْنِیْ بِہٖ﴾ کے الفاظ کہے تھے۔ اس دفعہ اسے یہ الفاظ اور بھی ایزاد کرنے پڑے۔ یہ یوسف علیہ السلام کے صبر کا نتیجہ اور معصومیت کا ثمرہ ہے کہ منکرین کی نگاہوں میں بھی ان کا ادب و وقار اس درجہ بڑھ گیا۔

اہل ایمان خلوص کے معنی پر غور کریں

اہل توحید کو ﴿اَسْتَخْلِصْهُ لِنَفْسِیْ﴾ کے الفاظ پر مکرر غور کرنا چاہیے کہ جب ایک دنیاوی بادشاہ کی آرزو یہ ہے کہ اس کا وزیر یا مصاحب خالص اسی کا بن کر رہے تو اس شہنشاہ حقیقی کو کس قدر زیادہ حق ہے کہ وہ اپنے بندہ کو خالص اپنا ہی بندہ دیکھنا چاہتا ہے۔

یہی راز ہے جس کی وجہ سے اللہ تعالیٰ شرک کو گوارا نہیں کر سکتا۔

﴿قَالَ اجْعَلْنِیْ عَلٰی خَزَآئِنِ الْاَرْضِ ۚ اِنِّیْ حَفِیْظٌ عَلِیْمٌ﴾ [۱۲/ یوسف:۵۵]

---

1 جو لوگ مصر جاتے ہیں ان کو ایک چاہ دکھلایا جاتا ہے جس کا نام بئر یوسف ہے اور کہا جاتا ہے کہ یہی زندان یوسف علیہ السلام تھا۔ یہ بات غلط ہے یہ چاہ تو صلاح الدین یوسف رحمہ اللہ کا بنوایا ہوا ہے اور اب اس کے بغلی کمرے مرمت طلب ہیں۔

''یوسف علیہ السلام نے کہا مجھے ملک کے خزانوں کا سردار بنادے میں حفیظ و علیم ہوں۔''

طلب منصب، بلند ہمت مفت خور نہیں ہوتے

اس آیت سے معلوم ہوا کہ یوسف علیہ السلام نے درخواست کر کے ایک غیر مسلم بادشاہ کی ملازمت کو حاصل کیا۔اس درخواست سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ یوسف علیہ السلام کی بلند ہمت نے کام کے بغیر بادشاہ کی نعمت و دولت سے استفادہ حاصل کرنے کو پسند نہیں فرمایا۔ نیز اس سے ایسی ملازمت کا جواز بھی نکل آیا۔

اس آیت سے یہ بھی معلوم ہوا کہ تعریف و شناخت کے مواقع میں اپنے ضروری اور صحیح اوصاف کا اظہار جائز ہے۔مگر یاد رکھنا چاہیے کہ بلا ضرورت جو لوگ ایسا کرتے ہیں وہ خودستائی میں داخل ہیں اور اس سے وہ لوگ بے وقوف سمجھے جاتے ہیں۔خزانوں کا سب سے بڑا افسر عموماً وزیر اعظم ہی ہوا کرتا ہے۔ یوسف علیہ السلام کی مراد بھی اسی منصب سے تھی۔

وزیر خزانہ کے اوصاف

حفیظ ہونا اس لیے فرمایا کہ سردار خانہ کو سب سے پہلے ابواب آمدنی کی پوری پوری واقفیت ہونی چاہیے۔اسے معلوم ہونا چاہیے کہ کیوں کر مالی حالت کو پائیدار و مستحکم کیا جا سکتا ہے۔

علیم اس لیے فرمایا کہ سردار خزانہ کو ابواب مصارف کا بھی پورا پورا علم ہونا چاہیے۔وہ ضروریات سلطنت کو سمجھتا ہو وہ نہایت ضروری اور ضروری اور غیر ضروری میں فرق و امتیاز کر سکتا ہو۔جب کوئی وزیران ہر دو صفات کا جامع ہوگا تو وہ صحیح طور پر ملک کو آباد وشاداب اور بارونق اور خزائن کو معمور کر سکے گا۔

بادشاہ نے یوسف علیہ السلام کو شاہانہ اختیارات دیدیے

توراۃ میں ہے کہ یہ درخواست فوراً منظور کر لی گئی۔بادشاہ نے اپنی انگشتری اُن کو

پہنائی، اپنا لباس دیا، سواری دی، ان کا شاہانہ جلوس نکالا گیا، ان کا لقب "جہاں پناہ" رکھا گیا اور اس حکم کا اعلان کیا گیا کہ جملہ اختیارات شاہی ان کو حاصل ہوں گے۔ اس وقت یوسف صدیق کی عمر تیس سال کی تھی۔ (کتاب پیدائش باب ۴۱)

انعامات و احسانات الٰہی

قرآن پاک کی آئندہ آیت سے اس تفصیل کی تائید ہوتی ہے:

﴿ وَكَذٰلِكَ مَكَّنَّا لِيُوْسُفَ فِي الْاَرْضِ ۚ يَتَبَوَّاُ مِنْهَا حَيْثُ يَشَاۗءُ ۭ نُصِيْبُ بِرَحْمَتِنَا مَنْ نَّشَاۗءُ وَلَا نُضِيْعُ اَجْرَ الْمُحْسِنِيْنَ ۝ وَلَاَجْرُ الْاٰخِرَةِ خَيْرٌ لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَكَانُوْا يَتَّقُوْنَ ۝ ﴾ [۱۲/ یوسف:۵۶-۵۷]

"اور ہم نے اس طرح سے یوسف علیہ السلام کو ملک بھر میں اقتدار دیا۔ وہ جس طرح چاہتا تھا اس میں رہتا تھا۔ یہ ہماری رحمت کا حصہ ہے۔ جسے ہم چاہتے ہیں اور ہم احسان کرنے والوں کے اجر ضائع نہیں کرتے اور آخرت کا اجر تو ایمان اور تقویٰ والوں کے لیے بہت بہتر ہے۔"

نا اہل لوگ حکومت کو برا بنا دیتے ہیں

ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے حکومت و اقتدار کو اپنی رحمت بتلایا ہے اور پھر وعدۂ آخرت بھی اس کے ساتھ شامل ہے۔ اس سے واضح ہو جاتا ہے کہ حکومت بجائے خود کوئی بری شے نہیں، لیکن نا اہل لوگوں کے پاس آ کر وہ ضرور بری بن جاتی ہے۔ آیت استخلاف میں بھی حکومت و اقتدار کا ذکر ایمان اور عمل صالح کے نتیجہ کے طور پر فرمایا گیا اور اس آیت میں مَكَّنَتُ فِي الْاَرْضِ کا بھی ذکر کیا گیا ہے۔ وہ آیت یہ ہے:

﴿ وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الْاَرْضِ كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ۠ وَلَيُمَكِّنَنَّ لَهُمْ دِيْنَهُمُ الَّذِي ارْتَضٰى لَهُمْ ﴾ [۲۴/ النور:۵۵] [1]

---

[1] یہ یاد رکھنا چاہیے کہ امت محمدیہ میں خلافت راشدہ کے متعلق یہی ایک آیت ہے اور یہ آیت خلافت راشدہ کے جملہ صفات کی جامع ہے۔

"اللہ نے تم میں سے ایمان اور عمل صالح والوں کے ساتھ وعدہ کیا ہے کہ اُن کو اَلْاَرْض کا خلیفہ بناؤں گا۔ جیسا کہ ان سے پہلوں کو خلیفہ بنایا تھا اور میں اس دین کو بھی ان کے لیے مکنت وثبات دوں گا۔ جس دین کو میں ان کے لیے پسند کر چکا ہوں۔"

فصل

برادران یوسف کا مصر آنا۔ غلہ لے جانا

بن یامین کو ساتھ لانے کا وعدہ کرنا

﴿ وَجَآءَ اِخْوَةُ یُوْسُفَ فَدَخَلُوْا عَلَیْهِ فَعَرَفَهُمْ وَ هُمْ لَهٗ مُنْكِرُوْنَ ○ وَلَمَّا جَهَّزَهُمْ بِجَهَازِهِمْ قَالَ ائْتُوْنِیْ بِاَخٍ لَّكُمْ مِّنْ اَبِیْكُمْ اَلَا تَرَوْنَ اَنِّیْۤ اُوْفِی الْكَیْلَ وَ اَنَا خَیْرُ الْمُنْزِلِیْنَ ○ فَاِنْ لَّمْ تَاْتُوْنِیْ بِهٖ فَلَا كَیْلَ لَكُمْ عِنْدِیْ وَ لَا تَقْرَبُوْنِ ○ قَالُوْا سَنُرَاوِدُ عَنْهُ اَبَاهُ وَ اِنَّا لَفٰعِلُوْنَ ○﴾ [۱۲/ یوسف:۵۸تا۶۱]

"یوسف علیہ السلام کے بھائی آئے اور اس کے سامنے پیش ہوئے۔ یوسف علیہ السلام نے ان کو پہچان لیا۔ مگر انہوں نے اسے نہ پہچانا۔ جب یوسف علیہ السلام نے ان کا سامان درست کر دیا۔ تب یوسف نے اُن سے کہا کہ تم اپنے بھائی کو جو تمہارے باپ کا بیٹا ہے۔ میرے پاس لانا، کیا تم نے نہیں دیکھا کہ میں پورے ناپ کا غلہ دیتا ہوں اور میں اچھی مہمانی بھی کرتا ہوں۔ لیکن اگر تم اسے نہ لاؤ گے۔ تب تمہارے لیے میرے پاس غلہ نہیں اور تم میرے پاس بھی نہ آنا۔ وہ بولے کہ ہم اسے اس کے باپ سے پھسلائیں گے اور ہم یہ کام ضرور کر لیں گے۔"

﴿ جَهَّزَهُمْ بِجَهَازِهِمْ ﴾ لغت میں جَهَاز کا استعمال میت، عروس اور مسافر کے لیے ہوتا ہے۔ جَهَاز میں وہ جملہ سامان جس کی اشخاص بالا کو ضرورت ہوتی ہے داخل ہے۔ پس فقرہ ہذا کے معنی یہ ہوئے کہ جب اُن کے سفر کا سب سامان مکمل کر دیا۔

﴿ فَدَخَلُوْا عَلَیْهِ ﴾ محاورہ ہے۔ دَخَلَ عَلَی السُّلْطَانِ حاجت لیکر سلطان کے سامنے گیا۔

یوسف علیہ السلام نے بن یامین کی ہستی کا اقرار کیونکر بھائیوں سے لیا

بعض مفسرین رحمہم اللہ نے اس بات کے لیے کہ یوسف علیہ السلام نے کیونکر اپنے بھائیوں کے منہ سے یہ اقرار لے لیا تھا کہ اُن کا ایک بھائی اور بھی ہے، بہت سی کہانیاں بیان کی ہیں مگر توراۃ کا بیان بالکل سادہ ہے۔

کتاب پیدائش ۴۳ باب ۶ و ۷ میں ہے۔ یعقوب علیہ السلام نے اُن کو کہا کہ تم نے حاکم کو کیوں بتلایا کہ ہمارا اور بھائی بھی ہے۔ تو انہوں نے کہا کہ اس نے ہمارے کنبہ کا حال پوچھا اور باتوں کے سرشتہ میں ہم نے یہ بھی کہہ دیا۔

﴿ وَ قَالَ لِفِتْيٰنِهِ اجْعَلُوْا بِضَاعَتَهُمْ فِيْ رِحَالِهِمْ لَعَلَّهُمْ يَعْرِفُوْنَهَاۤ اِذَا انْقَلَبُوْۤا اِلٰۤى اَهْلِهِمْ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُوْنَ۝﴾ [۱۲/یوسف:۶۲]

"یوسف علیہ السلام نے اپنے غلاموں سے کہہ دیا کہ ان کا مال اُن کی خُرجیوں میں رکھ دینا تا کہ جب یہ اپنے گھروں میں پہنچیں، تو پہچان لیں تا کہ یہ دوبارہ بھی یہاں آئیں۔"

لِفِتْيٰنِهِ: فتی کی جمع ہے۔ فتیہ اور افتوہ بھی اس کی جمع ہے۔ اصل لغت میں فتی نوجوان، سخی معزز شخص کو کہتے ہیں اور مجازاً غلام کو۔ اس جگہ یہی مراد ہے۔

بِضَاعَتٌ: مال کا وہ حصہ، جو تجارت کے لیے خاص کر دیا گیا ہو۔ سرمایہ۔

رِحَالٌ: رحل کی جمع ہے۔ اس کی جمع اَرْحُلٌ بھی آتی ہے۔ رَحْلٌ، خُرجی۔ جس میں مسافر اپنا سامان رکھے۔

یہ مثل مشہور ہے کہ اپنا گھر سو کوس سے نظر آتا ہے۔ بھائیوں کی مالی حالت یوسف علیہ السلام کو بخوبی معلوم تھی۔ انہوں نے اندازہ کر لیا تھا کہ بھائی جو کچھ لائے ہیں۔ اس سے زیادہ ان کے پاس اور کچھ نہیں ہو سکتا۔ اس لیے انہوں نے احسان اور صلہ رحمی فرما کر ان کا مال واپس کر دیا اور حقیقی بھائی کے بلانے کی زبردست تحریک و تدبیر بھی فرمائی۔

اس غیر ضروری بحث میں نہیں پڑنا چاہیے کہ شاہی غلہ کی قیمت کیونکر ادا ہوئی؟ خدا کا نبی سب سے بڑھ کر امین ہوتا ہے۔

﴿ فَلَمَّا رَجَعُوْٓا اِلٰٓى اَبِيْهِمْ قَالُوْا يٰٓاَبَانَا مُنِعَ مِنَّا الْكَيْلُ فَاَرْسِلْ مَعَنَآ اَخَانَا نَكْتَلْ وَ اِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ﴾ [۱۲/ یوسف:۶۳]

''جب وہ باپ کے پاس لوٹ کر گئے، تب بولے، اے ہمارے باپ! ہمارا تو غلہ روک دیا گیا، ہمارے بھائی کو بھیجئے تا کہ ہم غلہ لے سکیں اور ہم اس کی حفاظت پوری پوری کریں گے۔''

ان لوگوں کے مزاج عجب واقع ہوئے تھے۔ غلہ لانے میں جو کامیابی ہوئی سفر جس خیر و عافیت سے پورا ہوا۔ حاکم نے جس عزت و احترام سے اُن کی مہمانی کی۔ اس کا کوئی ذکر نہیں کرتے۔ پہلی بات جو گھر پہنچتے ہی باپ سے کہتے ہیں۔ وہ یہ ہے کہ ہم کو تو غلہ ملنا بند ہو گیا۔

یہاں سے یہ نتیجہ ملتا ہے کہ حرص مفرط انسان کی تمام خوبیوں کو مغلوب کر لیتی ہے۔

﴿ قَالَ هَلْ اٰمَنُكُمْ عَلَيْهِ اِلَّا كَمَآ اَمِنْتُكُمْ عَلٰٓى اَخِيْهِ مِنْ قَبْلُ فَاللّٰهُ خَيْرٌ حٰفِظًا وَّ هُوَ اَرْحَمُ الرّٰحِمِيْنَ۝﴾ [۱۲/ یوسف:۶۴]

''یعقوب علیہ السلام نے کہا: کیا میں تم پر بنیامین کی بابت ویسا ہی بھروسہ کر لوں جیسا کہ قبل ازیں اس کے بھائی کی بابت بھروسہ کر چکا ہوں۔ پس خدا ہی بہتر حفاظت کرنے والا ہے اور وہی سب رحم کرنے والوں سے بڑھ کر رحم کرنے والا ہے۔''

﴿ اَرْحَمُ الرّٰحِمِيْنَ﴾: رحم کے معنی: دل سوزی، شفقت، عطوفت ہیں۔ حدیث شریف میں ہے ((اِنَّ اللّٰهَ اَرْحَمُ بِعِبَادِهٖ مِنْ هٰذِهٖ بِوَلَدِهَا)) [1] ''ماں کو بچہ کے ساتھ اتنا پیار نہیں، جتنا اللہ کو اپنے بندوں سے ہے۔''

ارحم الراحمین اس جگہ اور سورہ اعراف و انبیاء میں بھی آیا ہے۔ سورہ مومنون میں خیر الراحمین ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی مشہور دعا میں بھی جو ۱۰ھ کے سفر طائف سے واپس ہوتے ہوئے فرمائی تھی۔ یہ اسم مستعمل ہوا ہے فرمایا:

((اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَشْكُوْا اِلَيْكَ ضُعْفَ قُوَّتِیْ وَ قِلَّتَ حِيْلَتِیْ وَ

[1] بخاری، کتاب الادب باب رحمة الولد وتقبیله رقم: ۵۹۹۹۔ مسلم، کتاب التوبة، باب فی سعة رحمة اللہ تعالیٰ، رقم: ۶۹۷۸۔

هَوَانِیْ عَلَی النَّاسِ یَا رَبَّ الْمُسْتَضْعَفِیْنَ وَ یَا اَرْحَمَ الرَّاحِمِیْنَ))
انسان کولازم ہے کہ ہر معاملہ میں اپنے آپ کو حفاظت الٰہی کے سپرد کردے اور خود کو اللہ کے رحم پر چھوڑ دے۔

جھوٹ کی برائی

یعقوب علیہ السلام کے جواب پر غور کریں۔ اس سے جھوٹ کی برائی ثابت ہوتی ہے اور وہ یہ ہے کہ آئندہ کے لیے جھوٹ بولنے والے کا اعتبار نہیں رہتا ﴿وَ اِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ﴾ کا جملہ اگرچہ علم ادب ولسان کے لحاظ سے نہایت موکد فقرہ ہے۔ لیکن یعقوب علیہ السلام اس کے کہنے والوں کا اعتبار نہیں کرتے، کیونکہ یہ وہی الفاظ ہیں جو فرزندان یعقوب علیہ السلام نے حضرت یوسف کو ساتھ لے جاتے وقت بھی استعمال کئے تھے۔ اگر لوگ جھوٹ کی اس برائی پر پورا پورا غور کرلیں کہ ایک جھوٹ سے مدتوں تک کا اعتماد جاتا رہتا ہے تو ضرور جھوٹ سے نفرت کرنے لگیں گے۔

واپس شدہ مال دیکھ کر خوشی، امنگیں

﴿وَ لَمَّا فَتَحُوْا مَتَاعَهُمْ وَجَدُوْا بِضَاعَتَهُمْ رُدَّتْ اِلَيْهِمْ قَالُوْا یٰۤاَبَانَا مَا نَبْغِیْ هٰذِهٖ بِضَاعَتُنَا رُدَّتْ اِلَيْنَا وَ نَمِيْرُ اَهْلَنَا وَ نَحْفَظُ اَخَانَا وَ نَزْدَادُ كَيْلَ بَعِيْرٍ ذٰلِكَ كَيْلٌ يَّسِيْرٌ﴾ [۱۲/یوسف:۶۵]

''اور جب انہوں نے اپنے سامان کو کھولا تو پایا کہ اُن کا مال واپس کر دیا گیا ہے۔ تب سب نے کہا: اے ابا! اور ہم کو کیا چاہیے یہ ہمارا مال ہمیں واپس کر دیا گیا۔ اب ہم اپنے کنبہ کے لیے اور غلہ لائیں گے اور اپنے بھائی کی حفاظت کریں گے اور ایک اونٹ کے بوجھ کا غلہ زیادہ حاصل کریں گے کیونکہ جتنا اناج آیا ہے وہ تھوڑا ہے۔''

مَتَاع: ہر ایک وہ چیز جس سے انسان فائدہ حاصل کرے۔ یہاں مراد غلہ ہے۔

نَبْغِی: بَغَاهُ، يَبْغِيْهِ. بَغَاةً کے معنی ہیں طَلَبَهٗ.

هٰــذِہٖ: حرف ہا اور ذہ سے مرکب ہے۔ ذہ اسم مؤنث قریب کے لیے ہے۔ ہا تنبیہ اس پر ایزاد ہوگئی ہے۔

نمِیْرُ: یَمِیْرُ ،مَارَ ،مِیْرًا کنبہ کے پاس طعام یا دوا لے کر آیا۔

میر۔طعام۔ضرب المثل ہے۔ مَا عِنْدَہٗ خَیْرًا وَ لَا مَیْر

بَعِیْر: اونٹ کے لیے اسم جنس ہے۔ نر مادہ دونوں کے لیے مستعمل ہے۔مثلاً بولتے ہیں:

حَلَبْتُ بَعِیْرِیْ: میں نے اپنی بعیر کا دودھ نکال لیا۔

جمل نر کے لیے، ناقہ مادہ کے لیے خاص ہے۔ بَــعِیْــر مضبوط اونٹ کے واسطے بولتے ہیں۔

معلوم ہوتا ہے کہ یوسف علیہ السلام نے فروخت غلہ کے متعلق یہ انتظام کر رکھا تھا کہ فی کس ایک بار شتر سے زیادہ نہ دیا جائے۔

یہ سبق ہے اس افسر کے لیے جو با ایام قحط تقسیم غلہ کا ذمہ دار ہو کہ شروع ہی سے ایسی مناسب مقدار مقرر کر دے جو برابر نبھ سکے۔

ابوعبیدہؓ بن الجراح کا جنگ میں فوج کیلیے تقسیم خوراک کا انتظام

اب لڑائیوں میں محصور فوجیں اسی اصول پر عمل کرتی ہیں۔ امین الامۃ ابوعبیدہ بن الجراح رضی اللہ عنہ نے سریہ سیف البحر میں اسی اصول پر ایک ماہ تک لشکر میں چھوہارے تقسیم کیے تھے۔ ایک غلط روایت عام طور پر مشہور ہے کہ یوسف علیہ السلام نے سال اول میں نقدی، سال دوم میں اسباب، سال سوم میں مکانات، سال چہارم میں اولاد، سال پنجم میں خود لوگوں کو غلامی میں لے کر غلہ دیا تھا۔ اس کی کوئی صحیح روایت نہیں۔ یہودی افسانے ہیں جو گھڑ لیے گئے ہیں۔

﴿ قَالَ لَنْ اُرْسِلَهٗ مَعَكُمْ حَتّٰى تُؤْتُوْنِ مَوْثِقًا مِّنَ اللّٰهِ لَتَاْتُنَّنِيْ بِهٖۤ اِلَّاۤ اَنْ يُّحَاطَ بِكُمْ ﴾ [۱۲/یوسف:۶۶]

”حضرت یعقوب علیہ السلام نے کہا میں اسے تمہارے ساتھ ہرگز نہ بھیجوں گا جب تک تم مجھے اللہ کی طرف سے یہ عہد نہ دو گے کہ اسے ضرور میرے پاس

لے آؤ گے۔ بجز اس کے تم سب گھیرے میں آ جاؤ۔"

جو استثناء یعقوب علیہ السلام نے قائم فرمائی۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ ہر ایک بھائی ذاتی طور پر بنیامین کی حفاظت کا ذمہ دار ہو۔ نیز یہ مطلب ہے کہ اگر کوئی آفت ہو تو ایسی عام ہونی چاہیے جو سب کے لیے ہو۔ یہ نہیں کہ یوسف کی بابت آ کر کہہ دیا کہ ہم تو دوڑ لگانے کے لیے گئے تھے اور یوسف کو بھیڑیا کھا گیا۔

﴿فَلَمَّا اٰتَوْهُ مَوْثِقَهُمْ قَالَ اللّٰهُ عَلٰى مَا نَقُوْلُ وَكِيْلٌ﴾ [۱۲/ یوسف:۶۶]

"جب انہوں نے اپنا عہد دے دیا۔ تب یعقوب علیہ السلام نے کہا۔ اللہ ہمارے قول وقرار کا وکیل ہے۔"

یعقوب علیہ السلام نے بیٹوں سے عہد لے کر تدبیر انسانی کو مکمل کیا: پھر سارے معاملہ کو اللہ تعالیٰ کے سپرد کر دینے میں شرط ایمانی کو پورا فرمایا۔

﴿وَ قَالَ يٰبَنِيَّ لَا تَدْخُلُوْا مِنْۢ بَابٍ وَّاحِدٍ وَّادْخُلُوْا مِنْ اَبْوَابٍ مُّتَفَرِّقَةٍ وَ مَاۤ اُغْنِيْ عَنْكُمْ مِّنَ اللّٰهِ مِنْ شَيْءٍ اِنِ الْحُكْمُ اِلَّا لِلّٰهِ عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ وَ عَلَيْهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُتَوَكِّلُوْنَ﴾ [۱۲/ یوسف:۶۷]

"حضرت یعقوب علیہ السلام نے کہا: اے میرے بیٹو! تم ایک دروازہ سے داخل نہ ہونا، الگ الگ دروازوں سے داخل ہونا۔ میں تم کو اللہ کے حکم سے تو ذرا بھی نہیں بچا سکتا۔ حکم تو صرف اللہ ہی کو حاصل ہے۔ میں نے تو اسی پر بھروسہ کیا ہے اور توکل کرنے والوں کو لازم بھی یہی ہے کہ اسی پر بھروسہ کیا کریں۔"

﴿وَعَلَيْهِ فَلْيَتَوَكَّلِ﴾ میں حرف واؤ اور حرف فا کو جمع کر دیا گیا ہے۔ واو افادہ عطف کے لیے ہے اور فا افادہ سبب کے لیے ہے۔

نظر بد

یعقوب علیہ السلام کی اس نصیحت پر کہ ایک دروازہ سے داخل نہ ہونا۔ علماء نے بہت کچھ تحریر فرمایا ہے اور اکثر نے اس کی وجہ نظر بد قرار دی ہے۔ ہم جانتے ہیں کہ نظر کا لگنا حق ہے

اور اس لیے اُس کی تدبیر کرنا بھی صحیح ہے مگر اللہ تعالیٰ نے آگے چل کر فرمایا ہے۔ ﴿اِلَّا حَاجَةً فِيْ نَفْسِ يَعْقُوْبَ﴾[۱۲/ یوسف:۶۸] اس لیے ممکن ہے کہ اس نصیحت کی علت و حکمت کچھ اور ہی ہو۔

(۱) ممکن ہے کہ یعقوب علیہ السلام نے ﴿اِلَّا اَنْ يُّحَاطَ بِكُمْ﴾[۱۲/ یوسف:۶۶] کی وسعت پر غور فرمایا ہو اور پھر سمجھا ہو کہ اگر احاطہ ہوا تو سب ہی گھیرے میں آ جائیں گے اور مصیبت کا پیمانہ بہت وسیع ہو جائے گا۔

اب ہر ایک بھائی بنیامین کی حفاظت کا ذمہ دار تو ہو ہی چکا ہے۔ اس لیے بہتر ہے کہ کوئی ایسی صورت بھی نکال دی جائے کہ کسی مصیبت کے پڑنے پر سب کے سب ہی گرفتار بلا نہ ہو جائیں۔

کسی سپہ سالار کا فوج کے مختلف حصوں کو مقام واحد کی طرف مختلف راستوں سے روانہ کرنا بھی بسا اوقات ایسے ہی خیالات پر مبنی ہوتا ہے۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی فتح مکہ کے دن عسکر ظفر پیکر کو معلے و مسفلہ کی راہوں سے داخل مکہ ہونے کا حکم دیا تھا۔

عمل بر اسباب و انقطاع از اسباب

الغرض اس ارشاد میں عمل بر اسباب کا سبق بھی ملتا ہے اور انقطاع از اسباب کی ہدایت بھی۔ خدا کے برگزیدہ اسرائیل نے اپنی حکمت و دانش سے عمل بر اسباب کا سبق دیا۔ اور مشکوٰۃ نبوت سے انقطاع از اسباب کی روشنی کو ظاہر فرمایا۔ ان ہر دو امور کا اجتماع بتلاتا ہے کہ حکمت الٰہیہ نے مسبّبات کو اسباب کے ساتھ مرتبط فرمایا ہے اور ایمان کا خاصہ یہ ہے کہ وہ بندہ کے دل کا مسبب الاسباب کے ساتھ ارتباط قائم کر دیتا ہے۔

آیت کے آخر میں توکل کا ذکر ہے۔ یعنی توکل و دعا کو تحصیل مقصود کے لیے اقرب الاسباب ٹھہرایا ہے۔

انجام توحید توکل ہے، حقیقت توحید توکل ہے

یہ یاد رکھنا چاہیے کہ انجام توحید توکل ہی ہے۔ بلکہ توکل ہی حقیقت توحید ہے۔

فصل

ابناء یعقوب کا مصر میں داخلہ، بنیامین و یوسف کا تعارف

مصر میں داخلہ، بارِ دوم

﴿ وَ لَمَّا دَخَلُوْا مِنْ حَيْثُ اَمَرَهُمْ اَبُوْهُمْ مَا كَانَ يُغْنِيْ عَنْهُمْ مِّنَ اللّٰهِ مِنْ شَيْءٍ اِلَّا حَاجَةً فِيْ نَفْسِ يَعْقُوْبَ قَضٰىهَا ؕ وَ اِنَّهٗ لَذُوْ عِلْمٍ لِّمَا عَلَّمْنٰهُ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ۠ ﴾ [۱۲/ یوسف ۶۸]

''وہ مصر میں اسی طرح داخل ہوئے جس طرح ان کے باپ نے ان کو حکم دیا تھا۔ داخلہ کا یہ حکم ان کو خدا کے کسی حکم سے کچھ نہ بچا سکتا تھا لیکن یہ ایک تدبیر تھی جو یعقوب علیہ السلام کے دل میں آئی اور اس نے اسے جاری کیا۔ یعقوب علیہ السلام تو علم کا مالک تھا ہم نے اسے علم سکھلایا تھا لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے۔''

یعقوب علیہ السلام ذو علم تھے

آیات سابقہ میں یعقوب علیہ السلام نے اپنے قول کے متعلق خود ہی فرما دیا تھا کہ یہ ایک تدبیر ہے۔ ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے بھی ان کی توثیق فرما دی ہے۔ آیات زیر تفسیر میں ﴿ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴾ قابل غور ہیں، یعنی وہ کیا چیز ہے جسے اکثر لوگ نہیں جانتے؟ امام فخر رازیؒ وغیرہ نے فرمایا ہے کہ لوگ یعقوب علیہ السلام کو ذو علم نہیں جانتے۔ لیکن یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اکثر لوگ اس بات کو نہیں جانتے کہ انبیا علیہم السلام کو براہ راست جناب احدیت سے تعلیم ملا کرتی ہے اور ان کے علوم اکتسابی نہیں ہوتے۔ ایک اور معنی لطیف بھی بیان کئے جا سکتے ہیں۔

افعال و اقوال نبی، نبوت اور بشریت کا تفاوت

انبیا علیہم السلام کی اپنے اقوال و افعال میں دو حالتیں ہیں: (الف) وہ اقوال و افعال

جو بحیثیت نبوت ان سے صادر ہوتے ہیں۔ (ب) وہ اقوال وافعال جو بحیثیت نبوت ان سے صادر ہوتے ہیں ان ہر دو کے درمیان جو باریک فرق ہے اکثر لوگ اسے نہیں سمجھتے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس فرق کے بتانے میں بہت سی روشن نظائر قائم فرمائی تھیں۔ حدیث تأبیر میں یہی راز سمجھایا گیا ہے اور واقعہ بریرہ ومغیث میں یہی راز بتلایا گیا ہے۔ جنگ بدر و جنگ احزاب میں میدان حرب کے انتخاب کے متعلق بھی اسی اصول پر عمل کیا گیا ہے۔

آیت زیر تفسیر میں ہم کو اس امر سے تقویت ملتی ہے ﴿ حَيْثُ اَمَرَهُمْ اَبُوْهُمْ﴾ فرمایا ہے اور ﴿حَيْثُ اَمَرَهُمْ نَبِيُّهُمْ﴾ نہیں فرمایا۔

اگر اصولی بات کو سمجھ لیا جائے تو بہت سی احادیث مشکلہ کا مطلب بآسانی حل ہو سکتا ہے۔

بنیامین کی یوسف علیہ السلام سے ملاقات

﴿ وَ لَمَّا دَخَلُوْا عَلٰى يُوْسُفَ اٰوٰٓى اِلَيْهِ اَخَاهُ قَالَ اِنِّيْٓ اَنَا اَخُوْكَ فَلَا تَبْتَئِسْ بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ﴾ [۱۲/ یوسف:۶۹]

”جب وہ یوسف علیہ السلام کے سامنے حاضر ہوئے تب اس نے اپنے بھائی کو اپنے پاس ٹھہرایا اور کہہ دیا کہ میں ہی تیرا بھائی ہوں۔ اب ان باتوں کا رنج نہ کر جو سوتیلے بھائی تیرے ساتھ کیا کرتے تھے۔“

اٰوٰى اِلَيْهِ: اٰوٰى اَوِيًا وَ اٰوَاءً نَزَلَ لَيْلًا وَّ نَهَارًا. اٰوَيْتُهٗ. اِيْوَاءً. اَنْزَلْتُهٗ. انہی معنی میں ایک دعا ہے: ﴿ اَللّٰهُمَّ اٰوِنِىْ اِلٰى ظِلِّ كَرَمِكَ وَعَفْوِكَ﴾

کہتے ہیں یوسف علیہ السلام نے حکم دیا کہ دو دو کو ایک مکان میں ٹھہرایا جائے۔ جب بنیامین اکیلے رہ گئے، تو اُن کو اپنے پاس ٹھہرالیا۔

تَبْتَئِسْ. اِبْتِئَاسٌ (افتعال) سے ہے۔ بُؤْسٌ، حزن والم۔ ابتئاس، اظہار رنج و شکایت۔ یوسف علیہ السلام نے بنیامین کو بتلا دیا کہ وہی اس کے ماں جائے بھائی اور برادر شفیق ہیں۔ یہ بھی فرمایا کہ اب پچھلے غم وغصہ کو فراموش کر دو، ہم کو خدا نے ملا دیا ہے۔

جس وقت سیدنا یوسف علیہ السلام سے مصر میں ملے۔ اس وقت بنیامین ۳۸ سال کے

تھے اور بیٹے پوتے والے تھے۔

ساغرِ شاہی کا واقعہ

﴿ فَلَمَّا جَهَّزَهُمْ بِجَهَازِهِمْ جَعَلَ السِّقَايَةَ فِي رَحْلِ أَخِيهِ ثُمَّ أَذَّنَ مُؤَذِّنٌ أَيَّتُهَا الْعِيرُ إِنَّكُمْ لَسَارِقُونَ ﴾ [۱۲/یوسف:۷۰]

''پھر جب اُن کے سفر کا سامان یوسف علیہ السلام نے مکمل کر دیا۔ تب پانی پینے کا گلاس اپنے بھائی کے گون میں رکھ دیا۔ اس کے بعد ایک پکارنے والے نے آواز بلند سے اُن کو پکارا کہ اے قافلہ والو! تم چور ہو۔''

سِقَايَةَ: آب خورہ، پانی کی کھیل۔

أَذَّنَ: اذان، بانگ بلند۔

عِير: قافلہ جو غلہ لائے۔ گدھوں پر، خواہ اونٹوں پر، اب اس کا استعمال اونٹوں کے قافلہ پر ہوتا ہے۔

تعاقب کنندہ لوگ سرکاری ملازم تھے

معلوم ہوتا ہے کہ پیالہ کو بوری میں رکھنے کا کام یوسف علیہ السلام نے کیا تھا، جس کا علم بنیامین کے سوا کسی کو نہ تھا۔ اب اس سے آگے سب کام اُن نوکروں کے ہیں۔ جن کی حفاظت میں ابناء یعقوب کے مکانوں کا سامان تھا۔ ان نوکروں نے ان لوگوں کی روانگی کے بعد سامان کو دیکھا ہوگا اور جب ''سِقَايَه'' نہ ملا۔ تو اس کی تلاش میں لگ گئے۔ پہلا قیاس انہی پر ہونا چاہیے تھا۔ جو ان کمروں میں اترے ہوئے تھے۔ اس لیے انہی کا تعاقب کیا۔ ﴿إِنَّكُمْ لَسَارِقُونَ﴾ کا قائل وہی مؤذن ہے۔

﴿ قَالُوا وَأَقْبَلُوا عَلَيْهِمْ مَاذَا تَفْقِدُونَ ﴾ [۱۲/یوسف:۷۱]

''وہ بولے، اس وقت انہوں نے ان نوکروں کی طرف اپنا رخ پھیر لیا تھا۔ کہ تم کیا کھو بیٹھے ہو؟''

فقدان: فَقَدَ. فِقْدَانًا وَ فُقْدَانًا. غَابَ عَنْهُ وَ عَدِمَهُ.

فقدان: ''کسی شے کا غائب ہو جانا یا ضائع ہو جانا۔''

﴿قَالُوْا نَفْقِدُ صُوَاعَ الْمَلِكِ وَ لِمَنْ جَآءَ بِهٖ حِمْلُ بَعِیْرٍ وَّ اَنَا بِهٖ زَعِیْمٌ﴾ [۱۲/ یوسف:۷۲]

''انہوں نے کہا بادشاہی پیالہ ہم کو نہیں ملتا اور جو کوئی شخص اسے پیش کرے گا۔ اس کو ایک مضبوط اونٹ کی مشکل سے اٹھانے کا غلہ دیا جائے اور میں اس کا ذمہ دار ہوں۔''

صُوَاع: پانی پینے کا وہ برتن جو چاندی یا سونے کا ہو، لیکن اگر کانچ کا ہو تو اسے (قدح) لکڑی کا ہو تو (عُس) چمڑے کا ہو تو (علبہ) مٹی کا ہو تو (مرکن) کہتے ہیں۔

صواع وہی ہے۔ جسے آیت بالا میں سقایہ کہا گیا تھا۔ وہ بلحاظ استعمال تھا۔ یہاں صواع بلحاظ جنس ہے۔

حِمْل: وہ بوجھ جس کا اٹھانا، اٹھانے والے کو دشوار ہو۔

حَمْل: بالفتح، وہ بوجھ جس کا اٹھانا، اٹھانے والے کو ناگوار نہ ہو۔ درخت کا پھل یا عورت کے پیٹ کا بچہ۔

فتحہ چونکہ اخف حرکات ہے۔ اس لیے خوشگوار بوجھ کو بالفتح بیان کیا اور کسرہ چونکہ فتحہ سے زیادہ قوی ہے۔ اس لیے بھاری بوجھ کے لیے حِمل کا استعمال کیا۔ یہ لطافت اور خوبی کسی دوسری زبان کی لغات میں نہیں۔

زَعِیْم: بمعنی کفیل، حدیث میں ہے: ((اَلزَّعِیْمُ غَارِمٌ)) زعیم القوم، رئیس قوم۔

مؤذن نے انعام کا بھی وعدہ کیا۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ مسروقہ سامان کی برآمدگی پر انعام دیئے جانے کا قاعدہ اس وقت بھی مروج تھا۔ یہ بھی معلوم ہوا کہ انعام دہندہ افسر کا تعین بھی ضروری ہے۔ ﴿اَنَا بِهٖ زَعِیْمٌ﴾ نے یہی بتلایا ہے۔

فرزندانِ اسرائیل کا بیان اپنی بابت

﴿قَالُوْا تَاللّٰهِ لَقَدْ عَلِمْتُمْ مَّا جِئْنَا لِنُفْسِدَ فِی الْاَرْضِ وَ مَا كُنَّا سَارِقِیْنَ﴾ [۱۲/ یوسف:۷۳]

''ابناء یعقوب علیہ السلام نے کہا: واللہ! تم جانتے ہو کہ ہم ملک میں ابتری

ڈالنے نہیں آئے اور ہم چور بھی نہیں۔''

تَاللّٰهِ: میں تا قسمیہ ہے اور یہ حرف بمعنی قسم صرف اسم پاک اللہ ہی پر آتا ہے۔

لَقَدْ عَلِمْتُمْ: سے مراد یہ ہے کہ ہم کئی دفعہ آچکے ہیں اور تم ہمارے اخلاق و آداب سے بخوبی واقف ہو چکے ہو۔

لِنُفْسِدَ فِي الْاَرْضِ: میں سرقہ کو باعث فساد اور سبب امن شکنی بیان کیا گیا ہے اور فی الواقع کثرت سرقہ کی انتہا انہی مدارج تک پہنچ جاتی ہے۔

وَ مَا كُنَّا سَارِقِيْنَ. ابناء یعقوب کا یہ جواب اس لیے صحیح تھا کہ اس وقت انہوں نے کچھ نہ چرایا تھا اور ملاز مین مصر کا ان کو ﴿اِنَّكُمْ لَسَارِقُوْنَ﴾ کہنے کا اس لیے حق تھا کہ سرقہ کے بعد مالک مال کا جس پر شبہ ہوا کرتا ہے، وہ اسے چور کہہ دیا کرتا ہے۔

﴿قَالُوْا فَمَا جَزَآؤُهٗ اِنْ كُنْتُمْ كٰذِبِيْنَ ۝ قَالُوْا جَزَآؤُهٗ مَنْ وُّجِدَ فِيْ رَحْلِهٖ فَهُوَ جَزَآؤُهٗ كَذٰلِكَ نَجْزِي الظّٰلِمِيْنَ ۝ فَبَدَاَ بِاَوْعِيَتِهِمْ قَبْلَ وِعَآءِ اَخِيْهِ ثُمَّ اسْتَخْرَجَهَا مِنْ وِّعَآءِ اَخِيْهِ كَذٰلِكَ كِدْنَا لِيُوْسُفَ مَا كَانَ لِيَاْخُذَ اَخَاهُ فِيْ دِيْنِ الْمَلِكِ اِلَّآ اَنْ يَّشَآءَ اللّٰهُ﴾ [۱۲/ یوسف:۷۴۔۷۶]

''مؤذن اور اس کے ساتھی بولے کہ اگر تم جھوٹے نکلے۔ تب چوری (یا چوری کی) سزا کیا؟ ابناء یعقوب نے کہا: چوری کی سزا یہ ہے کہ جس کی بوری میں سے کٹورا نکلے، وہ خود چوری کے بدلہ میں جائے گا۔ ہم (آل یعقوب) ظالموں کو یہی سزا دیا کرتے ہیں۔ مؤذن نے دوسروں کی بوریوں سے تلاشی لینا شروع کی اور پھر کٹورے کو برادر یوسف کے شلیتہ سے نکال لیا۔ ہم نے یوسف علیہ السلام کو یہی تدبیر بتائی تھی۔ یوسف علیہ السلام کو حق نہ تھا کہ شاہی ضابطہ کے مطابق اپنے بھائی کو پکڑ سکتا، مگر یہاں تو اللہ نے ایسا چاہا۔''

كِدْنَا: کید سے ہے۔ اس کے مختلف معانی ہیں۔ جنگ، مکر تے، حیلہ وغیرہ اور کَادَ لَهٗ کے معنی اِحْتَالَ لَهٗ آتے ہیں۔ پس کِدْنَا کے معنی حیلہ بنانا اور تدبیر کرنا ہوا۔ ﴿لَم

یَکَدْ یَرٰھَا﴾[۲۴/النور:۴۰] ''اپنا ہاتھ دیکھنے کی کوئی صورت نہیں۔''

یعنی یہ طریقہ کہ برادران یوسف علیہ السلام سے اسرائیلی ضابطہ کے موافق فیصلہ کیے جانے کا اقرار کرالیا گیا۔ ہم نے خود یوسف علیہ السلام کو بتلایا تھا۔

لفظ کِدْنَا فرمانے سے اللہ تعالیٰ نے اول تو یوسف علیہ السلام کی حفاظت فرمائی کہ کوئی شخص نبی معصوم کی ذات پر...... اعتراض نہ کر سکے۔

دوم: کِدْنَا فرمانے سے آئندہ کے لیے ہر ایک شخص کے سامنے ایک روک بھی قائم کر دی تا کہ کوئی شخص اپنے کسی احتیال باطل یا مکر و فریب کے واسطے اس واقعہ کی آڑ نہ لے سکے۔

اللہ تعالیٰ کے یہ فرما دینے کے بعد کہ ہم نے ایسا کرنے کا حکم دیا تھا۔ یہ ظاہر ہو گیا کہ کوئی اور شخص ایسا نہیں کر سکتا۔ ابراہیم علیہ السلام کو حکم ہوا اور انہوں نے فرزند کی گردن پر چھری رکھ دی، لیکن اب کوئی شخص ایسا نہیں کر سکتا کیونکہ یہ اوامر الٰہی مختص صورت میں تھے۔

اب رہا یہ کہ اللہ تعالیٰ نے کیوں ایسا کیا سو یہ بطور بدلہ کے تھا﴿جَزٰٓؤُا سَیِّئَۃٍ﴾[۴۲/الشوریٰ:۴۰] کا اصول نہایت محکم ہے۔ یہ وہی ابناء یعقوب ہیں۔ جنہوں نے اپنے باپ نبی اللہ سے یوسف کو کید کے ساتھ حاصل کیا تھا۔ زبان سے تو یہ کہہ رہے تھے﴿اِنَّا لَہٗ لَحٰفِظُوْنَ﴾ ''ہم اس کی پوری پوری حفاظت کریں گے'' مگر مشورہ میں جو اس سے پہلے ہو چکا تھا۔ یوسف علیہ السلام کا قتل کیا جانا اور پھینک دیا جانا طے ہو چکا تھا۔ ہاں انہوں نے باپ کو جُل دیا اور باپ کو نیز بھائی کو تکلیف شدید میں ڈالا۔ جس کے لیے شریعت اسرائیلی میں کوئی صورت جواز نہ تھی اور جس کے لیے یوسف علیہ السلام کی کوئی رضامندی شامل نہ تھی۔

اللہ تعالیٰ نے ان مکاروں کے قبضہ سے بنیامین کو نکالا۔ جب کہ خود بنیامین اس تجویز پر متفق تھا اور جس کی صورت ظاہری بھی اسرائیلی ضابطہ کے مطابق تھی﴿یَکِیْدُوْنَ کَیْدًاۙ وَّ اَکِیْدُ کَیْدًا﴾[۸۶/الطارق:۱۵۔۱۶] کے معنی بھی یہاں حل ہو جاتے ہیں۔

زبان دانی کی ضرورت

جو شخص زبان عرب کے رموز سے واقف ہے۔ اسے اس بات کا سمجھنا آسان ہے کہ

ایسے الفاظ کا استعمال تقابل کے طریقہ پر ہوتا ہے مثلاً ﴿جَزٰٓؤُا سَيِّئَةٍ سَيِّئَةٌ﴾ پر غور کرو۔ جس کا ترجمہ ہے کہ ''بدی کا بدلہ بد ہے'' لیکن حقیقت پر غور کرو کہ اگر ہم کسی چور یا ڈکیت کو سزا دیتے ہیں تو کیا سزا دہندہ جج کو بھی برے فعل کا فاعل کہا جا سکتا ہے؟ نہیں۔ پس بدی کا بدلہ اس لیے ہے کہ قید وغیرہ بذات خود بد ہیں۔ گو مجرم کے حق میں ان کا نفاذ عدل و انصاف ہیں اور سزا دہندہ حاکم فی الواقع عادل و منصف ہوتا ہے۔

دِيْنِ الْمَلِكِ: دین کے لغوی معانی بہت ہیں۔ یہاں اس کے معنی ضابطہ و آئین ہیں۔

اس وقت مصر میں تعزیرات کا کوئی قانون تھا؟

اس سے یہ معلوم ہوا کہ مصر میں تعزیرات جرائم کا قانون اور تھا اور یوسف علیہ السلام اسی ضابطہ مصر کے مطابق فیصلہ کرنے پر مجبور تھے۔ اس سے ان مسلمان افسروں کو جو کسی غیر اسلامی سلطنت کے ماتحت ہونے کی حالت میں اس سلطنت کے مجریہ قوانین پر فیصلہ دیتے ہیں۔ کچھ تھوڑی بہت امید نکلتی ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کی خطاؤں سے درگزر فرمائے۔

قانون بین الاقوام

اس آیت سے انٹرنیشنل لا (قانون بین الاقوام) کا وجود بھی نکلتا ہے اور یہ بھی واضح ہوتا ہے کہ رعایائے ملک غیر کا فیصلہ ان کے ملکی قانون کے مطابق کرنا بہترین طریقہ انصاف رسانی ہے۔

یہودان بنو قریظہ کا فیصلہ سیدنا سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ ((اِهْتَزَّ لَهُ عَرْشُ الرَّحْمٰنِ)) نے توراۃ ہی کے بموجب فرمایا تھا:

﴿نَرْفَعُ دَرَجٰتٍ مَّنْ نَّشَآءُ وَ فَوْقَ كُلِّ ذِيْ عِلْمٍ عَلِيْمٌ۝﴾ [۱۲/ یوسف:۷۶]

''ہم بلند کرتے ہیں درجے ان کے جن کے چاہتے ہیں اور ہر ایک مالک علم کے اوپر علیم ہے۔''

یہ آیت اللہ تعالیٰ نے ایک اچھے فیصلہ کے ذکر کے بعد فرمائی ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ عمدہ فیصلہ جات تب ہی صادر ہو سکتے ہیں جب علم صحیح سے حاکم متصف ہوگا۔ یہ بھی معلوم

ہوا کہ بلندی مدارج کا صرف ایک ہی سبب ہے اور وہ علم ہے۔

رفعت درجات علم

پھر یہ بھی بتلا دیا کہ خواہ کوئی شخص علم کے کیسے ہی درجہ بلند پر پہنچ جائے تب بھی اسے مغرور نہ ہونا چاہیے، کیونکہ دنیا میں عالم کے اوپر عالم موجود ہیں۔ حتیٰ کہ اس سلسلہ کی انتہا ذات واجب الوجود جلّ تعالیٰ شانہ پر ہو جاتی ہے جو جملہ علوم کا انسان کو القا کرنے والا ہے اور اپنے علم ازلی الابدی کی وجہ سے "علیم" کے اسم پاک سے موسوم ہے۔

﴿ قَالُوْٓا اِنْ يَّسْرِقْ فَقَدْ سَرَقَ اَخٌ لَّهٗ مِنْ قَبْلُ﴾ [۱۲/ یوسف:۷۷]

"فرزندان یعقوب علیہ السلام بولے: اگر اس نے چوری کی ہے تو اس کے بھائی نے بھی اس سے پہلے چوری کی تھی۔"

وہ بھائی جواب تک ﴿ وَمَا كُنَّا سَارِقِيْنَ﴾ [۱۲/ یوسف:۷۳] کہہ رہے تھے۔ یعنی ہم چور نہیں۔ وہی اب جھٹ زبان بدل گئے۔ اب انہوں نے اپنی تقسیم بطون مادری پر کر لی ہے۔ چونکہ بنیامین کا بطنی بھائی صرف ایک ہی تھا، اس لیے گو اس کا نام نہیں لیا گیا، مگر یوسف علیہ السلام کی تعیین میں شک بھی نہیں رہا۔

مفسرین رحمہم اللہ نے ﴿فَقَدْ سَرَقَ اَخٌ لَّهٗ مِنْ قَبْلُ﴾ [۱۲/ یوسف:۷۷] کی بابت بہت اقوال لکھے ہیں۔

بے سند حکایات ﴿سَرَقَ اَخٌ لَّهٗ﴾ کی تفسیر میں اقوال

لیکن وہ سب اقوال نامعتبر، غلط روایتوں اور بے سند حکایات پر مبنی ہیں۔ ہمیں کیا ضرورت ہے کہ یوسف صدیق کی عمہ مکرمہ دختر اسحٰق علیہ السلام پر چور بنانے کا بہتان قائم کریں۔ ہمیں کیا ضرورت ہے کہ ہم یوسف علیہ السلام کی بابت سرقہ بتاں یا ماکیاں کی داستان کو زبان سے نکالیں۔ ہم کو تو ضرورت اس امر کی ہے کہ پہلے یہ دیکھ لیں کہ اس قول کے راوی کیسے ہیں۔ کیا یہ وہی راوی نہیں ہیں؟ جنہوں نے نبی اللہ باپ کے سامنے ﴿فَاَكَلَهُ الذِّئْبُ﴾ جیسے قول زُور کو بڑے زور اور حتمی الفاظ میں بیان کیا تھا۔

محدثین رحمہم اللہ تعالیٰ اور علم اسماء الرّجال

اور جب حقیقت یہی ہے تو ایسے ایسوں کی بات کا کیا اعتبار؟ اللہ تعالیٰ اپنے قرب و رضوان کے بہترین مدارج عالیہ محدثین امت محمدیہ صلی اللہ علیہ وسلم کو عطا فرمائے جنہوں نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذب و حمایت میں سینکڑوں، ہزاروں راویوں کے احوال کی تنقید فرمائی۔ معائب و مثالب کو جتایا اور اعتماد و ثقاہت و عدالت کو نمایاں کیا۔ جس سے مبتدعین و منافقین کی تمام مساعی کو پامال کر دیا۔

محدثانہ اصول استعمال کرو

وہی اصول محدثانہ اس جگہ ہمارا بھی رہبر ہے اور ہم نہایت اطمینان قلب سے سمجھتے ہیں کہ ﴿فَقَدْ سَرَقَ اَخٌ لَّهٗ﴾ [۱۲/ یوسف:۷۷] کے راوی اس روایت میں نا قابل اعتبار ہیں۔

﴿فَاَسَرَّهَا يُوْسُفُ فِيْ نَفْسِهٖ وَلَمْ يُبْدِهَا لَهُمْ ۚ قَالَ اَنْتُمْ شَرٌّ مَّكَانًا ۚ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا تَصِفُوْنَ۝﴾ [۱۲/ یوسف:۷۷]

''یوسف علیہ السلام نے اس بات کو دل ہی میں رکھا اور اس کی بابت کچھ بھی ظاہر نہ کیا اور یہ کہا کہ تم بجائے خود شریر ہو اور جو بات تم کہتے ہو اسے اللہ خوب جانتا ہے۔''

اس آیت سے غایت درجہ حلم و برداشت کی تعلیم ملتی ہے۔ غور کرو کہ یوسف علیہ السلام کو رودررو بہتان لگایا گیا، مگر وہ صبر کرتے ہیں، پی جاتے ہیں، ایسی حالت میں کہ حاکم ہیں، ذی مقدرت ہیں اور کہنے والے ان کے دست نگر ہیں اور بحالت ذلیل ہیں۔ جب ہم جملہ اَنْتُمْ شَرٌّ مَّكَانًا فَاَسَرَّهَا کا بدل قرار دیں۔ تو اس سے یہ بھی ثابت ہوا کہ اتنی بات بھی یوسف صدیق نے اُن کو زبان سے نہ کہی تھی بلکہ دل ہی دل میں کہی تھی:

﴿قَالُوْا يٰٓاَيُّهَا الْعَزِيْزُ اِنَّ لَهٗٓ اَبًا شَيْخًا كَبِيْرًا فَخُذْ اَحَدَنَا مَكَانَهٗ ۚ اِنَّا نَرٰىكَ مِنَ الْمُحْسِنِيْنَ۝﴾ [۱۲/ یوسف:۷۸]

''انہوں نے کہا: اے حاکم! اس کا باپ بڈھا بزرگ ہے۔ تو ہم میں سے کسی ایک کو اس کے بدلہ میں رکھ لے۔ ہم دیکھتے ہیں کہ آپ احسان کرنے والوں میں سے ہیں۔''

''شَیْخٌ'' کس عمر کے شخص کو بلحاظ عمر کہا جا سکتا ہے

ہمارے زمانہ میں ۶۰ سے ۸۰ سال تک کے شخص کو ''شیخ'' کہتے ہیں۔ یعقوب علیہ السلام تو اس وقت ۱۲۵ سال سے متجاوز ہو چکے تھے۔

کَبِیْرًا: لفظ شیخ عمر کو اور لفظ کبیر منصب و منزلت کو ظاہر کرتا ہے۔

مُحْسِنِیْنَ: معود باحسان، یعنی یہ ظاہر کیا گیا ہے کہ آپ تو ہمیشہ احسان کرنے ہی کے عادی ہیں۔ اب بھی معمول کے مطابق احسان فرمائیے۔

ایک کی جگہ دوسرے کی گرفتاری جائز نہیں

﴿ قَالَ مَعَاذَ اللّٰهِ اَنْ نَّاْخُذَ اِلَّا مَنْ وَّجَدْنَا مَتَاعَنَا عِنْدَهٗۤ ۙ اِنَّاۤ اِذًا لَّظٰلِمُوْنَ ﴾ [۱۲/ یوسف:۷۹]

''یوسف علیہ السلام نے کہا۔ ہم تو اسے پکڑیں گے جس کے پاس سے ہماری چیز ہم کو ملی ہے، دوسرے کو ہم پکڑیں تو ہم خود ظالم ٹھہریں گے۔ معاذ اللہ''

وَجَدْنَا مَتَاعَنَا عِنْدَهٗ کے الفاظ پر ذرا غور کرو۔ کیسے جچے تلے الفاظ ہیں۔ بنیامین کو سارق نہیں کہا اور صورت معاملہ وہی بنی رہتی ہے۔

﴿ فَلَمَّا اسْتَيْئَسُوْا مِنْهُ خَلَصُوْا نَجِيًّا ؕ قَالَ كَبِيْرُهُمْ اَلَمْ تَعْلَمُوْۤا اَنَّ اَبَاكُمْ قَدْ اَخَذَ عَلَيْكُمْ مَّوْثِقًا مِّنَ اللّٰهِ وَمِنْ قَبْلُ مَا فَرَّطْتُّمْ فِيْ يُوْسُفَ ۚ فَلَنْ اَبْرَحَ الْاَرْضَ حَتّٰى يَاْذَنَ لِيْۤ اَبِيْۤ اَوْ يَحْكُمَ اللّٰهُ لِيْ ۚ وَهُوَ خَيْرُ الْحٰكِمِيْنَ ۝ اِرْجِعُوْۤا اِلٰۤى اَبِيْكُمْ فَقُوْلُوْا يٰۤاَبَانَاۤ اِنَّ ابْنَكَ سَرَقَ ۚ وَمَا شَهِدْنَاۤ اِلَّا بِمَا عَلِمْنَا وَمَا كُنَّا لِلْغَيْبِ حٰفِظِيْنَ ۝ وَاسْئَلِ الْقَرْيَةَ الَّتِيْ كُنَّا فِيْهَا وَالْعِيْرَ الَّتِيْۤ اَقْبَلْنَا فِيْهَا ؕ

وَ اِنَّا لَصٰدِقُوْنَ۝﴾ [۱۲/یوسف:۸۰۔۸۲]

’’جب اُن کو بنیامین کی رہائی کی امید نہ رہی۔ تب وہ ایک گوشہ میں مشورہ کے لیے چلے گئے۔ سب سے بڑے (روبن نامی) نے کہا تم جانتے ہو کہ تمہارے باپ نے تم سے بنیامین کے متعلق عہد الٰہی لیا تھا اور قبل ازیں تم یوسف کے بارے میں جو تقصیر کر چکے ہو وہ تم کو معلوم ہی ہے پس میں تو یہاں سے ملنے کا نہیں جب تک باپ مجھے اجازت نہ دے۔ یا اللہ میرے لیے کوئی حکم فرمائے اور وہ تو سب حاکموں سے بہتر حکم دینے والا ہے۔ اب تم سب اپنے باپ کے پاس واپس جاؤ اور جا کر کہو کہ ابا! آپ کے لڑکے نے چوری کر لی اور ہم نے جو شہادت دی، وہ اپنے علم کے موافق دی اور ہم غیب کے نگہبان نہ تھے۔ آپ اس بستی سے پوچھ لیں جس میں ہم رہے اور اس قافلہ سے پوچھ لیں جس میں لوٹ کر آئے ہیں اور ہم تو بالکل سچے ہیں۔‘‘

اِسْتَیْئَسُوْا: یاس سے ہے، امید منقطع ہو جانا۔

خَلَصُوْا: خلص، علیحدہ ہونا۔ مخلص وہ بندہ جو سب سے علیحدہ ہو کر ایک کا ہو گیا ہو۔

نَجِیًّا: سرگوشی کرنا، چپکے چپکے بات کرنا۔

فَرَّطْتُمْ: فرط آگے بڑھ جانا۔ حدیث پاک میں ہے: ((اَنَا فَرَطُکُمْ عَلَی الْحَوْضِ)) [1] ’’میں تم سب سے پہلے حوض کوثر پر پہنچ جاؤں گا۔‘‘ ابن عباس رضی اللہ عنہ نے عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کو ان کی حالت نزع میں کہا تھا: ((تَقْدِمِیْنَ عَلٰی فَرَطِ صِدْقٍ)) ’’تم نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جا رہی ہو۔‘‘

افراط و تفریط میں فرق

افراط اور تفریط دونوں میں یہ معنی پائے جاتے ہیں، یعنی افراط میں بیشی کی جانب اور تفریط میں کمی کی جانب بڑھ جانا پایا جاتا ہے۔

[1] بخاری: کتاب الرقاق، باب فی الحوض، رقم ۶۵۷۵۔ مسلم: کتاب الفضائل، باب اذا اراد اللہ تعالٰی رحمۃ امۃ قبض نبیہا قبلہا، رقم ۵۹۶۶۔۵۹۶۸۔ ابن ماجہ: ابواب الزھد، باب ذکر الحوض، رقم ۴۳۰۴۔

اَبْرَحَ. بَرِحَ بَرْحًا وَبَرَاحًا. بَرِحَ الْمَكَانَ زَالَ عَنْهُ.

قریہ کے معنی

قَـرْيَـه: لغت میں اس جگہ کو کہتے ہیں جہاں انبوہ ہو۔ قَـرْيَـةُ الـنَّـمْلِ: چیونٹیوں کا بھون۔ آبادی مردم۔ متاخرین نے بلدہ، مصر اور قریہ میں اصطلاحی فرق کر لیے ہیں۔ قرآن مجید میں ان الفاظ کو مترادف معنی میں استعمال کیا گیا ہے۔

قرآن مجید میں مکہ کو قریہ بھی کہا اور بلد بھی

مکہ معظمہ کو ایک آیت میں ﴿ وَ هٰـذَا الْبَـلَـدِ الْاَمِيْنِ ۝﴾[۹۵/التین:۳] بھی فرمایا ہے اور ایک آیت میں ﴿هِـیَ اَشَدُّ قُوَّةً مِّنْ قَرْيَتِكَ الَّتِیْٓ اَخْرَجَتْكَ ۚ﴾[۴۷/محمد:۱۳] قریہ بھی فرمایا ہے۔ ”وہ زیادہ قوت والے تھے۔ تیرے قریہ سے جہاں سے تجھے نکالا ہے۔“

عِیْـر: جو اونٹ، گدھے، اناج لاتے ہیں۔ اسے عِیـر کہتے ہیں اور جو سامان جنگ لاتے ہیں اسے قیروان کہتے ہیں اور جو کپڑا وغیرہ لاتے ہیں اسے لطمہ بولتے ہیں۔

یہاں عِیر سے عِیر والے مراد ہیں۔

اس تقریر پر عمل کیا گیا۔ بڑا بھائی مصر میں ٹھہر گیا اور سب واپس چلے گئے۔ اس تقریر کو ذرا اس تقریر سے ملا کر دیکھو۔ جب ابنائے یعقوب نے باپ سے آ کر کہا تھا کہ یوسف علیہ السلام کو بھیڑیا کھا گیا۔ یہاں تو بڑے وثوق سے اپنے سچے ہونے کا دعویٰ ہے۔ مصر خاص اور کاروان سے شہادت دلانے کی بھی آمادگی ہے اور پہلے موقع پر جب دل میں چور تھا، خود ہی کہہ دیا کہ تم کو ہماری بات سچی نہ لگے گی۔

﴿قَالَ بَلْ سَوَّلَتْ لَكُمْ اَنْفُسُكُمْ اَمْرًا فَصَبْرٌ جَمِيْلٌ عَسَى اللّٰهُ اَنْ يَّأْتِيَنِيْ بِهِمْ جَمِيْعًا ۚ اِنَّهٗ هُوَ الْعَلِيْمُ الْحَكِيْمُ ۝﴾ [۱۲/یوسف:۸۳]

”یعقوب علیہ السلام نے کہا: نہیں! تم لوگوں نے ایک بات بنالی ہے۔ اب صبر ہی بہتر ہے۔ امید ہے کہ اللہ تعالیٰ ان سب (یوسف، بن یامین، روبن) کو میرے پاس واپس لائے گا وہ تو کامل علم اور کمال حکمت والا ہے۔“

یعقوب علیہ السلام کی حسن رجا

یعقوب علیہ السلام کو جو حسن رجا (امید) اپنے مالک پر ہے۔ اسے یہ تازہ بتازہ مصیبت خیز واقعات کم نہ کر سکے، نہ مٹا سکے۔ یہ صرف انبیا کرام علیہم السلام ہی کی شان ہے کہ مصیبت بڑھ رہی ہے، مگر اُن کو جو اعتماد رب العالمین پر ہے۔ اس میں ذرا تزلزل نہیں آتا۔

﴿ وَ تَوَلّٰی عَنۡهُمۡ وَ قَالَ یٰۤاَسَفٰی عَلٰی یُوۡسُفَ وَ ابۡیَضَّتۡ عَیۡنٰهُ مِنَ الۡحُزۡنِ فَهُوَ کَظِیۡمٌ ﴾ [۱۲/ یوسف:۸۴]

''یعقوب علیہ السلام نے ان بیٹوں کی طرف سے منہ پھیر لیا اور کہا کہ یوسف کا بڑا افسوس ہے۔ اب اس کی آنکھیں دل کے رنج سے سفید پڑ گئی تھیں وہ پھر بھی رنج واندوہ کو دل ہی میں چھپائے ہوئے تھا۔''

اَسَفٰی: کا الف یٓ متکلم کا بدل ہے۔

کَظِیۡم: کظم مشک کا منہ باندھنا، دروازہ بند کرنا، کظامہ وہ رسی جو اونٹ کے ناک میں ڈالی جائے۔

حُزن: رنج دل اور گریہ۔ آیت کے یہ معنی بھی ہو سکتے ہیں کہ: ''روتے روتے اُن کی آنکھیں سفید پڑ گئی تھیں۔''

کظم اور حزن کی مجموعی کیفیت کا نتیجہ

لیکن لفظ کظم کی شمولیت سے یہ زیادہ موزوں ہے کہ معنی یہ کیے جائیں کہ ''اندوہ دلی سے آنکھیں سفید پڑ گئی تھیں''؛ کیونکہ جو شخص رو لیتا ہے، اس کا رنج ہلکا ہو جاتا ہے مگر جس کا غم اندر ہی اندر گھٹا رہتا ہے۔ اسے رونا بھی نہیں آیا کرتا اور یہ غم کی انتہائی حالت ہے۔

وَابۡیَضَّتۡ عَیۡنٰهُ کے مفہوم میں مفسرین نے اختلاف کیا ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ روشنی بالکل بند ہو گئی تھی۔ بعض کہتے ہیں کہ کچھ دھوپ چھاؤں معلوم ہوتی تھی۔ اس بارہ میں کوئی روایت صحیح نہیں ملی۔ قرآن مجید میں آگے چل کر آئے گا۔ ﴿ فَارۡتَدَّ بَصِیۡرًا ﴾ اس سے تو یہی معلوم ہوتا ہے کہ روشنیٔ چشم بالکل بند ہو گئی تھی۔

﴿ قَالُوْا تَاللّٰهِ تَفْتَؤُا تَذْكُرُ يُوْسُفَ حَتّٰى تَكُوْنَ حَرَضًا اَوْ تَكُوْنَ مِنَ الْهٰلِكِيْنَ۝ ﴾ [۱۲/یوسف:۸۵]

''لڑکوں نے کہا: بخدا! تم تو یوسف ہی کا برابر ذکر کرتے رہو گے حتیٰ کہ تمہارا جسم اور تمہاری صحت برباد ہو جائے یا تم ہلاک ہی ہو جاؤ۔''

حَرَض: عربی میں بیمار کے نام حسب مراتب ذیل ہیں:

علیل، پھر سقیم، پھر مریض، پھر وقید، پھر ونف، پھر حَرَض اور مُحرض. حرض کے لیے ضرب المثل ہے: لَا حَيٌّ فَيُرْجٰى وَ لَا مَيِّتٌ فَيُنْسٰى (نہ مرے نہ منجاوے)

ابناء یعقوب علیہ السلام پر باپ کے یا اَسَفٰی والے فقرہ کا بہت اثر ہوا تھا اور انہوں نے ہمدردی کے لہجہ میں '' تَاللّٰهِ تَفْتَؤُا'' والا فقرہ کہا تھا۔ اگر چہ یعقوب علیہ السلام کے قول کے مخاطب وہ نہ تھے۔

﴿ قَالَ اِنَّمَآ اَشْكُوْا بَثِّيْ وَ حُزْنِيْٓ اِلَى اللّٰهِ وَ اَعْلَمُ مِنَ اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ۝ ﴾ [۱۲/یوسف:۸۶]

''یعقوب علیہ السلام نے کہا: میں اپنے کھلے اور چھپے رنج کی فریاد اللہ تعالیٰ سے کرتا ہوں اور اللہ تعالیٰ کی جناب میں جو علم مجھے حاصل ہے وہ تم کو نہیں۔''

بَثِّيْ: بَثَّ بَثًّا پھیل جانا، ظاہر ہو جانا۔ بَثّ غم کی وہ حالت جو چھپائے نہ چھپ سکے۔

حُزْنِيْ: حُزن وہ حالت غم جو دل کے اندر مخفی ہو۔

یعقوب علیہ السلام اس سخت درجہ کے ابتلا سے بھی واقف تھے۔ جو انبیا کے لیے خاص ہوتا ہے اور اس رحمت ربانیہ پر بھی یقین رکھتے تھے جو بلا مدد اسباب اور تعبیر تدبیر انسانی کے انسان پر نازل ہوا کرتی ہے۔

آیت بالا میں غایت درجہ کی تفویض و توکل اور انتہائی وثوق بر ذات الٰہیہ پایا جاتا ہے۔ باری تعالیٰ کے کلام میں یہ ایسے اسلوب سے بیان فرمایا گیا ہے کہ دل اور روح پر بے اختیار عظمت طاری ہو جاتی ہے۔

﴿ يٰبَنِيَّ اذْهَبُوْا فَتَحَسَّسُوْا مِنْ يُّوْسُفَ وَ اَخِيْهِ وَ لَا تَايْئَسُوْا مِنْ رَّوْحِ

اللّٰهِ، اِنَّهٗ لَا يَايْئَسُ مِنْ رَّوْحِ اللّٰهِ اِلَّا الْقَوْمُ الْكٰفِرُوْنَ﴾ [۱۲/ یوسف:۸۷]

''اے بیٹو جاؤ (مصر جاؤ) اور یوسف علیہ السلام و بنیامین کی خوب تلاش کرو۔ تلاش کرنے میں رحمت الٰہی سے مایوس نہ بنو۔ رحمت الٰہی سے مایوس ہو جانا کافر لوگوں ہی کا کام ہے۔''

تَحَسَّسُوْا: حس سے بنایا ہے۔ یعنی چشم و گوش اور عقل و ہوش سے کام لو اور اس راز کو حل کرو۔ تجس اور تحس میں فرق یہ ہے کہ تجس میں طلب شعر کے معنی اور تحس میں طلب خیر کے معنی خاص ہیں۔ اسی لیے اس شخص کو جاسوس کہتے ہیں۔ جو منجانب دشمن ادھر کے لشکر کی خبر لینے آیا کرتا ہے لیکن جو اپنا آدمی دشمن کے لشکر میں جائے اسے جاسوس نہیں بلکہ عین بولتے ہیں۔

رُوْح: راحت، فرح، سرور، رحمت۔ روح اللہ، رحمت الٰہی۔

اعلیٰ تعلیم توحید و توکل

یعقوب علیہ السلام کہتے ہیں کہ یوسف اور اسے بھیڑیے کا کھا جانا۔ بنیامین اور اس کا چوری میں پکڑے جانا، ان خیالات کو دماغ سے نکال دو اور پھر عقل و ہوش سے کام لیتے ہوئے یوسف علیہ السلام و برادر یوسف علیہ السلام کی تلاش مصر ہی میں کرو۔

رحمتِ الٰہی سے مایوسی کفر ہے

اس ارشاد کے ساتھ بیٹوں کو روحانی تعلیم بھی دیتے ہیں کہ مادی احوال سے آزاد ہو کر خود کو رحمت ربانی کا مستحق ٹھہراؤ اور اس خصوصیت کو حاصل کرو۔ جو مومن کو کافر سے الگ ٹھہراتی ہے۔

اس پر زور فقرہ کے فرمانے کی ضرورت اس لیے تھی کہ انہی بیٹوں سے کام لینا تھا اور یوسف کو بھیڑیا کا کھا جانا اور بنیامین کے قبضہ سے مال مسروقہ کا برآمد ہونا خود اپنا چشم دید بتلاتے تھے۔

یوسف صدیق کے حضور میں بھائیوں کی عاجزانہ گفتگو

﴿فَلَمَّا دَخَلُوْا عَلَيْهِ قَالُوْا يٰٓاَيُّهَا الْعَزِيْزُ مَسَّنَا وَ اَهْلَنَا الضُّرُّ وَ جِئْنَا

بِبِضَاعَةٍ مُّزْجٰىةٍ فَاَوْفِ لَنَا الْكَيْلَ وَ تَصَدَّقْ عَلَيْنَا اِنَّ اللّٰهَ يَجْزِي الْمُتَصَدِّقِيْنَ۝﴾ [۱۲/یوسف:۸۸]

''پھر وہ یوسف علیہ السلام کے سامنے گئے۔ سب نے کہا: اے حاکم! ہم اور ہمارے کنبہ کو نقصان مال و جان پہنچا ہے اور ہم تیرے پاس کچھ ناکارہ سامان لے کر آئے ہیں۔ اب ہم کو پورا پورا غلہ دیا جائے اور ہم کو صدقہ دیا جائے۔ اللہ تعالیٰ صدقہ دینے والوں کو بدلہ دیا کرتا ہے۔''

ضُرٌّ: نقصان۔ نقصان جان و مال دونوں پر حاوی ہے۔

مُزْجَاةٍ: زجاہ. یزجوہ زجواً۔ لوٹا دیا، پھینک دیا۔

بِضَاعَةٍ مُّزْجَاةٍ: ایسا گلا سڑا سامان، ٹوٹی پھوٹی چیزیں، جسے بازار میں کوئی قبول نہ کرے۔

تَصَدَّقْ عَلَيْنَا: تَصَدَّقَ عَلَيْهِ فقیر کو صدقہ دیا۔ غالباً اس زمانہ میں اولاد نبی پر صدقہ کا لینا حرام نہ ہوگا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے تو اپنی ذات پاک پر اور اپنے اہل بیت اور جملہ بنو ہاشم پر اور ان کے غلاموں پر صدقہ لینا حرام فرما دیا تھا۔ سیدنا امام حسن رضی اللہ عنہ نے اس روایت کو مرفوعاً روایت کیا ہے:

((كَخْ كَخْ اِنَّمَا عَلِمْتَ اِنَّا اٰلُ مُحَمَّدٍ لَا تَحِلُّ لَنَا الصَّدَقَةُ))

''تھوک دے! تھوک دے، تجھے علم نہیں کہ آل محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو صدقہ حلال نہیں''

قرآن مجید یا کسی روایت صحیحہ سے یہ تو معلوم نہیں ہوا کہ فرزندان یعقوب علیہ السلام نے مصر جا کر تجسس کے کس کس طریق پر عمل کیا تھا۔ قرآن پاک نے بتلایا ہے کہ یہ لوگ اپنے ساتھ بے بضاعت مال لے گئے تھے اور غلہ لانے کا تہیہ کر کے گئے تھے۔ انہوں نے جو تقریر کی وہ بہت درد انگیز تھی۔ سیدنا یوسف علیہ السلام جیسے رقیق القلب کے لیے یہ تقریر بہت دل ہلا دینے والی تھی۔ بھائیوں کی حالت بھی صورت بیں و حالت مپرس کی مصداق تھی اور ﴿تَصَدَّقْ عَلَيْنَا﴾ کا لفظ تو ایسا تھا کہ ان شیروں کو احتیاج ہی نے روباہ مزاج بنا دیا ہے۔

یوسف علیہ السلام کا شفقت آمیز سوال

یوسف صدیق علیہ السلام کی کریم النفسی و پاکی فطرت نے اُن کو بے تاب کر دیا اور انہوں نے جلد از جلد حقیقت احوال کے انکشاف کا ارادہ فرمالیا۔ اس لیے گفتگو کو ایک مختصری تمہید سے شروع فرمایا:

﴿قَالَ هَلْ عَلِمْتُمْ مَّا فَعَلْتُمْ بِيُوْسُفَ وَاَخِيْهِ اِذْ اَنْتُمْ جٰهِلُوْنَ۝﴾ [۱۲/ یوسف:۸۹]

''یوسف علیہ السلام نے فرمایا: تم نے وہ بھی جانا جو تم نے یوسف اور اس کے بھائی سے کیا تھا جبکہ تم نادان تھے۔''

یہ پہلا موقعہ ہے کہ یوسف علیہ السلام نے اپنا نام بھائیوں کے سامنے بطور شخص دیگر لیا اور برادر یوسف کا بھی ذکر کیا ورنہ آج تک کسی گفتگو میں اشارہ وکنایہ بھی ان واقعات کی نسبت یوسف علیہ السلام نے نہیں کیا تھا۔

ان لوگوں نے یوسف علیہ السلام کے ساتھ تو جو کچھ سلوک کیا تھا وہ تو معلوم ہے۔ لیکن بنیامین کے ساتھ ان کے برتاؤ کا پتا اجمالی طور پر یوں ملتا ہے۔

(۱) فرزندان یعقوب علیہ السلام کو یوسف علیہ السلام اور برادر یوسف علیہ السلام کے ساتھ حسد تھا۔ ان کے ابتدائی مشورہ کے الفاظ ہیں۔ ﴿لَيُوْسُفُ وَ اَخُوْهُ اَحَبُّ اِلٰٓى اَبِيْنَا مِنَّا﴾

(۲) فرزندان یعقوب کا برتاؤ بعد از علیحدگی یوسف بھی بنیامین کے ساتھ حاسدانہ ومعاندانہ تھا۔ یوسف علیہ السلام کے کلام ﴿فَلَا تَبْتَئِسْ بِمَا كَانُوْا﴾ میں اس کا اشارہ موجود ہے۔

(۳) یہ ظاہر ہے کہ بنیامین اپنے برادر شفیق کی شفقت وحمایت سے محروم ہو گیا تھا اور ضرور اس کے دل میں ہجوم رنج ودرد تھا اور اس کے سبب اولین یہی لوگ تھے۔

یوسف کو شناخت کر لیا گیا

﴿قَالُوْٓا ءَاِنَّكَ لَاَنْتَ يُوْسُفُ﴾ [۱۲/ یوسف:۹۰]

''انہوں نے کہا: کیا تو ہی تو یوسف ہے؟''

ءَ اِنَّکَ: میں استفہام تقریری ہے۔سوال تعجب واستغراب سے پر ہے۔

لَاَنْتَ یُوْسُفُ میں لام ابتداء، انت مبتدا اور یوسف خبر ہے اور جملہ دو خبروں پر مشتمل ہے۔

قابل غور یہ ہے کہ فرزندان یعقوب کیونکر اس نتیجہ پر پہنچے کہ جو شخص ان سے بات کر رہا تھا وہی یوسف ہے۔

کوئی کہتا ہے کہ یوسف علیہ السلام نے تاج سر سے اتار لیا تھا۔ بھائیوں نے ان کے سر کے مسّہ کو دیکھ لیا تھا۔کوئی کہتا ہے ان کے دانتوں میں جو خاص چمک تھی اسے معلوم کر لیا تھا۔ اگر ہم ان روایتوں سے قطع نظر کر لیں۔ جو صحیح نہیں ہیں۔ پھر بھی خاص قرآن مجید کے اندر ایسی امارات موجود ہیں جن کی وجہ سے فرزندان یعقوب کا اس شناخت تک پہنچ جانا کہ ''یوسف یہی ہیں'' بالکل آسان تھا۔

شناخت کی وجہ ہشتگانہ

① یعقوب علیہ السلام کا قول ان کو یاد تھا: ﴿عَسَى اللّٰهُ اَنْ يَّاْتِيَنِىْ بِهِمْ جَمِيْعًا ؕ﴾ ''امید ہے کہ اللہ جلد ان سب کو میرے پاس لائے گا۔''

② باپ نے ان کو مصر ہی میں یوسف و برادر یوسف کی تلاش کے لیے فرمایا تھا۔ اِذْهَبُوْا مِصْر (مصر جاؤ)

③ باپ نے اُن کو ہدایت کی تھی کہ جملہ واقعات پر عقل و ہوش سے کام لیں۔فرمایا تھا: فَتَحَسَّسُوْا.

④ وہ دیکھتے تھے کہ عزیز مصر معمولی اخلاق کا حاکم نہیں۔ اس کا عدل، اس کی رعایا پروری، اس کی مسافر نوازی، اس کا برتاؤ، اس کی گفتگو بالضرور اہل دنیا سے برتر و اعلیٰ ہے۔

⑤ انہوں نے دیکھا کہ ان کے اہل وعیال کی مصیبت سن کر حاکم پر اتنا زیادہ اثر ہوا۔ جو قریب ترین اور رحیم ترین رشتہ دار ہی پر ہو سکتا ہے۔

⑥ انہوں نے دیکھا کہ یہ یوسف کا نام جانتا ہے اور اس کے برادر شفیق سے بھی

واقف ہے۔

⑦ انہوں نے دیکھا کہ وہ برادران یوسف کے مجرمانہ افعال کو صحیح طور پر انہی پر چسپاں کرتا ہے۔

⑧ انہوں نے دیکھا کہ وہ اُن کی طرف سے ایک معذرت بھی بیان کرتا ہے جو اِذْ اَنْتُمْ کے الفاظ میں ملبوس ہے۔

ان سب باتوں کا مجموعہ شخص واحد میں اور آن واحد میں پایا جانا ان سب کے لیے (جو باپ کے حکم سے یوسف کی تلاش میں بھی لگ گئے تھے) اس صحیح شناخت تک پہنچ جانے کے لیے کافی تھا۔

پہلے شناخت نہ کر سکنے کا سبب

بھائیوں کا یوسف علیہ السلام کو پہلے شناخت نہ کر سکنا اور اب بار سوم شناخت کر لینا، معمولی مشاہدات انسانی کے موافق ہے۔ ہم جب امتداد زمانہ کے بعد کسی شخص کو ایسی حالت میں دیکھتے ہیں، جو بلحاظ ثروت و امارت یا باعتبار فقر و مسکنت اس کی سابقہ حالت سے بالکل مغائر ہوتی ہے تو اسے فوراً شناخت نہیں کر لیا کرتے گو ہمارے ساتھ ایک مدرسہ یا ایک جماعت میں برسوں پڑھتا رہا ہو یا ایک ہی جگہ ہم خدمت بھی رہا ہو لیکن پہلے زمانہ کی باتوں کا سلسلہ شروع ہوتے ہی وہ نسیان دور ہونے لگتا ہے۔ دماغ اپنے پرانے دفتر کی یاد داشتوں کا مطالعہ کرتا ہے اور یکا یک ایسا ہوشیار بن جاتا ہے۔ گویا اس سے پیشتر خواب میں تھا، پھر تو ہر ایک چھوٹی سے چھوٹی بات بھی یاد آتی جاتی ہے۔

گناہ اور جہالت، کمی جہل و افزونی عرفان

یوسف علیہ السلام نے ﴿اِذْ اَنْتُمْ جٰهِلُوْنَ﴾ میں گناہ کا فلسفہ بیان فرما دیا ہے۔ قرآن مجید کے دوسرے مقام پر یہ اصول زیادہ واضح الفاظ میں ہے: ﴿ثُمَّ اِنَّ رَبَّكَ لِلَّذِيْنَ عَمِلُوا السُّوْٓءَ بِجَهَالَةٍ﴾ [النحل:١٦/١١٩] ”جن لوگوں نے برے عمل جہالت سے کیے۔“

ان آیات سے واضح ہے کہ جملہ جرائم، اثم، سوء، ذنب کا منبع جہالت ہے۔ جہل جس قدر کم

ہوتا جاتا ہے اسی قدر انسان کا عرفان بڑھتا جاتا ہے اور جس قدر علم ربانی میں افزونی ہوتی جاتی ہے۔ اسی قدر رفع درجات ہوتا رہتا ہے۔

﴿ قَالَ اَنَا يُوْسُفُ وَ هٰذَآ اَخِيْ قَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَيْنَا اِنَّهٗ مَنْ يَّتَّقِ وَ يَصْبِرْ فَاِنَّ اللّٰهَ لَا يُضِيْعُ اَجْرَ الْمُحْسِنِيْنَ۝﴾ [۱۲/یوسف:۹۰]

''کہا ہاں! میں یوسف ہوں اور یہ میرا بھائی ہے خدا نے ہم پر احسان کیا۔ بیشک جو کوئی تقویٰ اختیار کرتا ہے اور صبر رکھتا ہے تو اللہ تعالیٰ محسنین کے اجر کو ضائع نہیں کرتا۔''

﴿مَنَّ اللّٰهُ عَلَيْنَا﴾ میں یوسف علیہ السلام نے سب ہی بھائیوں کو شامل فرمالیا۔ تاکہ ان کا قلق و اضطراب دور ہو جائے۔ جو یوسف ہونے اور پھر بزبان یوسف اپنے اعمال نکوہیدہ کی جانب ایک مخفی اشارہ پانے سے ان کے دل میں پیدا ہو گیا تھا۔

نبی اللہ نے چاہا کہ جلدی سے بھائیوں کو مطمئن فرمادیں۔

تقویٰ کے معنی

يَتَّقِ: تقویٰ سے ہے۔ تقویٰ اس ملکہ کو کہتے ہیں جو قلب مومن میں قائم ہو جاتا ہے اور ترقی کرتا رہتا ہے۔ اس ملکہ کے راسخ ہو جانے کے بعد بندہ کے دل میں عظمت و جلال ربانی مستحکم ہو جاتا ہے اور پھر گناہ و معصیت کی جانب میلان پیدا نہیں ہوتا۔

یہ یاد رکھنا چاہیے کہ سالک کی ابتدا بھی تقویٰ سے ہوتی ہے اور انتہا بھی تقویٰ پر۔

صبر کے معانی

يَصْبِرْ: صبر حبس نفس کو کہتے ہیں۔ اس لفظ کے تحت یہ معنی بھی ہیں کہ:

① نفس کو خواہشات نفسانی سے روک رکھے۔

② یہ معنی بھی ہیں کہ ابتلاء و امتحان کے مواقع پر استقامت و استقلال سے رہے۔

③ یہ معنی بھی ہیں کہ عقائد صحیحہ و ارشادات دینیہ کا جو حصہ اسے مل چکا ہے۔ اس کی

حفاظت ہمیشہ رکھے۔

اخلاقِ فاضلہ کی تعریف......ستائش خود سے پرہیز

یوسف علیہ السلام کا مقصود اس جگہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جو انعام و اکرام اُن پر فرمایا ہے وہ تقویٰ وصبر اور احسان بر خلق جیسے اعمال صالحہ کا اجر ہے، لیکن وہ اسلوب کلام کو بدل دیتے ہیں تا کہ سامع کو یہ وہم نہ ہو کہ وہ خود اپنے تقویٰ وصبر واحسانات پر فخر یا خود ستائی کرتے ہیں۔

بے شک خدا کے نبی وصدیق کی شان عالی کے یہی شایان تھا کہ خود تواضع وانکسار اختیار فرمائیں اور مسائل بالا کا ذکر مسئلہ شرعیہ وانعام الٰہیہ کے طریق پر کر جائیں۔ تا کہ غور کرنے والے کے لیے ایک شاہراہ ہدایت بھی مل جائے اور بھائیوں کو ان کی فضیلت و برتری ذرا بھی ناگوار نہ گزرے۔

یوسف علیہ السلام کی بزرگی کا اعتراف

﴿قَالُوْا تَاللّٰهِ لَقَدْ اٰثَرَكَ اللّٰهُ عَلَيْنَا وَ اِنْ كُنَّا لَخٰطِـِٕيْنَ۝﴾[۱۲/یوسف:۹۱]

''سب نے جواب میں کہا بخدا! اللہ تعالیٰ نے آپ کو ہم پر فضیلت دی ہے اور ہم تو ضرور خطا کار ہیں۔''

﴿اٰثَرَكَ﴾ آثرہ ایثاراً (اختارہ واکرمہ و فضلہ)

﴿خَاطِئِيْنَ﴾ خاطی۔ وہ جو نیت وارادہ سے ارتکاب خطا کرتا ہے۔ مخطی، وہ جس کی نیت میں ارتکاب خطا نہیں گو اس سے صدور خطا ہوتا ہے۔

جب برادران یوسف نے یوسف علیہ السلام کا مندرجہ بالا کلام جو حقائق عالیہ سے پر اور شرافت نفس وکرم طبع ونزہت قلب پر مشتمل تھا۔ سنا تو ان پر بہت گہرا اثر پڑا اور ان کو بے اختیار اقرار کرنا پڑا۔ جس میں یوسف صدیق کی افضلیت کا اعتراف اور اپنی مجرمیت کا اقبال تھا۔

یوسف علیہ السلام کی شاندار کامیاب زندگی کا یہ دوسرا نظارہ ہے۔

(۱) ایک دفعہ تو امرأۃ العزیز نے سرِ دربار اپنی خطا اور صدیق کی عصمت و پاکیزگی کا اقرار کیا تھا۔

(۲) اور آج وہی حسد کے مارے ہوئے، جان کے دشمن بھائی سرِ دربار اپنی خطا کاری و جرم کا اقرار اور یوسف علیہ السلام کی فضیلت و برتری کا اعتراف کرتے ہیں۔ وَلِلّٰہِ الْحُجَّۃُ الْبَالِغَۃُ.

دلداری ودرگزر

﴿ قَالَ لَا تَثْرِيبَ عَلَيْكُمُ الْيَوْمَ يَغْفِرُ اللّٰهُ لَكُمْ وَهُوَ اَرْحَمُ الرّٰحِمِيْنَ۝﴾ [۱۲/ یوسف:۹۲]

''یوسف علیہ السلام نے کہا: آج تم پر کچھ ملامت نہیں، خدا تمہیں بخشے وہ تو سب رحم کرنے والوں سے زیادہ رحم کرنے والا ہے۔''

تَثْرِيْب: ثَرَبَهٗ ثَرْبًا۔ گناہ پر ملامت کرنا، عار دلانا۔

ثَرْبٌ: وہ چربی جو جانور کے گوشت کے ساتھ لپٹی ہوئی ہوتی ہے۔

تَثْرِيْب: پوست اتار کر چربی اتارنا۔ دوسرے کے جرائم کو ایسے طعن و تشنیع سے گنوانا کہ اس کی چربی پگھلنے لگے۔

اللہ اکبر! یوسف علیہ السلام نے نہ صرف اپنی طرف سے عفو و درگزر کا اعلان فرمایا، بلکہ شرمسار بھائیوں کو غفران رحمٰن کا بھی امیدوار ٹھہرایا اور ان کو اللہ تعالیٰ کے اس اسم معظم کی تعلیم دی جو بندہ کو رحم اور رحمت ربانی کا مستحق ٹھہراتا ہے۔ وہ اسم پاک ''الرحم الراحمین'' ہے۔

یوسف علیہ السلام کی شناخت کب ہوئی؟

توراۃ سے ثابت ہے کہ قحط کا دوسرا سال تھا۔ جب یوسف علیہ السلام نے خود کو بھائیوں پر ظاہر کیا۔

فصل

قمیص یوسف علیہ السلام کا کنعان جانا، یعقوب علیہ السلام کی آنکھوں کا روشن ہو جانا

اسرائیل و ابنائے اسرائیل کا مصر پہنچنا

﴿ اِذْهَبُوْا بِقَمِيْصِيْ هٰذَا فَاَلْقُوْهُ عَلٰى وَجْهِ اَبِيْ يَاْتِ بَصِيْرًا وَاْتُوْنِيْ بِاَهْلِكُمْ اَجْمَعِيْنَ ﴾ [۱۲/ یوسف:۹۳]

"میرا یہ قمیض لے جاؤ اور اسے میرے باپ کے چہرہ پر ڈال دو۔ وہ سوجا کھے ہو جائیں گے اور تم سب اپنے اپنے کنبہ سمیت میرے پاس چلے آؤ۔"

قمیص: قَمَصَ، قِمَاصًا وَقُمَاصًا۔ گھوڑے نے دونوں پاؤں اٹھا لیے۔ جب قمیص نکلا تب اُس کی دونوں آستینوں کو گھوڑے کی اٹھی ہوئی دونوں ٹانگوں سے تشبیہ دی گئی۔

قِمِیص: کرتہ اور غلاف۔ وہ کرتہ جو روئی کے کپڑے کا ہو اور اس کا چاک کندھے کی طرف ہو۔

درع: وہ کرتہ جس کا چاک سینہ کی جانب ہو۔

یوسف علیہ السلام کا یہ کلام ربانی اعلام سے تھا۔ غور کرو! ایک وہ کرتہ تھا جسے دیکھ کر یعقوب علیہ السلام کی آنکھوں میں جہاں تاریک ہو گیا تھا اور ایک یہ کرتہ ہے جسے منہ پر ڈالنے سے آنکھوں کا نور لوٹ آیا۔ یہ دونوں کرتے یوسف علیہ السلام ہی کے جسم کے تھے اور ان دونوں کے لانے والے بھی وہی فرزندان یعقوب تھے۔

مؤثر حقیقی اللہ تعالیٰ ہے

حقیقت یہ ہے کہ نہ لانے والے کی کوئی فضیلت ہے اور نہ کرتہ کی کوئی عظمت۔ مؤثر حقیقی وہی رب العالمین ہے۔ ہر ایک دوا، خواہ وہ کیسی ہی مجرب کیوں نہ ہو۔ ہر ایک دعا خواہ وہ کیسی ہی مؤثر کیوں نہ ہو، اس میں اثر و تاثیر اسی وقت پیدا ہوتی ہے، جب مالک الملک کا

حکم ہوتا ہے۔

اب تیسرے کرتہ کو بھی یاد کرو۔ جسے امراۃ العزیز کے رشتہ دار نے صدق و کذب کا معیار ٹھہرایا تھا اور اللہ تعالیٰ نے یوسف صدیق علیہ السلام کی صدق و عفت کو انہی کے مقرر کردہ معیار کے مطابق پورا کر دکھایا تھا۔

یعقوب علیہ السلام نے قبل از وقت اطلاع دی

﴿ وَ لَمَّا فَصَلَتِ الْعِيرُ قَالَ اَبُوْهُمْ اِنِّىْ لَاَجِدُ رِيْحَ يُوْسُفَ لَوْ لَآ اَنْ تُفَنِّدُوْنِ ﴾ [۱۲/ یوسف:۹۴]

"جب قافلہ نے مصر چھوڑا۔ تب یعقوب علیہ السلام نے کہہ دیا کہ مجھے یوسف علیہ السلام کی خوشبو آتی ہے، اگر تم یہ نہ سمجھو کہ یہ بہکی باتیں کر رہا ہے۔"

فصل: فَصَلَ فَصُوْلًا، علیحدہ ہوا۔ الگ ہوا۔ یعنی جب قافلہ شہر مصر سے باہر نکلا۔

رِيْح: معنی رائحہ۔ یعنی خوشبو کا آنا متنبی کا مصرع ہے۔ و اخذت اطائب ریحہ تتضوع

تُفَنِّدُوْنَ. فَنِدَ فَنَدًا: بڑھاپے یا بیماری سے عقل میں فرق آ جانا، بہکی بہکی باتیں کرنا۔

اَبُوْهُمْ میں هُمْ سے مراد پوتے ہیں کیوں کہ بیٹے تو سب مصر چلے گئے تھے۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے میدان حنین میں یہ رجز فرمایا تھا۔

اَنَا النَّبِيُّ لَا كَذِبْ اَنَا ابْنُ عَبْدِ الْمُطَّلِبْ

علم غیب اور انبیا

ذرا غور کرو۔ ایک وقت وہ تھا کہ یوسف صدیق خاص کنعان کی سرزمین میں چاہ کے اندر موجود تھے اور یعقوب علیہ السلام کو اس کا کچھ علم نہ ہوا اور ایک وقت یہ ہے کہ ابھی قافلہ دس دن کی راہ پر ہے اور انہوں نے کنبہ میں بیٹھے ہوئے کہہ دیا کہ "مجھے یوسف علیہ السلام کی خوشبو آ رہی ہے۔"

شیخ سعدی شیرازی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا:

یکے پرسید زاں گم کردہ فرزند کہ اے روشن گہر پیر خردمند

زمصرش بوی پیراہن شنیدی چرا در چاہ کنعانش ندیدی
بگفت احوال مابرق جہان ست دمے پیدا و دیگر دم نہان ست
گہے برطارم اعلیٰ نشیلیم گہے بر پشت پائے خود نہ بینیم

﴿قَالُوْا تَاللّٰهِ اِنَّکَ لَفِیْ ضَلٰلِکَ الْقَدِیْمِ﴾ [۱۲/یوسف:۹۵]

''وہ بولے بخدا تو تو اپنی اسی پرانی غلطی میں ہے۔''

ضَلَال: کے معنی دین یا حق یا راہ سے دور ہو جانا ہے۔ یہ لفظ نسیان کے معنی میں بھی آ جاتا ہے۔ ہم نے ترجمہ میں سب سے ہلکا لفظ استعمال کیا ہے۔ لیکن اس میں شک نہیں کہ خدا کے نبی اور اپنے پدر بزرگوار کو رُو در رُو انہوں نے جو لفظ کہے وہ بہت سخت ہیں۔ غالباً یہ گستاخی بھی معاف ہو چکی ہوگی۔

﴿فَلَمَّآ اَنْ جَآءَ الْبَشِیْرُ اَلْقٰهُ عَلٰی وَجْهِهٖ فَارْتَدَّ بَصِیْرًا قَالَ اَلَمْ اَقُلْ لَّکُمْ اِنِّیْٓ اَعْلَمُ مِنَ اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ﴾ [۱۲/یوسف:۹۶]

''جب بشیر آیا اس نے کرتہ یعقوب علیہ السلام کے چہرہ پر ڈال دیا تو وہ پہلے جیسے بینا بن گئے۔ یعقوب علیہ السلام نے کہا: کیا میں نے تم سے کہہ نہ دیا تھا کہ مجھے اللہ کی جناب سے وہ علم ہے، جو تم کو نہیں۔''

اَلْبَشِیْر: ابن جریرؒ نے چند روایات سے ثابت کیا ہے کہ وہ یہودا ابن یعقوب تھا۔ فرزندانِ یعقوب نے مسلسل و متواتر چند دفعہ یعقوب علیہ السلام کو یوسف علیہ السلام کی ہلاکت کا یقین دلانا چاہا، لیکن انہوں نے ہمیشہ ان کی باتوں کو رد ہی کیا۔

اعتمادِ الٰہی کا نتیجہ

اس فراق و جدائی کو انہوں نے ابتلا و امتحان ہی سمجھا اور دوران مدت ابتلاء میں نہ کبھی کسی مخلوق سے شکوہ کیا، نہ حرف شکایت کبھی زبان پر لائے۔ انہوں نے ہمیشہ رضاء الٰہی کو اپنا مقصود و مراد بنایا اور تفویض و توکل پر اعتماد کیا۔ اللہ تعالیٰ نے اُن کے اعتماد کو پورا کر دکھایا۔

درخواست مغفرت

﴿قَالُوْا یٰٓاَبَانَا اسْتَغْفِرْ لَنَا ذُنُوْبَنَآ اِنَّا کُنَّا خٰطِئِیْنَ﴾ [۱۲/یوسف:۹۷]

''سب نے مل کر کہا: اے ہمارے باپ! ہمارے گناہوں کی بخشش کا سوال (اللہ) سے کیجئے۔ ہم تو جان بوجھ کر خطا کرتے رہے۔''

فرزندانِ یعقوب علیہ السلام کا یہ اقبالِ جرم اس وقت کا ہے، جب اُن کے لیے انکار کی کوئی صورت باقی نہ رہی تھی۔ امراۃ العزیز کا دربار میں اقبال بھی اسی قبیل سے تھا۔

التوائے درخواست

﴿قَالَ سَوْفَ أَسْتَغْفِرُ لَكُمْ رَبِّي ۖ إِنَّهُ هُوَ الْغَفُورُ الرَّحِيمُ﴾ [۱۲/ یوسف: ۹۸]

''یعقوب علیہ السلام نے کہا میں اپنے پروردگار سے تمہاری بخشش کی درخواست کروں گا۔ میرا رب تو بہت معاف کرنے والا اور کمال رحم والا ہے۔''

سَوْفَ: مضارع کو مستقبل بعید کے معنی میں خاص کر دیتا ہے۔

ابن جریر رحمہ اللہ نے ابن عباس رضی اللہ عنہ سے ایک حدیث مرفوع روایت کی ہے کہ سَوْفَ أَسْتَغْفِرُ سے یعقوب علیہ السلام کی مراد یہ تھی کہ شب جمعہ کو دعا فرمائیں گے۔ علامہ ابن کثیر رحمہ اللہ نے اس روایت کو ضعیف بتلایا ہے اور یہ بھی لکھ دیا ہے کہ اس کے مرفوع ہونے میں بھی کلام ہے۔

یعقوب علیہ السلام اور یوسف علیہ السلام کا انتظارِ باہم

لہٰذا یہ سمجھنا زیادہ مناسب ہے کہ یعقوب علیہ السلام نے اس دعا کو لقاء یوسف تک ملتوی کر دیا ہو۔ یوسف علیہ السلام نے بھی بھائیوں کی ایسی درخواست پر یَغْفِرُ اللّٰهُ بصیغہ مضارع فرمایا تھا۔ گویا یعقوب علیہ السلام نے یوسف علیہ السلام کا اور یوسف علیہ السلام نے یعقوب علیہ السلام کا انتظار کیا۔ بیشک یہ زیادہ مکمل صورت تھی کہ معافی دونوں بزرگوں کی جانب سے بوقت واحد عمل میں آئی۔ ابن جریر رحمہ اللہ نے ایک طویل روایت بیان کی ہے کہ یعقوب و یوسف علیہما السلام نے ۲۰ سال تک ان کے لیے دعائے مغفرت کی تب منظور ہوئی۔ یہ روایت حضرت انس رضی اللہ عنہ پر موقوف ہے۔ اس میں یزید رقاشی اور صالح المری دونوں راوی سخت ضعیف ہیں۔ یعقوب علیہ السلام تو اس واقعہ سے ۲۰ سال بعد تک زندہ بھی نہ رہے تھے۔

فصل

اسرائیل و بنی اسرائیل کا مصر کو جانا، مصر کی اقامت

یوسف علیہ السلام اور اللہ کی نعمتوں کا اعتراف، مصر میں جانے
والوں کی تعداد کا نقشہ، مصر سے نکلتے وقت تعداد کا جدول۔

یوسف علیہ السلام کی ملاقات

﴿فَلَمَّا دَخَلُوْا عَلٰی یُوْسُفَ اٰوٰٓی اِلَیْهِ اَبَوَیْهِ وَ قَالَ ادْخُلُوْا مِصْرَ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ اٰمِنِیْنَ ﴾ [۱۲/ یوسف:۹۹]

''جب یہ سب یوسف علیہ السلام کے پاس پہنچے تو اس نے ماں باپ کو اپنے پاس ٹھہرایا اور کہا کہ چلو مصر میں داخل ہو۔ ان شاء اللہ تم کو وہاں ہر طرح کا امن ملے گا۔''

سوتیلی ماں کا درجہ

توارۃ میں اور تاریخ سے ثابت ہے کہ یوسف علیہ السلام کی والدہ کا انتقال تو بنیامین کے نفاس ہی میں ہو چکا تھا۔ ان کی خالہ جو زوج یعقوب علیہ السلام تھیں یعنی لیاہ بیگم۔ وہ مصر میں گئی تھیں۔ پس لفظ اَبَوَیْهِ میں وہی مراد ہے اور اس سے ثابت ہوتا ہے کہ والدہ کے بعد سوتیلی ماں کا درجہ بھی مثل والدہ ہے۔

تعظیم والدین اور والدین کی طرف سے احترام

﴿وَرَفَعَ اَبَوَیْهِ عَلَی الْعَرْشِ وَ خَرُّوْا لَهٗ سُجَّدًا ۚ وَقَالَ یٰٓاَبَتِ هٰذَا تَاْوِیْلُ رُءْیَایَ مِنْ قَبْلُ ۫ قَدْ جَعَلَهَا رَبِّیْ حَقًّا ؕ وَ قَدْ اَحْسَنَ بِیْٓ اِذْ اَخْرَجَنِیْ مِنَ السِّجْنِ وَ جَآءَ بِكُمْ مِّنَ الْبَدْوِ مِنْۢ بَعْدِ اَنْ نَّزَغَ الشَّیْطٰنُ بَیْنِیْ وَ بَیْنَ اِخْوَتِیْ ؕ اِنَّ رَبِّیْ لَطِیْفٌ لِّمَا یَشَآءُ ؕ اِنَّهٗ هُوَ

﴿الْعَلِيْمُ الْحَكِيْمُ﴾ [۱۲/ یوسف:۱۰۰]

''یوسف علیہ السلام نے ماں باپ کو عرش کے اوپر بٹھایا اور وہ سب اس کے لیے سجدہ میں گر پڑے۔ یوسف علیہ السلام نے کہا: پیارے باپ یہ ہے تاویل میری خواب کی جو پہلے آیا تھا، میرے رب نے اسے سچا کر دکھایا۔ اللہ نے میرے ساتھ احسان فرمایا جب مجھے زندان سے نکالا۔ یہ بھی مجھ پر احسان فرمایا کہ تم کو بیابان سے یہاں لے آیا۔ اس سے پیچھے کہ شیطان نے مجھ میں اور میرے بھائیوں میں رنجش ڈال دی تھی۔ بیشک میرا رب اُن اُمور کا دانا ہے جو وہ کرنا چاہتا ہے، وہ علیم و حکیم ہے۔''

﴿خَرُّوْا لَهٗ سُجَّدًا﴾ کی توجیہ اکثر علما نے یہ کی ہے کہ یوسف علیہ السلام کے مل جانے کے شکریہ میں سب نے سجدہ کیا۔

کیا یوسف علیہ السلام صرف جہت سجدہ تھے؟

بعض نے یہ توجیہ کی کہ یوسف علیہ السلام صرف جہت سجدہ تھے۔ جیسا کہ کعبہ ہماری لیے جہت سجدہ ہے اور کعبہ کو سجدہ کرنا کسی کا مقصود نہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ ان علماء کرام کے قلوب میں اسلامی تعلیم اس قدر محکم جاگرفتہ ہے کہ وہ ملل سابقہ کے افعال کی بھی توجیہ کرنا چاہتے ہیں۔ خدا کرے کہ سب ہی مسلمانوں کے دل میں سجدہ غیر اللہ کی حرمت ایسی ہی قائم و دائم رہے۔ اب اصلیت یہ ہے کہ یعقوب علیہ السلام کے عہد تک کوئی شریعت نازل نہ ہوئی تھی۔ جس میں تفصیلی احکام ہوں۔ اولین شریعت جو دنیا میں پائی جاتی ہے وہ موسیٰ علیہ السلام کی شریعت ہے۔ عہد موسوی سے پہلے کئی ایسی باتیں پائی جاتی ہیں جن کا وجود نزول شریعت کے بعد اٹھ گیا ہے۔

مثلاً نکاح واحد میں دو بہنوں کا وقت واحد میں پایا جانا توراۃ میں منع ہے۔ مگر یعقوب علیہ السلام کے گھر میں راخیل ولیاہ دونوں خواہران حقیقی موجود تھیں۔

عہد اسرائیل میں شکرانہ باجازت ربانی جائز تھا

پس صحیح تفسیر ﴿خَرُّوْا لَهٗ سُجَّدًا﴾ کی یہی ہے کہ یعقوب علیہ السلام کے عہد میں

سجدہ شکرانہ جائز تھا۔ بشرطیکہ اس کی اجازت مِنَ اللّٰہِ ہوگئی ہو۔ اس سجدہ کی اجازت یوسف علیہ السلام کے ابتدائی خواب ہی میں پائی جاتی تھی۔ اسرائیل و بنی اسرائیل نے جو کچھ کہا۔ وہ ''اِمْتِثَالًا لِأَمْرِ اللّٰہ'' کیا تھا۔ اس میں رائے یا قیاس یا رسم کا دخل نہ تھا۔

اگر حکم الٰہی موجود نہ ہوتا تو یوسف علیہ السلام بھی خود گوارا نہ کر سکتے تھے کہ باپ (جسے نبوۃ وعلم میں بھی ان پر تقدم تھا) بیٹے کو سجدہ کرے۔ غالباً حکمت الٰہیہ یہ تھی کہ حاسد برادران یوسف کو اُن کی ذلت وحقارت کا مجسمہ دکھلا دیا جائے اور یہی فعل یوسف علیہ السلام کو اُن کے جور وستم اٹھانے کا بہترین انعام بن جائے۔

اولاد کی ترقی والدین کو کبھی شاق نہیں ہوتی

باقی رہے ماں باپ...... قدرتاً وفطرتاً اگر کوئی شخص کسی شخص کو اپنے سے برتر وخوش تر حالت میں دیکھ کر شادمان ہو سکتا ہے تو وہ والدین ہی ہیں۔ بیٹا اپنے والدین سے دولت و اقبال ظاہری اور نعمت وافضال معنوی میں خواہ کتنا ہی زیادہ کیوں نہ بڑھ جائے۔ ماں باپ کو اس کی ترقی وافزونی پر ہرگز حسد نہ ہوگا بلکہ ان کی مسرت وشادمانی میں بھی اسی قدر زیادہ ترقی ہوتی رہے گی۔ بعض لوگوں نے اس واقعہ سے یہ استنباط کرنا چاہا ہے کہ مرید اپنے پیر و مرشد کو سجدہ کر سکتا ہے، مگر یہ غلطی ہے۔ اگر ان کی دلیل ظاہر قصہ ہے۔ تب تو یہ سمجھنا چاہیے تھا کہ پیر ومرشد اپنے مرید کو سجدہ کیا کرے، جیسا کہ یعقوب علیہ السلام نے یوسف علیہ السلام کو کیا تھا غور کرو کہ خاص اذن الٰہی کی شرط کو ان لوگوں نے چھوڑ ہی دیا ہے۔ یاد رکھو کہ اب مسلمانوں کو تو حکم یہ ہے۔ ﴿فَاسْجُدُوْا لِلّٰہِ﴾[۵۳/ النجم:۶۲] ''یعنی اللہ ہی کو سجدہ کرو۔'' ﴿وَ لَہٗ یَسْجُدُوْنَ﴾ ''اہل ایمان صرف اللہ ہی کو سجدہ کرتے ہیں۔''

یوسف علیہ السلام کے حسن ادب کو دیکھو۔ انہوں نے جیل سے نکلنے کو بھی احسان ربی بتلایا اور کنبہ کا مصر میں آ جانا بھی اللہ تعالیٰ کا اپنے حق میں احسان شمار کیا۔ اس طرز کلام سے تمام کنبہ کے دل سے یہ وہمی خیال بھی دور کرنا تھا کہ کہیں اُن کا آنا یوسف کو ناگوار نہ گزرے۔

صحرائی وشہری زندگی

مِنَ الْبَدْوِ: بدو، صحرا، ان الفاظ پر غور کرو! صحرائی زندگی کو تمدنی زندگی سے کمتر

بتلایا گیا ہے ایک حدیث کا ٹکڑا ہے۔((مَنْ بَدَا جَفَا)) ''صحرا نشینی سے درشت خوئی پیدا ہوتی ہے۔'' اس میں شک نہیں کہ تحصیل علم وادب اور آسائش ورفاہیت کے جو سامان شہری زندگی میں میسر ہوتے ہیں، وہ صحرائی اور دیہاتی زندگی میں کہاں! دِہ مردِ دہ مرد ازاد دہقاں کند [1]

نَزَغَ: طعن کرنا، چونک لگانا، فساد ڈالنا۔ نزع الشیطان وساوس۔

یوسف علیہ السلام کا خلق عالی دیکھو کہ گوانہوں نے بھائیوں کے خلاف کچھ بھی نہ کیا تھا تاہم طرز کلام ایسا اختیار فرمایا کہ آپ اپنے کو بھائیوں سے متمیز نہیں کیا۔

لَطِيفٌ: جو اسماء حُسنٰی میں سے اللہ تعالیٰ کا نام ہے۔ اس کے معنی ہیں۔ امور مخفی کا دانا، دل کی چھپی باتوں کا جاننے والا۔

یہ اسم پاک اس امر کا اشارہ کر رہا ہے کہ یہ کون جان سکتا ہے کہ یوسف کا چاہ میں گرایا جانا مصر میں پہنچنے کا سبب ہوگا۔

اور ان کا جیل میں ڈالا جانا تخت امارت وحکومت پر تمکن کا ذریعہ ہوگا اور قحط عام کا پھیلنا اسرائیل و بنی اسرائیل کے مصر میں آباد ہونے کا باعث بنے گا۔

اللہ تعالیٰ (جو لطیف بامور ہے) یہ سب کچھ جانتا تھا، اسی نے ان جملہ اسباب کو پیدا کیا، اسی نے عنا کو غنا سے اور محن کو منن سے تبدیل فرمایا۔

مصائبِ یوسف علیہ السلام معہ نتائج

☆ الف: بندہ کو لازم ہے کہ جب اس پر کوئی مصیبت آئے تو یوسف علیہ السلام کے مصائب کو معہ اُن کے نتائج کے یاد کرے۔

صبر جمیل کا اجر جزیل

☆ ب: مومن کو واجب ہے کہ یعقوب علیہ السلام کے صبر جمیل کو معہ اس کے اجر جزیل کے یاد رکھے تاکہ ایام مصیبت بھی بانتظار کشود کار باعث اطمینان واستقرار دل بن جائیں۔

---

[1] فارسی کا ایک مشہور شعر ہے: یوسف کہ بمصر بادشاہی میکرد میگفت گدا بودن کنعان خوشتر
ترجمہ: ''یوسف علیہ السلام جو مصر میں بادشاہی کر رہے تھے وہ کہتے تھے کہ کنعان میں (جو میرا وطن ہے) گداگری اس سے بہتر ہے۔'' دیکھو کتنا غلط شعر ہے۔ قرآن کریم سے اس کا رد ہوتا ہے۔

☆ ج: انسان کو شایاں ہے کہ جب اسے آتش حسد کی جلن ستائے تو وہ برادران یوسف کے انجام پر نظر ڈال لے۔

☆ د: مسلمان کو لابدی (لازمی) ہے کہ جب اللہ تعالیٰ اسے اپنے افضال لا متناہی سے شاد کام فرمائے۔ تو حاسدوں اور دشمنوں، بدخواہوں اور بداندیشوں کے ساتھ عفو عام اور درگزر تام کا سلوک فرمائے۔

مدت فراق یعقوب علیہ السلام

اس جگہ یہ حساب بتانا ضروری ہے کہ حضرت یعقوب و یوسف علیہم السلام کی مدت فراق کیا تھی۔ بائیبل سے ثابت ہے کہ چاہ میں گرائے جانے کے وقت عمر یوسف علیہ السلام ۱۷ سال تھی اور بوقت وزارت ۳۰ سال۔ بھائیوں نے یوسف کو قحط کے دوسرے سال میں شناخت کر لیا۔ اسے ہم وزارت کا دسواں سال کہہ سکتے ہیں۔ پس مدت فراق ۲۳ سال تھی اور ملاقات پدر کے وقت صدیق علیہ السلام کی عمر چہل (۴۰) سال تھی۔ ابن جریر نے متعدد روایات میں مدت فراق ۱۸ و ۴۰ و ۸۰ سال بیان کی ہے مگر ۲۳ سال ان شاء اللہ زیادہ صحیح ہے۔ البتہ ۴۰ و ۸۰ سال کی اعداد اس طرح صحیح رہ سکتی ہیں کہ مدت وزارت اسی سال تھی اور عمر بوقت ملاقات ۴۰ سال۔ اب ﴿جَاءَ بِكُمْ﴾ کی تفسیر میں مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ذیل میں ایک نقشہ درج کیا جائے تاکہ مصر میں جا بسنے والوں کے نام ناظرین کو معلوم ہو جائیں۔

اول: یعقوب علیہ السلام۔ جن کی عمر اس وقت (بقول بائیبل) ۱۳۰ سال تھی۔

دوم: لیاہ خاتون، زوج یعقوب علیہ السلام۔

جدول اسماء بنی اسرائیل جو کنعان سے مصر میں جا آباد ہوئے

خاندان یعقوبؑ کے جملہ افراد جو مصر میں گئے تھے

بیوی کا نام	نام فرزندان یعقوبؑ	نام نبیرگان یعقوبؑ	کیفیت
لیاہ خاتون	روبن	ہنوک، پھلو، حصرون، کرمی	
	سمعون	یموائل، یمین، احد بکین، ساؤل	
	لاوی	جیرسون، قہات، مراری	موسیٰؑ کا نسب نامہ یہ ہے موسیٰ ابن عمران بن قہات بن لاوی
لیاہ خاتون	یہوداہ	سیلہ، پھارس، زارہ فرزندان پھارس حصرون، حمول	دو بیٹے یہوداہ کے اور تھے عیر واونان وہ مصر جانے سے پیشتر مر گئے تھے۔ حضرت داؤد، سلیمان وزکریا ویحییٰ ومسیحؑ یہوداہ کی اولاد میں سے ہیں۔
	اِشکار	تولہ، فوہ، یوب سمرون	
	زبلون	سرد، ایلون، تجلیل	
میزان اولاد لیاہ	فرزند ۶ دختر ۱ کل ۷	نبیرگان ۲۴ بنت اشکار ۱ کل ۲۵	کل ۳۲ بائبل نے میزان ۳۳ دی۔ اس میں ایک غلطی یہ ہے کہ آؤینہ دختر یعقوب کو شمار نہ کیا۔ دوسری غلطی کہ عیر واونان کو بھی شمار کر لیا جو مصر جانے سے پہلے مر گئے تھے۔

بیوی کا نام	فرزندان یعقوبؑ	نبیرگان یعقوبؑ	کیفیت
زلفہ لونڈی کی اولا	جد	سفیان، حجی، سونی، اسیان عیری، ارودی، اریلی	۸
	آشر	یمنہ، اسواہ، اسوی، بریعاہ بنی بریعاہ۔ حبر، ملکیل دختر سرہ	فرزند ۷ دختر ۱ کل ۸
میزان اولاد زلفہ	۲	پوتے ۱۳ پوتی ۱	۱۶
بلہہ لونڈی کی اولاد	دان	حشیم	۲
	نفتالی	یحصی ایل، جونی، بصر، سلیم	۵
میزان	۲	۵	۷
رحیل خاتون کی اولاد	بنیامین	بلع، بکر، اشبیل، حمرا، نعمان، اخی، روس، ہم، حصیم، ارد	۱۱
	یوسف علیہ السلام	منسی افرائیم	فرزندان یوسفؑ مصر ہی میں پیدا ہوئے تھے۔
میزان	۲	۱۲	۱۴
میزان کل	فرزندان ۱۲ دختر ۱	نبیرگان ۵۴ پوتیاں ۲	۶۹

تفصیل بالا کے بموجب میزان ۶۹ آتی ہے۔ بائبل میں ۷۰ ہے۔ جو حضرت یعقوب علیہ السلام کو شامل کر کے صحیح ہے۔ مگر اعمال (تتمہ انجیل) باب ۷ درس ۱۴ کو پڑھو۔ اس کے الفاظ یہ ہیں تب یوسف علیہ السلام نے اپنے باپ یعقوب علیہ السلام اور ان کے دو بیٹوں کے ساتھ کل تعداد ۷۹ ہو جاتی ہے۔ پادری صاحبان فیصلہ کر سکتے ہیں کہ عہد نامہ قدیم کی تعداد

صحیح ہے یا عہد نامہ جدید کی یا دونوں صحیح ہیں یا دونوں غلط ہیں۔ یوسف علیہ السلام اور ان کے دونوں فرزندان کو نکال کر (جو پہلے سے مصر میں موجود تھے ﴿وَاْتُوْنِیْ بِاَهْلِكُمْ اَجْمَعِیْنَ﴾ کے تحت میں مصر جانے والوں کی تعداد (۶۶) تو صحیح ہے۔

یہ قابل غور ہے کہ بائبل نے اس تمام قافلہ کے رجال کی عورتوں کو شمار میں شامل نہیں کیا۔ عورتوں کا عدم و وجود گویا برابر تھا۔ اب ہم چاہتے ہیں کہ وہ تعداد بھی درج کر دیں جو خروج مصر کے وقت بنی اسرائیل کی تھی۔ مندرجہ ذیل تعداد میں حسب بیان بائبل صرف وہ مرد شامل ہیں جن کی عمر شمار کے وقت زائد از بست سال تھی۔ [1]

یہ تمام مردم شماری خروج کے بعد دوسرے سال کے دوسرے مہینے کی پہلی تاریخ کو کی گئی تھی۔

(۱) اولاد روبن	۴۶۵۰۰	
// شمعون	۵۹۳۰۰	
لاوی		
(۱) یہوداہ	۷۴۶۰۰	
// اشکار	۵۴۴۰۰	
// زبلون	۵۷۴۰۰	میزان اولاد لیاہ خاتون ۲۹۲۲۰۰
// جد	۴۵۶۵۰	

[1] بائبل میں مدت قیام بنی اسرائیل (۴۳۰) سال درج کی گئی ہے۔ حالانکہ بروئے حساب اُن کی مدت قیام ۲۱۵ سال سے زائد نہیں ہو سکتی۔ موجودہ بائبل میں اس قسم کی غلطیاں بہت زیادہ ہیں۔ مثلاً ۶۰۳۵۵ کی جو تعداد ۱۱ بیٹوں کی اولاد کی درج کی گئی ہے۔ یہ بھی محالات سے ہے۔ موسیٰ علیہ السلام کا نسب نامہ یہ ہے۔ موسیٰ بن عمران بن قہات بن لاوی بن یعقوب علیہما السلام یعنی موسیٰ و یعقوب علیہ السلام کے درمیان ۳ پشتیں ہیں۔ یہی حال دیگر اسباط کا ہے نسل اول جو فرزندان یعقوب علیہ السلام کی ہے۔ ۱۲ کی تعداد میں ہے۔
نسل دوم: کی تعداد بھی ۵۴ ذکور اور ۱۲ اناث کے نام بنام موجود ہے۔
نسل سوم: میں ان ۵۴ میں سے اگر ہر ایک کی اولاد ذکور فی کس ۵۴ فرزند بھی سمجھ لی جائے تب بھی ان کی تعداد ۲۳۷۶ ہوگی اب ان ۲۳۷۶ کے بھی فی کس ۵۴ فرزند قرار دیے جائیں تب بھی تعداد (۱۲۸۳۰۴) ہوگی یہ کل تعداد ہوگی نہ کہ وہ تعداد۔ جس میں سے ۲۰ سال سے کم مرد اور سب دختران نکال دیے گئے ہوں۔ اس تمام مبحث سے معلوم ہوتا ہے کہ موجودہ بائبل کے اندراجات بہت کچھ صحت طلب ہیں۔ فقط

// آشر	۴۱۵۰۰	میزان اولاد زلفہ ۸۷۱۵۰	
// دان	۶۲۷۰۰		
// نفتالی	۵۳۴۰۰	میزان اولاد بلہہ ۱۱۶۱۰۰	
// بنیامین	۳۵۴۰۰		
// اولاد یوسف علیہ السلام	۷۲۷۰۰	میزان اولاد راحیل خاتون ۱۰۸۱۰۰	
میزان	۶۰۳۵۵۰		۶۰۳۵۵۰

تعداد بالا میں بنو لاوی کا شمار نہیں کیا گیا۔ یہی حکم تھا کہ بنو لاوی کا شمار نہ کیا جائے۔ کیونکہ وہ جنگ سے بھی مستثنیٰ تھے۔ (کتاب الاعداد باب اول) اگر ان گیارہ پسر کی اولاد سے ایک اوسط نکال کر بنی لاوی کا اندازہ کیا جائے تب باور کرنے کی وجہ ہے کہ بنو لاوی کی تعداد پچپن ہزار ہوگی۔ اس لیے کل تعداد ۶۵۸۵۵۰ ہوئی۔

اسباط دوازدہ کو یعقوب و موسیٰ علیہما السلام کی برکات

ناظرین کی معلومات کو مکمل کرنے کی غرض سے میں چاہتا ہوں کہ یعقوب علیہ السلام نے اپنی وفات کے وقت جن الفاظ سے اپنے ۱۲ بیٹوں کو برکت دی۔

اور پھر موسیٰ علیہ السلام نے اپنے انتقال کے وقت ان بارہ اسباط کو جن الفاظ سے برکت دی۔ اس کا اندراج بھی کیا جائے۔

اور اسی کے ساتھ ساتھ یہ بھی دکھلایا جائے کہ ارادہ اللہ تعالیٰ سب پر غالب ہے۔ آج ان بارہ اسباط کا وجود دنیا میں غیر موجود ہے۔ جن محققین نے اسرائیلی نسلوں کی تلاش میں بہت کچھ محنتیں کی ہیں۔ وہ اس نتیجہ پر پہنچے ہیں کہ آج صرف ڈھائی نسلیں دنیا پر پائی جاتی ہیں۔

اسماء عبرانی کے معانی

تکمیل فائدہ کی غرض فرزندان اسرائیل کے ناموں کے (جو عبرانی زبان کے ہیں) معانی بھی ہم تحریر کر دیتے ہیں۔ اسماء کا اندراج ترتیب پیدائش پر ہے۔

(۱)	روبن	دیکھا ایک بیٹا
(۲)	سمعون	سمیع
(۳)	لاوی	جوڑا یا جُفت
(۴)	یہوداہ	آفرین
(۵)	دان	منصف
(۶)	نفتالی	کُشتی گیر
(۷)	جد	لشکر
(۸)	آشر	نصیب
(۹)	اشکار	اجر یا حق المحنت
(۱۰)	زبلون	رفیق
(۱۱)	دینہ مسماۃ	منصفہ
(۱۲)	یوسف علیہ السلام	مزید یا سوایا
(۱۳)	بنیامین	داہنے ہاتھ کا فرزند

حضرت یعقوب وحضرت موسیٰ علیہما السلام کے ارشادات کا نقشہ متعلق برکات اسباط دوازدہ عشرہ

یعقوب علیہ السلام کا ارشاد بنام روبن

اے روبن تو میرا پہلوٹا ہے۔ میری قوت اور میری شہ زوری کا پہلا اور قدر میں بڑا اور عزت میں افضل ہے۔ لیکن تو پانیوں کا سا جوش کھا کے بڑا نہ ٹھہرے گا۔ کیونکہ تو اپنے باپ کے بستر پر چڑھا۔ تب تو نے اسے نجس کیا۔

وہ بستر پر چڑھ گیا۔

ارشاد موسیٰ علیہ السلام بنام روبن

اے کاش کہ روبن جیوے اور نہ مرے اور اس کے لوگ تھوڑے نہ ہوں۔

ارشاد یعقوب علیہ السلام بنام سمعون ولاوی

سمعون اور لاوی تو سگے بھائی ہیں اور ان کی مکاریاں ظلم کے ہتھیار۔

اے میری جان! ان کی مجلس میں شامل نہ ہو کیونکہ انہوں نے اپنے غضب میں مردوں کو قتل کیا اور اپنی خود رائی سے بیلوں کی کونچیں ماریں۔

لعنت اُن کے غضب پر کہ تند تھا اور ان کے قہر پر کہ سخت تھا۔

میں انہیں یعقوب علیہ السلام میں چھتراؤں گا اور انہیں اسرائیل میں پتھراؤں گا۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کا ارشاد لاوی کے حق میں

تیرا تمیم اور تیرا اُوریم اُس مقدس آدمی کی امانت میں رہے۔ جسے تو نے مسہ میں امتحان کیا اور جس کے ساتھ تو نے مریبہ کے چشموں پر جھگڑا کیا۔ جس نے اپنے باپ اور اپنی ماں سے کہا کہ میں نے اس پر نگاہ نہیں کی۔ اس نے اپنے بھائیوں کو بھی نہ مانا اور اپنے بیٹوں کو بھی نہ پہچانا۔ اس لیے کہ انہوں نے تیری باتوں پر دھیان رکھا اور تیرے عہد کی محافظت کی۔ وہ تیرے عدالت کے فیصلے یعقوب علیہ السلام کو سکھاویں اور تیری شریعت اسرائیل کو دے، تیرے آگے بخور رکھیں گے اور سوختنی قربانیوں کو تیرے مذبح پر چڑھائیں گے۔ اے خدا! اس کے اسباب میں برکت دے اور اس کے ہاتھوں کے کاموں کو قبول کر اور ان کمروں کو جو اس کا سامنا کریں اور ان کی جو اس کا کینہ رکھیں۔ چھید کے توڑ ڈال تا کہ وے پھر نہ اٹھ سکیں۔

ارشاد یعقوب علیہ السلام بنام یہوداہ

اے یہوداہ! تیرے بھائی تیری مدح کریں گے۔ تیرا ہاتھ تیرے بیریوں کی گردن میں ہوگا۔ تیرے باپ کی اولاد تیرے حضور میں جھکے گی۔ یہوداہ شیر ببر کا بچہ ہے۔ اے میرے بچے تو شکار پر سے اٹھ چلا ہے۔ وہ شیر ببر بلکہ پرانے شیر ببر کی طرح جھکتا اور بیٹھتا ہے کون اس کو چھیڑے گا۔

یہوداہ سے ریاست کا عصا جدا نہ ہوگا اور نہ حاکم اس کے پاؤں سے جب تک کہ

سیلا نہ آوے اور قومیں اس کے پاس اکٹھی ہوں گی۔ وہ اپنا گدھا انگور کے درخت سے ہاں گدھی کا بچہ خاصہ انگور کے درخت سے باندھے گا۔ وہ اپنا لباس مے میں اور اپنی پوشاک اب انگور میں دھوئے گا۔ اس کی آنکھیں مے سے لال ہوں گی اور اس کے دانت دودھ سے سفید ہوں گے۔

ارشاد موسیٰ علیہ السلام بنام یہوداہ

اے خدا! یہوداہ کی آواز سن اور اسے اس کے لوگوں کے درمیان پھر لا۔ اس کے ہاتھ اس کے لیے کافی ہوں گے اور تو اس کے دشمنوں کے مقابل اس کا مددگار رہو۔

ارشاد یعقوب علیہ السلام بنام زبلون

مسکن زبلون کا سمندر کا کنارہ اور جہازوں کا بندر ہوگا اور اس کی سرحد صیدا تک پہنچے گی۔

ارشاد موسیٰ علیہ السلام بنام زبلون

اے زبلون تو باہر جانے میں شاد ہو۔

ارشاد یعقوب علیہ السلام بنام اِشکار

اشکار مضبوط گدھا ہے۔ جو دو بھیڑ سالوں کے درمیان بیٹھتا ہے اور جب دیکھے گا کہ آرام گاہ خوب اور زمین دل پسند ہے تو اپنا کاندھا بوجھ اٹھانے کو جھکائے گا اور خراج گزار بنے گا۔

ارشاد موسیٰ علیہ السلام بنام اِشکار

اشکار! تو اپنے خیموں میں شاد ہو۔ لوگوں کو پہاڑ پر بلائیں گے اور وہاں صداقت کی قربانیاں گزاریں گے۔ کیونکہ وہ سمندروں کی فراوانی کو اور خزانوں کو جو ریتی میں چھپے ہیں، چوس لیں گے۔

ارشاد یعقوب علیہ السلام بنام دان

دان اسرائیل کے فرقوں میں سے ایک کی مانند اپنے لوگوں کا نیاؤ کرے گا۔ دان راہ کا سانپ ہے اور رہ گزر کا اژدہا جو گھوڑے کی تلیوں کو ایسا ڈسے گا کہ اس کا سوار پچھاڑی گر پڑے گا۔ اے خدا! میں تیری نجات کی راہ دیکھتا ہوں۔

ارشاد موسیٰ علیہ السلام بنام دان

دان ایک شیر کا بچہ ہے جو بسن سے اُچھلے گا۔

ارشاد یعقوب علیہ السلام بنام جد

ایک فوج سے مغلوب ہوگا، پر وہ آخر کو غالب ہوگا۔

ارشاد موسیٰ علیہ السلام بنام جد

مبارک ہے وہ جد کہ ترقی کرے۔ وہ شیر کی مانند پڑا رہتا ہے۔ جو سر کی چاندی کو بازو سمیت پھاڑتا ہے اس نے اول نجرا اپنے لیے تجویز کیا کہ وہ وہاں شرع دینے کے حصہ میں سلامت رہا اور وہ امت کے رئیسوں کے ساتھ آیا اور وہ خدا کے عدل کو اور اس کی عدالت کو اسرائیل کے ساتھ عمل میں لایا۔

ارشاد یعقوب علیہ السلام بنام آشر

آشر سے اس کی روغنی روٹی آوے گی وہ بادشاہی خوش خوراکیں دے گا۔

ارشاد موسیٰ علیہ السلام بنام آشر

آشر اولاد کی برکت پاوے۔ وہ اپنے بھائیوں کا مقبول ہو اور اپنا پاؤں تیل میں ڈبو دے۔ تیرے جوتے پیتل سے ہوں اور جیسے تیرے دن ہوں ویسی تیری قوت ہووے۔

ارشاد یعقوب علیہ السلام بنام یوسف علیہ السلام

یوسف علیہ السلام ایک پھلدار پودا ہے۔ وہ پھلدار پودا جو چشمہ پر لگا ہو۔ جس کی

شاخیں دیوار پر چڑھ جاتی ہیں۔ تیرانداز اس کو چھیڑتے اور مارتے اور ستاتے تھے لیکن اس کی کمان زور میں پائیدار ہے اور اس کے ہاتھوں کے بازوؤں نے یعقوب علیہ السلام کے خدائے قادر کے ہاتھوں سے قوت پائی۔ وہ اسرائیلی کی چوپان اور چٹان ہے۔ تیرے باپ کے خدا سے جس نے تیری مدد کی اور اس قادر مطلق سے جس نے اوپر سے آسمان کی برکتیں اور نیچے سے گہراؤ کی برکتیں اور چھاتیوں اور رحموں کی برکتیں تجھ کو دے کر متبرک کیا۔

جو برکتیں تیرا باپ تیرے لیے چاہتا ہے۔ سو پرانے پہاڑوں کی برکتوں سے اور قدیم کوہوں کی نفیس چیزوں سے بڑھ جاتی ہیں۔

وے یوسف کے سر، بلکہ سر کی چاندی پر جو اپنے بھائیوں سے جدا ہوا، آ دیں۔

ارشاد موسیٰ علیہ السلام بنام یوسف علیہ السلام

یوسف علیہ السلام کی سرزمین خدا کے حضور متبرک ہووے۔ آسمان سے تحفہ جات سے اور شبنم سے اور گہراؤ سے جو نیچے پڑا ہے۔ اور آفتاب کے تحفہ حاصلوں سے اور ماہتاب کی تحفہ اگی ہوئی چیزوں سے اور قدیم پہاڑوں کی قیمتی چیزوں سے اور ابدی تیلوں کے تحفہ جات سے مجملاً زمین اور اسی کی معموری کی قیمتی چیزوں سے اور اس کی خیرخواہی کے سبب جو بوٹے میں رہتا ہے۔

اے کاش کہ وہ برکت یوسف علیہ السلام کے سر پر اور اس کی چاندی پر جو اپنے بھائیوں سے چلا گیا تھا، نازل ہو۔ اس کی شانداری ایسی ہے جیسے اس کی بیل کے پلوٹھے کی اور اس کے دو سینگ گینڈے کے سے سینگ۔ انہیں سے وہ قوموں کو ایک ساتھ زمین کی انتہا تک رہے گا۔ وہ افرائیم کے دس ہزاروں ہیں اور وہ منسی کے ہزاروں۔

ارشاد یعقوب علیہ السلام بنام بنیامین

بنیامین پھاڑنے والا بھیڑیا ہے صبح کو شکار کھائے گا اور شام کو غنیمت بانٹے گا۔

ارشاد موسیٰ علیہ السلام بنام بنیامین

خدا کا پیارا سلامتی سے اس کے پاس رہے گا اور خدا سارے دن اس پر سایہ کرے گا اور اس کے دونوں شانوں کے بیچ حکومت کرے گا۔

ارشاد موسیٰ علیہ السلام بنام نفتالی

اے نفتالی تو فضل سے بھرپور اور خدا کی برکتوں سے معمور ہو، تو پچھم اور دکھن کا مالک ہو۔

فصل

یوسف علیہ السلام صدیق کی دعا، نعم الٰہیہ کا شکر، آخرت کی فکر

اسلام پر مرنے کی فضیلت

﴿رَبِّ قَدْ اٰتَیْتَنِیْ مِنَ الْمُلْکِ وَ عَلَّمْتَنِیْ مِنْ تَاْوِیْلِ الْاَحَادِیْثِ ۚ فَاطِرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۣ اَنْتَ وَلِیّٖ فِی الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَةِ ۚ تَوَفَّنِیْ مُسْلِمًا وَّ اَلْحِقْنِیْ بِالصّٰلِحِیْنَ ﴾ [۱۲/ یوسف:۱۰۱]

''اے رب! تو نے مجھے ملک دیا اور تاویل الاحادیث کا علم سکھلایا، تو آسمان اور زمین کو وجود میں لانے والا ہے۔ تو دنیا و آخرت میں میرا کارساز ہے۔ اسلام پر میرا خاتمہ کرنا اور مجھے صالحین کے ساتھ شامل فرمانا''

فَاطِرٌ: اللہ تعالیٰ کا نام ہے۔ ''ابتدائی حالت سے بنانے والا۔'' یہ معنی اللہ تعالیٰ نے خود بتلائے ہیں۔ ﴿قُلِ الَّذِیْ فَطَرَکُمْ اَوَّلَ مَرَّةٍ ۚ﴾ [۱۷/ الاسراء:۵۱] دوسری آیت ہے اور وہ بھی یہی لغوی معنی بتلاتی ہے ﴿فِطْرَتَ اللّٰهِ الَّتِیْ فَطَرَ النَّاسَ عَلَیْهَا ۚ﴾ [۳۰/ الروم:۳۰]

''یہ وہ فطرت الٰہی ہے جس پر اللہ نے انسانوں کو پیدا کیا۔''

وَلِیّ: قرآن مجید کی چند آیات میں اس اسم ولی کا استعمال ذات پاک رب العالمین پر فرمایا گیا ہے:

﴿اَللّٰهُ وَلِیُّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا﴾ [۲/ البقرۃ:۲۵۷] ﴿وَاللّٰهُ وَلِیُّ الْمُؤْمِنِیْنَ ﴾ [۳/ آل عمران:۶۸]

﴿وَاللّٰهُ وَلِیُّ الْمُتَّقِیْنَ﴾ [۴۵/ الجاثیہ:۱۹] ﴿فَاللّٰهُ هُوَ الْوَلِیُّ﴾ [۴۲/ الشوریٰ:۹]

﴿وَهُوَ الْوَلِیُّ الْحَمِیْدُ﴾ [۴۲/ الشوریٰ:۲۸] ﴿وَ کَفٰی بِاللّٰهِ وَلِیًّا ۟﴾ [۴/ النساء:۴۵]

تَوَفَّنِیْ: توفی کا مادہ وَفِی ہے جس کے معنی پورا کرنا۔ پورا ہونا ہے۔

لفظ مسلم کے متعلق آیات قرآنیہ

مُسْلِمًا: عموماً مومن اور مسلم کے الفاظ پر بحث کی ہے۔ لفظ مسلم کا استعمال مندرجہ

ذیل آیات سے واضح ہوگا۔

﴿ مِلَّةَ اَبِيْكُمْ اِبْرٰهِيْمَ هُوَ سَمّٰكُمُ الْمُسْلِمِيْنَ﴾ [۲۲/الحج:۷۸]

''تمہارے باپ ابراہیم علیہ السلام نے تمہارا نام مسلمین رکھا ہے۔''

﴿ رَبَّنَا وَاجْعَلْنَا مُسْلِمَيْنِ لَكَ﴾ [۲/البقرہ:۱۲۸]

''ابراہیم واسمٰعیل علیہما السلام کی دعا تھی کہ اے خدا ہم دونوں کو مسلمان رکھیو۔''

﴿ وَ مِنْ ذُرِّيَّتِنَا اُمَّةً مُّسْلِمَةً لَّكَ﴾ [۲/البقرۃ:۱۲۸]

''خلیل الرحمٰن وذبیح اللہ علیہما السلام کی دعا ہے کہ ہماری اولاد بھی مسلمان ہو۔''

مسلم کہلانے، مسلم ہو کر مرنے کی ترغیب

﴿ وَوَصّٰى بِهَآ اِبْرٰهِيْمُ بَنِيْهِ وَ يَعْقُوْبُ يٰبَنِيَّ اِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰى لَكُمُ الدِّيْنَ فَلَا تَمُوْتُنَّ اِلَّا وَ اَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ﴾ [۲/البقرۃ:۱۳۲]

''ابراہیم علیہ السلام نے اپنے بیٹوں کو اور یعقوب نے بھی وصیت کی تھی کہ اے میرے بچو! خدا نے تمہارے دین کو برگزیدہ کیا ہے۔ اس لیے تم مرو تو مسلم رہ کر ہی مرنا۔''

﴿ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ حَقَّ تُقٰتِهٖ وَ لَا تَمُوْتُنَّ اِلَّا وَ اَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ﴾ [۳/آل عمران:۱۰۲]

''اے ایمان والو! اللہ کا تقویٰ کرو جیسا کہ تقویٰ کرنے کا حق ہے اور تم مرو تو مسلم رہ کر مرو۔''

﴿قُلْ اِنَّ صَلَاتِيْ وَ نُسُكِيْ وَ مَحْيَايَ وَ مَمَاتِيْ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ○ لَا شَرِيْكَ لَهٗ وَ بِذٰلِكَ اُمِرْتُ وَ اَنَا اَوَّلُ الْمُسْلِمِيْنَ○﴾ [۶/الانعام:۱۶۲۔۱۶۳]

''اے رسول صلی اللہ علیہ وسلم لوگوں سے کہہ دیجئے کہ میری نماز، میری قربانی، میرا جینا، میرا مرنا، اللہ ہی کے لیے ہے جو سب مخلوق کا پالنے والا ہے۔ جس کا کوئی شریک نہیں۔ کہہ دے کہ مجھے یہی حکم ملا ہے اور میں سب سے پہلا مسلم ہوں۔''

ان حوالہ جات سے ثابت ہوگا کہ اہل اسلام نے جو باہمی مخاطبات وغیرہ میں خود کو

مسلم اور مسلمان کہنا، کہلانا پسند کیا ہے۔ یہ امر مستند احکام الٰہی پر مبنی ہے۔

قرآن مجید میں لفظ صالحین کا اطلاق انبیا پر ہوا ہے

بِالصَّالِحِیْنَ: قرآن مجید میں صالحین کا اطلاق انبیا علیہم السلام کے لیے آیا ہے۔

سورۂ انعام کا رکوع ۱۰ دیکھو کہ حضرت ابراہیم، اسحٰق، یعقوب، نوح، داؤد، سلیمان، ایوب، یوسف موسیٰ، وہارون وزکریا، ویحییٰ، والیاس علیہم الصلوٰۃ والسلام کے نام لے کر اللہ تعالیٰ نے "کُلٌّ مِّنَ الصّٰلِحِیْنَ" فرمایا ہے۔

پس یوسف علیہ السلام کی دعا "اَلْحِقْنِیْ بِالصّٰلِحِیْنَ" کا مدعا یہ ہے کہ اپنے آبا کرام یعقوب واسحٰق وابراہیم علیہم السلام اور ان سے اوپر کے انبیاء عظام کے ساتھ جا ملیں یہ یاد رکھو کہ جس طرح پناہ از دوزخ اور داخلہ جنت کی دعا کرنا مسلمان کے لیے ضروری ہے۔ اسی طرح مسلمان کے لیے زمرہ صالحین میں شامل ہونے کی آرزو کو بھی ایک مستقل آرزو بنانا اور اس امر عظیم کے لیے مستقل اور علیحدہ دعا کرنا بہت زیادہ ضروری ہے، کیونکہ یہ نعمت بجائے خود ایک ازکی واوفی، انمی واعلیٰ نعمت ہے۔ اس کا ذکر قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے اس طرح فرمایا ہے:

﴿ مَنْ یُّطِعِ اللّٰہَ وَالرَّسُوْلَ فَاُولٰٓئِکَ مَعَ الَّذِیْنَ اَنْعَمَ اللّٰہُ عَلَیْھِمْ مِّنَ النَّبِیّٖنَ وَالصِّدِّیْقِیْنَ وَالشُّھَدَآءِ وَالصّٰلِحِیْنَ ۚ وَحَسُنَ اُولٰٓئِکَ رَفِیْقًا ۝ ذٰلِکَ الْفَضْلُ مِنَ اللّٰہِ ۭ وَکَفٰی بِاللّٰہِ عَلِیْمًا ۝﴾

[۴/النساء: ۶۹۔۷۰]

"کہ جو کوئی شخص اللہ کی اور محمد رسول اللہ کی اطاعت کرتا ہے تو وہ ایسے لوگوں کے ساتھ ہوگا۔ جن پر اللہ نے انعام کیا ہے یعنی اُن کو انبیا اور صدیقوں اور شہیدوں اور صالحین کی معیت ملے گی اور ان کی رفاقت کیا ہی اچھی ہے۔ یہ ایک فضل ہے اللہ تعالیٰ کی طرف سے اور کافی ہے اللہ جاننے والا۔"

دعاء یوسف علیہ السلام کے مضامین پر غور

یوسف علیہ السلام کی دعا کے مضمون پر مکرر غور کامل کرنا چاہیے۔ پہلے اللہ تعالیٰ کے احسانات مادی و روحانی کا اعتراف کیا، پھر اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا کی، پھر اللہ تعالیٰ کی ولایت فی الدارین کا اظہار کیا۔

ان سب کے بعد اپنے مدعا و آرزو کا ذکر فرمایا۔

حکومت بُری چیز نہیں

جو لوگ دنیوی حکومت کو ہیچ سمجھا کرتے ہیں۔ وہ غور کریں کہ یوسف صدیق علیہ السلام ﴿رَبِّ قَدْ اٰتَیْتَنِیْ مِنَ الْمُلْکِ﴾ [۱۲/ یوسف:۱۰۱] فرما کر حکومت کا ذکر بطور نعمت الٰہی فرما رہے ہیں۔ حقیقت تو یہ ہے کہ حکومت تو بُری چیز نہیں۔ ہاں بُرے شخصوں کے پاس جا کر یہ بھی بری بن جاتی ہے۔ حضرت داؤد و سلیمان، موسیٰ کلیم اللہ و یوشع نبی اللہ، وسیدنا محمد رسول اللہ صلوٰۃ اللہ علیہم اجمعین ایسے انبیا ہیں جو صاحب امر و حکومت بھی ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے خلافتِ نبوت کو بھی جس میں مصالح دینی اور امور حکومت کا اجتماع ہوتا ہے۔ ایمان اور عمل صالح ہی کا نتیجہ قرار دیا ہے۔

حکومت اور خدمت دین

اس لیے مسلمان کی شان یہ ہے کہ اپنے آپ کو حکومت کا اہل بنائے اور حکومت کو نعمت الٰہی سمجھے اور حکومت کو خادم دین بنا کر تائید توحید اور رد شرک اور تمکین دین کے کام اس سے لیا کرے کیونکہ انسان بحالت حکومت ہی عدل و رحم کے مظاہر دکھلا سکتا ہے۔

حکومت اور اخلاق فاضلہ

اور یہی دو اوصاف ہیں جن سے دین حقہ کی صداقت و نورانیت کا جلوہ ایک منکر بھی دیکھ سکتا ہے۔

علم کا درجہ حکومت سے بڑا ہے

اب یہ بھی یاد رکھنا چاہیے کہ حکومت سے بڑھ کر علم صحیح کا درجہ ہے۔ اس دعا میں اسے

تأویل الاحادیث کہہ کر تعبیر کیا گیا ہے۔ بیشک یہ دونوں چیزیں یعنی علم اور حکومت اللہ تعالیٰ کی بہت بڑی نعمت ہیں اور ان میں سے ہر ایک کا جمال و کمال اس وقت جلوہ گر ہوتا ہے۔

حکومت بلا علم، علم بلا حکومت

جب کوئی شخص ان ہر دو کا جامع ہوتا ہے۔ کیونکہ حکومت بلا علم سراسر حماقت ہے اور علم بلا حکومت بالکل بے زیب و زینت، انسانی زندگی کا کمال ان دونوں کے حصول اور جامعیت پر ہے۔

آخرت اور اس کی تکمیل

اب رہا امر آخرت...... اس کی تکمیل نہیں ہو سکتی جب تک کہ کوئی شخص اپنے تمام کاروبارِ دنیوی و دینی کو اللہ تعالیٰ کی ذات سے وابستہ نہیں کر دیتا۔ جو لوگ اللہ پاک کے آستانے کو چھوڑ کر کسی اور کو اپنا کارساز جانتے ہیں اور دوسروں کو اپنا ولی و نصیر سمجھتے ہیں۔ وہ خسرانِ دارین کے مستوجب ٹھہرتے ہیں۔

مسلم ہو کر مرنے کی آرزو کس منہ کو زیب دیتی ہے

جس شخص نے اپنی زندگی کو مندرجہ بالا اعتقادِ درست، عمل صالح اور نیت خالص کے ساتھ پورا کیا ہو۔ اسی کو زیب دیتا ہے کہ اسلام پر جان دینے اور مسلم ہو کر مرنے کا خواستگار ہو اور اللہ تعالیٰ کے برگزیدہ بندوں کے پاک دربار میں شامل ہونے کی آرزو کیا کرے۔ اے مالک! اے رب! اے کارساز! اے ولی! اے والی! اے وکیل! اے نصیر ہم سب تجھ سے یہی دعا کرتے ہیں کہ اپنے بندہ صدیق کی اس دعا کو ہماری دعا بنا دے اور ہمارے لیے اس کی منظوری عطا فرما دے۔ آمین

قصدِ دعا شاہراہ کامیابی، مصروفیتِ دعا طلسم کامیابی

سیدنا یوسف علیہ السلام کی دعا پر ایک بار پھر نظر ڈالو کہ اللہ تعالیٰ کے ہر ایک نبی و رسول نے اپنی اپنی ضروریات و حاجات دنیوی و اخروی کی دعا اللہ تعالیٰ ہی سے مانگی ہے۔ جب

کسی انسان کے دل میں دعا مانگنے کی نیت پیدا ہو جائے تو سمجھ لینا چاہیے کہ شاہراہ کامیابی نظر آ گیا اور جب بندہ مصروف دعا بھی ہوگا تو سمجھ لینا چاہیے کہ طلسم کامیابی کی لوح پر اس کا قبضہ ہو گیا۔

بندہ کا مصروف دعا ہونا ہی اولین علامت اجابت ہے پھر دعا میں جس قدر زیادہ انہماک بڑھتا جاتا ہے اسی قدر زیادہ بندہ قرب الٰہی میں ترقی کرتا جاتا ہے۔

جو کہتے ہیں کہ دعا قبول نہیں ہوئی انہوں نے دعا مانگی ہی نہیں

بے سمجھ لوگ کہا کرتے ہیں کہ انہوں نے دعا مانگی، مگر قبول نہ ہوئی۔ میں کہتا ہوں کہ انہوں نے دعا مانگی ہی نہیں، اگر کسی ایمان دار کو دعا مانگنا آ گیا ہے تو پھر اس کی زبان سے یہ ہرگز نہیں نکلے گا کہ دعا منظور نہ ہوئی۔ ذرا رب العالمین، ارحم الراحمین کے ارشاد ﴿ اُدْعُوْنِیْٓ اَسْتَجِبْ لَکُمْ ﴾ [۴۰/ غافر: ۶۰] پر غور تو کرو کہ ہماری استدعاؤں کے وقوع وظہور سے بھی پیشتر پروردگار عالم کی طرف سے فرمان قبولیت نافذ ہو چکا ہے۔

مبارک ہیں وہ لوگ، جن کو دعا مانگنا آ گیا ہے کہ ان کے دل کا تعلق ہر وقت اپنے مالک و کارساز، مولیٰ و بندہ نواز سے لگا رہتا ہے۔ اسے ہر وقت اپنی بے چارگی درماندگی پیش نظر رہتی ہے۔ اسے ہر وقت مالک کے افضال والطاف پر اعتماد رہتا ہے۔

بندہ کا اعتماد مالک پر

بندہ کا یہ اعتماد ہی اعلیٰ کامیابی ہے کہ وہ ایسا بے مثل مالک رکھتا ہے۔ جو وسیع قدرتوں اور لامحدود طاقتوں کے ساتھ بے انتہا رافت ومحبت والا بھی ہے۔ جس کا پیار بندوں سے اس محبت وتعلق سے بہت بڑھا ہوا ہے جو والدین کو اپنے بے کس بچہ سے ہوتا ہے۔ وہ جس کی محبت کا ظہور اس کے اسماء حسنیٰ [رحمٰن الرحیم، علیم الحکیم، غفور، الودود، رؤف الکریم، ولی الحمید] سے بخوبی ہوتا ہے۔

جس کی رحمت کا نور اس کے اسماء پاک خالق الباری، فاطر المصور، حنان

السمنان اور حی القیوم سے روشن ہے۔ وہ جس کی ہیبت آمیز رافت ذوالجلال والاکرام سے نمایاں ہے۔ وہ جس کی شفقت آمیز عطا اس کے بزرگ ناموں رب الکریم، مالک الملک، وہاب البر، قیوم السلام، حفیظ النافع، لطیف الرزاق، غفور الشکور، فتاح المجیب، سمیع الرافع، سلام المومن ، ھادی الباقی، علی المغنی، قوی المحصی سے بخوبی واضح ہے۔

وہ جس کی بے نیازی واستغنا، غنی المغنی، احد الصمد، ظاہر القادر، عزیز المقتدر، خافض القابض، خالق الجلیل، الحق العظیم سے آشکار ہے۔

ایسے مالک، ایسے آقا، ایسے ولی، ایسے مولیٰ کا غلام کیونکر مایوس المرام اور محبوس العزام رہ سکتا ہے۔ خدا دارم چہ غم دارم محمدؐ راہ بر دارم۔ [1]

دعائے موت

حضرت یوسف علیہ السلام کی اس دعا سے یہ نہیں سمجھنا چاہیے کہ انہوں نے اس جگہ موت کی دعا مانگی ہے۔ ہرگز نہیں انہوں نے تو ایسی زندگی کی دعا مانگی ہے جس کا خاتمہ اسلام پر ہو۔ ابن جریر نے ضحاک سے بھی یہی معنیٰ بیان کیے ہیں۔

دعاء موت مانگنا منع ہے

مسلم کے لیے عموماً موت کی دعا مانگنا منع ہے۔ امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ نے انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے:

((لَا یَتَمَنَّیَنَّ اَحَدُ کُمُ الْمَوْتَ لِضُرٍّ نَزَلَ بِهٖ فَاِنْ كَانَ لَا بُدَّ مُتَمَنِّیاً لِلْمَوْتِ فَلْیَقُلِ اَللّٰهُمَّ اَحْیِنِیْ مَا كَانَتِ الْحَیَاةُ خَیْرًا لِّیْ وَ تَوَفَّنِیْ اِذَا كَانَتِ الْوَفَاةُ خَیْرًا لِّیْ)) [2]

---

[1] ترجمہ: میں خدا رکھتا ہوں اس لیے مجھے کوئی غم نہیں محمد صلی اللہ علیہ وسلم جیسا راہ نما رکھتا ہوں۔ [2] بخاری: کتاب الدعوات، باب الدعاء بالموت والحیات، رقم: ۶۳۵۱۔ مسلم: کتاب الذکر والدعاء، باب کراھۃ تمنی الموت ۶۸۱۴۔ ابوداؤد: کتاب الجنائز، باب کراھۃ الموت، رقم ۳۱۰۸۔ نسائی: کتاب الجنائز، باب تمنی الموت، رقم ۱۸۲۲۔ ابن ماجہ: باب ذکر الموت، رقم ۴۲۶۵۔

"تم میں سے کوئی بھی کسی مصیبت یا نقصان کی وجہ سے موت کی آرزو نہ کرے اور اگر حالت ایسی ہی ہو تو یہ کہا کرے: الٰہی! مجھے زندہ رکھ، جب تک جینا میرے لیے بہتر ہو اور مجھے پورا کر دے، جب کہ پورا ہو جانا میرے لیے بہتر ہو۔"

ابوامامہ و ابوہریرہ رضی اللہ عنہم سے بھی ایسی ہی روایات مروی ہیں:

مگر نقصان دین کے وقت تمنائے موت کرنا جائز ہے۔ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے محمود بن لبید رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً روایت کیا ہے۔

((اِثْنَتَانِ يُكْرِهُهُمَا ابْنُ آدَمَ . يُكْرِهُ الْمَوْتَ وَالْمَوْتُ خَيْرٌ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ مِنَ الْفِتَنِ . وَيُكْرِهُ قِلَّةَ الْمَالِ وَقِلَّةُ الْمَالِ اَقَلُّ لِلْحِسَابِ)) [مسند احمد: ۵/ ۴۲۷]

"دو چیزیں ہیں جن کو ابن آدم برا سمجھتا ہے (۱) موت، حالانکہ مومن کے لیے موت فتنوں سے بہتر ہے۔ (۲) کمی مال، حالانکہ مال کا کم ہونا کمی حساب کا سبب ہے۔"

امیر المومنین علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی دعا

امیر المومنین حضرت علی رضی اللہ عنہ نے جب دیکھا کہ انتظام میں جمعیت پیدا نہیں ہوتی اور مشکلات بڑھتی جاتی ہیں۔ اس وقت بایں الفاظ دعا کی تھی:

((اَللّٰهُمَّ خُذْلِیْ اِلَیْکَ فَقَدْ سَئِمْتُهُمْ وَ سَامُوْنِیْ))

"اے اللہ! مجھے اپنی طرف بلا لے۔ میں نے ان کو دشواری میں ڈال دیا ہے"

اور انہوں نے مجھے تکلیف میں ڈال دیا۔"

امام المحدثین بخاری رحمہ اللہ کی دعا

امام بخاری رحمہ اللہ نے (جب ان کو شاہ بخارا نے نکال دیا) دعا کی تھی۔ ((اَللّٰهُمَّ تَوَفَّنِیْ اِلَیْکَ)) "الٰہی مجھے اپنی طرف بلا لے۔"

ان ادعیہ کا مقصد حفاظت دین تھا نہ کہ قلب صبر واستقلال۔

﴿ ذٰلِکَ مِنْ اَنْۢبَآءِ الْغَیْبِ نُوْحِیْهِ اِلَیْکَ ۚ وَ مَا کُنْتَ لَدَیْهِمْ اِذْ اَجْمَعُوْٓا اَمْرَهُمْ وَهُمْ یَمْکُرُوْنَ ○﴾ [۱۲/یوسف:۱۰۲]

''یہ وہ مخفی باتیں ہیں جن کی وحی ہم نے تیری طرف کی ہے اور تو ان کے پاس نہ تھا، جب انہوں نے اپنی بات پر اتفاق کر لیا تھا اور وہ چپکے چپکے اپنی تدبیریں کر تے تھے۔''

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے اقوام ماضیہ کے تاریخی حالات اس لیے اخبارِ غیب تھے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم امی تھے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے نہ کسی سے کچھ پڑھا، نہ سنا۔ ایسا شخص جو کچھ بیان کر سکتا ہے وہ عالم الغیب ہی کی وحی سے بیان کرسکتا ہے۔

﴿ وَ مَآ اَکْثَرُ النَّاسِ وَ لَوْ حَرَصْتَ بِمُؤْمِنِیْنَ ○﴾ [۱۲/یوسف:۱۰۳]

''اور بہت لوگ ہیں جو ایمان نہیں لاتے۔ گو تجھے ان کے مومن ہونے کی بڑی خواہش ہے۔''

حَرَصْتَ: حَرَصَ یَحْرِصُ. ''کسی شے کا کوشش کے ساتھ طلب کرنا''

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی بڑی تمنا

مطلب یہ ہے کہ یہود اور مشرکین مکہ نے جو یہ سوال کیا تھا کہ اگر محمد صلی اللہ علیہ وسلم نبی ہیں تو بتلائیں کہ بنی اسرائیل کیونکر مصر جا پہنچے تھے۔ اس سوال کا جواب اس سورۂ مبارکہ میں دے دیا گیا ہے۔ لازم تھا کہ اب تو یہ لوگ مسلمان ہو جاتے، لیکن اب بھی وہ اپنی پہلی ضد اور ہٹ دھرمی پر قائم ہی رہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو جو آرزو اور تمنا لوگوں کو مسلمان دیکھنے کی تھی۔ اسے اللہ تعالیٰ نے لفظ حرص سے بیان فرمایا ہے۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی سب سے بڑی آرزو

اس سے ظاہر ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی رغبت نہ اموال و زخارف دنیا کی جانب تھی، نہ حکومت و امارت پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا دل مائل تھا اور نہ کوئی اور شے ایسی تھی جدھر کبھی

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا میلان خاطر معلوم ہوا ہو۔ حضور کی سب سے بڑی آرزو اور تمام تر ہمت اگر مقصود تھی تو صرف اس ایک امر پر کہ سب لوگوں کے سر اور دل خدا کے حضور میں جھکے ہوئے دیکھ لیں۔ حدیث میں ہے:

((اَنْتُمْ تَتَهَا فَتُوْنَ كَتَهَافَةِ الْفَرَاشَةِ عَلَى النَّارِ وَ اَنَا اٰخِذٌبِكُمُ الْحُجَزَ))

''تم تو آگ میں اس طرح گرے پڑتے ہو۔ جیسے پروانے گرا کرتے ہیں اور میں تم کو کمر سے پکڑ پکڑ کر جہنم سے پرے ہٹا رہا ہوں۔''

کسی نبی نے اجر نبوت نہیں مانگا

﴿وَ مَا تَسْئَلُهُمْ عَلَيْهِ مِنْ اَجْرٍ﴾ [۱۲/یوسف:۱۰۴]

''تو تو ان سے کوئی بدلہ بھی نہیں چاہتا۔''

عَلَيْهِ: کی ضمیر ایمان یا قرآن کی طرف ہے۔

واضح ہو کہ ہر ایک نبی نے اپنی قوم کے سامنے یہی ظاہر کیا ہے کہ وہ اپنی تعلیم اور تبلیغ پر لوگوں سے کچھ بھی اجر نہیں چاہتا۔

سورۂ شعراء کو دیکھو۔ رکوع پنجم میں حضرت نوح، ششم میں حضرت ہود، ہفتم میں صالح، ہشتم میں لوط، نہم میں شعیب علیہم السلام کی زبان سے یہی آیت بار بار دہرائی گئی ہے ﴿وَ مَا اَسْئَلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ اَجْرٍ﴾ [۲۶/الشعرآء:۱۰۹] بزبان ہود علیہ السلام فرمایا گیا ہے۔

سورۂ انعام ع۱۰ میں ﴿قُلْ لَّآ اَسْئَلُكُمْ عَلَيْهِ اَجْرًا﴾ [۴۲/الشوریٰ:۲۳] کا حکم نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو ہوا ہے اور یہی حکم سورۂ فرقان رکوع ۵ سورۂ صٓ رکوع ۵ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو دیا گیا ہے۔

سورۂ یٰسٓ میں: ﴿اتَّبِعُوا الْمُرْسَلِيْنَ۝ اتَّبِعُوْا مَنْ لَّا يَسْئَلُكُمْ اَجْرًا وَّهُمْ مُّهْتَدُوْنَ﴾ [۳۶/یٰس:۲۰،۲۱] میں اجر نہ لینے کو انبیا علیہم السلام کی ذات مبارکہ کے لیے صفت لازم قرار دیا گیا ہے۔

ان تمام حوالہ جات سے آشکار ہو جاتا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اعلان دعوت، تعلیم شریعت اور تبلیغ احکام رب العزت پر ہرگز ہرگز کسی قسم کے اجر کا سوال بھی کسی شخص سے نہیں

کیا۔ پس یہی صفت ہے، جو انبیا علیہم السلام کی حیات طیبہ کو اہل دنیا کی غرض آلود و مصلحت آموز زندگی سے بالاتر و اعلیٰ تر ثابت کر دیتی ہے اور اسی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے جملہ اہل اسلام پر اپنی حجت کو قائم فرمایا ہے۔ وللہ الحمد۔ [1]

﴿اِنْ هُوَ اِلَّا ذِكْرٌ لِّلْعٰلَمِيْنَ﴾ [۱۲/ یوسف:۱۰۴]

''یہ تو اہل عالم کے لیے ذکر ہے۔''

ذِكْرٌ: قرآن مجید کا نام ذکر بھی ہے۔ حدیث پاک میں ہے ((اَلْقُرْاٰنُ ذِكْرٌ فَذَكِّرُوْهُ)) یعنی قرآن پاک واجب التعلیم ہے۔ ہمیشہ اس کی تعظیم کیا کرو۔

﴿وَ كَاَيِّنْ مِّنْ اٰيَةٍ فِي السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ يَمُرُّوْنَ عَلَيْهَا وَ هُمْ عَنْهَا مُعْرِضُوْنَ﴾ [۱۲/ یوسف:۱۰۵]

''اور بہت سی نشانیاں ہیں جو زمین و آسمان میں پائی جاتی ہیں۔ یہ لوگ ان نشانیوں پر سے گزرتے ہیں اور پھر بھی اُن نشانیوں سے منہ پھیر لیتے ہیں۔''

كَاَيِّنْ: ک تشبیہ اور ان سے مرکب ہے اور اب معنی واحد میں بمعنی کم مستعمل ہے۔

اٰيَةٍ: اصل میں اَوَيَةٌ تھا۔ لغت میں آیت بمعنی جماعت آتا ہے۔ محاورہ ہے۔ خَرَجُوْا بِاٰيَتِهِمْ: اور ہر ایک کلام منفصل بفصل لفظی کو آیت کہتے ہیں کیونکہ اس میں بھی حروف وکلمات کی ایک جماعت مجتمع موجود ہوتی ہے۔ کلام اللہ میں جب اس کا استعمال کسی فقرہ قرآن مجید کے لیے ہوتا ہے تو اس کا استعمال بسا اوقات الف لام کے ساتھ ہوتا ہے یا بحالت مضاف۔

اور جب لفظ آیت کا استعمال بمعنی نشان قدرت یا دلیل و برہان ہوتا ہے۔ تب ایسا نہیں۔ آیت بمعنی نشان قدرت کے لیے مندرجہ ذیل آیات پر غور کرو۔

﴿وَ مِنْ اٰيٰتِهٖۤ اَنْ خَلَقَكُمْ مِّنْ تُرَابٍ﴾ [۳۰/ الروم:۲۰]

''خدا کی آیات میں سے ہے کہ تم کو مٹی سے بنایا۔''

---

[1] واضح ہو کہ سورہ شوریٰ کی آیت ﴿قُلْ لَّاۤ اَسْـَٔلُكُمْ عَلَيْهِ اَجْرًا اِلَّا الْمَوَدَّةَ فِي الْقُرْبٰى﴾ [۴۲/ الشوریٰ:۲۳] میں بھی کسی شے کا سوال اس تعلیم و تبلیغ وہدایت راہنمائی پر نہیں کیا گیا۔

یہ آیت دیگر متعدد آیات کی ناسخ ہے اور نہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی عادت مبارکہ دیگر انبیا سے جدا رنگ رکھتی ہے۔ اس آیت کی تفسیر لطیف ان شاء اللہ اس کے مقام پر کی جائے گی۔

﴿ وَ مِنْ اٰیٰتِهٖۤ اَنْ خَلَقَ لَكُمْ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ اَزْوَاجًا﴾ [۳۰/الروم:۲۱]

''خدا کی آیات میں سے ہے کہ تمہارے لیے تمہاری جنس سے جوڑا بنایا۔''

﴿وَ مِنْ اٰیٰتِهٖ خَلْقُ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ﴾[۳۰/الروم:۲۲]

''خدا کی آیات میں سے زمین و آسمان کی پیدائش ہے۔''

﴿وَ مِنْ اٰیٰتِهِ الْجَوَارِ فِی الْبَحْرِ كَالْاَعْلَامِ﴾ [۴۲/الشوریٰ:۳۲]

''خدا کی آیات میں سے وہ جہاز ہیں جو سمندر میں چلتے ہیں۔ بڑے بڑے جھنڈے کی طرح نظر آتے ہیں۔''

اس جگہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد یہ ہے کہ یوسف علیہ السلام کے واقعات کو صرف ایک داستان نہ سمجھو۔ یہ تو آیت الٰہی ہے اور ان سوال کرنے والوں کے اندر خود وہی ہونے والا ہے، جو برادران یوسف کے ساتھ ہوا تھا۔ اللہ تعالیٰ کے عبد اور رسول محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی شان رفیع اور منصب جلیل کا ظہور اسی طرح ہونے والا ہے۔ جیسے اللہ کے نبی و صدیق یوسف علیہ السلام کی شان کا ظہور ہوا تھا۔

﴿ وَ مَا یُؤْمِنُ اَكْثَرُهُمْ بِاللّٰهِ اِلَّا وَ هُمْ مُّشْرِكُوْنَ﴾ [۱۲/یوسف:۱۰۶]

''ان میں سے اکثر لوگ ایسے ہیں کہ اللہ پر اعتقاد رکھتے ہیں اور وہ شرک بھی کیا کرتے ہیں۔''

بت پرستان عرب کے معتقدات

واضح ہو کہ بت پرستان عرب جن کی ہدایت و ارشاد کے لیے نبی صلی اللہ علیہ وسلم مبعوث ہوئے۔ وہ وجود باری کے منکر نہ تھے اور صفات باری کا بھی ان کو انکار نہ تھا۔ وہ باری تعالیٰ کی کبریائی و علو شان کا اقرار کرتے تھے لیکن بایں ہمہ اُن میں شرک پایا جاتا تھا اور وہ ٹھیک ٹھیک مشرک تھے۔

مندرجہ ذیل آیات پر غور کرو:

﴿ وَ لَئِنْ سَاَلْتَهُمْ مَّنْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضَ لَیَقُوْلُنَّ اللّٰهُ﴾ [۳۱/لقمان:۲۵]

''اگر تو ان سے سوال کرے گا کہ آسمانوں اور زمین کو کس نے پیدا کیا ہے تو یہ مشرک کہہ دیں گے کہ اللہ نے۔''

﴿ وَلَئِنْ سَأَلْتَهُمْ مَّنْ نَّزَّلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَأَحْيَا بِهِ الْأَرْضَ مِنْ بَعْدِ مَوْتِهَا لَيَقُوْلُنَّ اللّٰهُ ﴾ [۲۹/العنکبوت:۶۳]

''اگر تو ان سے پوچھے گا کہ اوپر سے پانی کون اتارتا ہے، جس سے مردہ زمین کو زندہ کرتا ہے۔ تب یہ مشرک لوگ جواب دیں گے کہ اللہ'' ان اعتقادات واعتراضات پر بھی اُن کو مشرک بتانے کی وجہ یہ ہے جو قرآن پاک نے خود بیان کردی ہے۔''

﴿ وَالَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِهٖٓ أَوْلِيَآءَ ۘ مَا نَعْبُدُهُمْ إِلَّا لِيُقَرِّبُوْنَآ إِلَى اللّٰهِ زُلْفٰى ﴾ [۳۹/الزمر:۳]

''مشرک وہ ہیں جنہوں نے خدا سے ورے ورے دوسروں کو بھی اپنا کارساز اور حمائتی بنا رکھا ہے اور کہتے ہیں کہ ہم تو ان کی عبادت صرف اس لیے کرتے ہیں کہ وہ ہم کو اللہ تعالیٰ کے قریب کردیں گے۔''

کفار عرب کیوں مشرک تھے؟

اس سے یہ ثابت ہو گیا کہ مشرکین عرب اس لیے اصلی اور قطعی مشرک تھے کہ انہوں نے ﴿إِيَّاكَ نَعْبُدُ وَ إِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ ﴾[۱/الفاتحہ:۴] کو نہ سمجھا تھا اور وہ لوگ عبادت و استعانت میں دوسروں کو اللہ کے ساتھ شامل کر لینے کی وجہ سے مشرک تھے۔ اب بھی ہزاروں مسلمان ایسے موجود ہیں۔ جنہوں نے ﴿إِيَّاكَ نَعْبُدُ وَ إِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ ۝﴾ [۱/الفاتحہ:۴] کے معانی کو بخوبی نہیں سمجھا۔ یہ لوگ اپنے اپنے مانے ہوئے بزرگوں کی قبروں اور استھانوں پر جا کر وہی افعال کرتے ہیں جو مشرکین مکہ اپنے اپنے مانے ہوئے بزرگوں کے بتوں اور تصویروں اور استھانوں پر کیا کرتے تھے۔

مسلمان اپنے اپنے مشرکانہ افعال پر غور کریں

مسلمان بھائیوں کو لازم ہے کہ وہ سمجھ لیں کہ یہ تو وہی شرک ہے۔ جس میں مشرکین

مکہ آلودہ تھے۔ یہ تو وہی شرک ہے۔ جسے تباہ و باطل کرنے کے لیے سید المرسلین، خاتم النبیین محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے تھے۔

مسلمان بھائی تب ہی خالص با ایمان ہو سکتے ہیں۔ جب ایسے افعال سے وہ خود کو پاک و صاف بنالیں گے۔ ورنہ اُن پر یہی آیت ﴿ وَمَا يُؤْمِنُ اَكْثَرُهُمْ بِاللّٰهِ اِلَّا وَهُمْ مُّشْرِكُوْنَ ﴾ [۱۲/ یوسف:۱۰۶] صادق آئے گی کہ اللہ پر ایمان کا دعویٰ بھی ہے اور شرک بھی ساتھ ساتھ ہے۔

☆...... اللہ کے سوا اوروں سے مدد کا سوال بھی کیا جاتا ہے۔

☆...... اللہ کے سوا اوروں کو بھی اللہ کی طرح پکارا جاتا ہے۔

☆...... اللہ کے سوا اوروں کو بھی اللہ کی طرح ہر جگہ حاضر و ناظر مانا جاتا ہے۔

نتیجہ یہ ہے کہ توحید کامل نہیں ہوتی اور اللہ تعالیٰ کے ہاں ایسے لوگوں کے اعمال کچھ بھی وقعت و منزلت نہیں پاتے۔ اللہ تعالیٰ ہر ایک بھائی کو اس برے انجام سے بچائے اور اسلام خالص، دین قیم پر قائم رکھے۔

﴿ اَفَاَمِنُوْٓا اَنْ تَاْتِيَهُمْ غَاشِيَةٌ مِّنْ عَذَابِ اللّٰهِ اَوْ تَاْتِيَهُمُ السَّاعَةُ بَغْتَةً وَّهُمْ لَا يَشْعُرُوْنَ ﴾ [۱۲/ یوسف:۱۰۷]

"کیا وہ اللہ کے عذاب سے جو سب چیزوں پر چھا جانے والا ہے۔ نڈر ہو گئے ہیں یا اُن کو ڈر نہیں رہا کہ قیامت ان کے لیے یکبارگی آ جائے جب کہ انہیں اس کا شان و گمان بھی نہ ہو۔"

اَفَاَمِنُوْا: اَمِنَ اَمْنًا وَّ اَمَانًا. اِطْمَاَنَّ، اطمینان، بے خوفی۔

غَاشِيَةٌ: غاشی کا مؤنث ہے۔ ڈھانپ لینے والی شے۔

واضح ہو کہ اس آیت میں انہی لوگوں کا ذکر ہے۔ جن کا ذکر پہلی آیت میں ہے کہ اللہ پر ایمان بھی ہے اور شرک پر عمل بھی ہے۔

لہٰذا ان دونوں آیات کو نہایت غور سے پڑھنا، سوچنا اور تدبیر کرنا ضروری ہے۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا رستہ

قُلْ هٰذِهٖ سَبِيْلِيْٓ اَدْعُوْٓا اِلَى اللّٰهِ [۱۲/ یوسف:۱۰۸]

''اے رسول ان کو بتا دیجئے کہ میرا طریقہ تو یہی ہے۔ میں سب کو اللہ ہی کی طرف بلاتا ہوں۔''

یہ ظاہر ہے کہ ہر شخص اس کی دعوت دوسروں کو دیا کرتا ہے۔ جس کی عظمت خود اس کے دل میں ہوتی ہے۔ نبی اللہ کے دل میں صرف اللہ تعالیٰ ہی کی عظمت و جلال ہوتا ہے۔ اس لیے وہ صرف اللہ تعالیٰ ہی کی جانب دنیا کو بلایا کرتا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا نام اسی لیے ﴿دَاعِيًا اِلَى اللّٰهِ بِاِذْنِهٖ﴾ [۳۳/الاحزاب:۴۶] بتلایا گیا ہے۔ قرآن پر غور کرو کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو بار بار اسی دعوت کی تاکید فرمائی گئی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿اُدْعُ اِلٰى سَبِيْلِ رَبِّكَ بِالْحِكْمَةِ وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ﴾ [۱۶/النحل:۱۲۵]

''اپنے رب کے راہ کی طرف لوگوں کو زیرکی و دانائی اور پاکیزہ نصیحت کے ساتھ بلایا کر۔''

﴿فَادْعُ وَاسْتَقِمْ كَمَآ اُمِرْتَ﴾ [۴۲/الشوریٰ:۱۵]

''لوگوں کو دعوت دیا کر۔ اور اس کام میں ویسا ہی مضبوط رہ جیسا کہ حکم دیا گیا ہے۔''

﴿وَادْعُ اِلٰى رَبِّكَ اِنَّكَ لَعَلٰى هُدًى مُّسْتَقِيْمٍ﴾ [۲۲/حج:۶۷]

''اپنے پروردگار کی طرف لوگوں کو بلایا کر۔ تو ہی ہے جو سیدھی ہے اور مضبوط ہدایت پر ہے۔''

﴿قُلْ اِنَّمَآ اَدْعُوْا رَبِّيْ وَلَآ اُشْرِكُ بِهٖٓ اَحَدًا﴾ [۷۲/الجن:۲۰]

''ان کو بتا دے کہ میں تو صرف اپنے پروردگار کو پکارا کرتا ہوں اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہیں کرتا۔''

☆...... ان احکام کی تعمیل میں دیکھو کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کیونکر مکہ کے کوچہ کوچہ میں اپنی آواز کو بلند کیا۔

☆...... عقبات کی پہاڑیوں میں راہ گیروں اور مسافروں کو اللہ کا پیغام سنایا۔

☆...... عکاظ اور مجنہ اور ذی المجاز کی منڈیوں میں جا جا کر غافلوں کے کان میں ہادی برحق کا فرمان ڈالا۔

☆...... عرب کے بے آب و گیاہ میدانوں میں خانہ بدوش قبائل کا پتہ لگا لگا کر اُن کو پیام ربانی پہنچایا۔

☆...... طائف کے کوہسار پر تشریف لے جا کر جواہر توحید لٹائے اور خود پتھر کھائے۔

☆...... دنیا کے تمام مشہور حکمران بادشاہوں کے نام فرمان لکھے اور سفیر روانہ کیے۔

☆...... اہل اسلام میں سلسلہ تبلیغ و دعوت کو فرض انسانی و وجوب دینی قرار دیا۔

یہ تمام جدوجہد اسی مالک الملک کے حکم کی تعمیل میں تھی۔ جس کی محبت، جس کی عظمت، جس کا جلال حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی رگ رگ اور بال بال میں تھا۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا بصیرت پر ہونا

﴿عَلٰی بَصِیْرَۃٍ اَنَا وَ مَنِ اتَّبَعَنِیْ﴾ [۱۲/ یوسف:۱۰۸]

''میں اور جو کوئی میری پیروی کرتا ہے، بصیرت پر ہیں۔''

بَصِیْرَتْ: فطنت، حجت، استدلال، خبرت، دانائی، روشنیِ دل۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا بصیرت پر ہونا اس لیے ہے کہ

(الف) حضور صلی اللہ علیہ وسلم عواقب امور کو اسی طرح دیکھ لیا کرتے۔ جیسا کہ لوگ اعمال ماضیہ کے ناظر ہوتے ہیں۔

(ب) رب العالمین نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے سے ان تمام واقعات کا (جو بعد از مرگ انسان کو پیش آنے والے ہیں) پردہ اٹھا لیا۔ احوال برزخ، بہشت، دوزخ اور مَلَکُوْتَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ کے مشاہدات حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے چشم دید تھے۔

مُتَّبِعِیْن: کا بصیرت پر ہونا اس لیے ہے کہ

انہوں نے ایسے رسول کو ہادی بنایا، ایسے معصوم کی ہدایت پر چلے، ایسے شاہد حق کے فرمودہ پر کاربند ہوئے، ایسے داعی الی الحق کی آواز پر گوش جان لگایا، ایسے رہبر کو امام بنایا

جس کی اتباع کے طفیل سے اُن میں نیت صحیح، اعتقادِ درست پیدا ہو گیا۔ اعمال میں نورانیت اور قلب میں روحانیت پیدا ہو گئی۔ عالم روح اور عالم قلب کے انوار و اسرار ان پر کھل گئے۔ حلاوت ایمان سے چاشنی گیر ہوئے۔

﴿ وَ سُبْحٰنَ اللّٰهِ وَ مَآ اَنَا مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ﴾ [۱۲/ یوسف:۱۰۸]

''اللہ پاک ہے اور میں شرک کرنے والوں میں سے نہیں ہوں۔''

سُبْحَانَ : تسبیح سے بنایا ہے۔ جیسا تسخیر سے سُخرہ۔

سبحان اللہ کہنے کا مقصد۔ تنزیہ و تقدیس و تبریہ ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ جملہ عیوب اور نقائص اور ادناس اور ارجاس سے پاک ہے۔ ذکر الٰہی کے موقعہ پر سُبْحَانَ اللّٰهِ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ دونوں اکٹھے آتے ہیں۔

الحمد للہ کے معنی یہ ہیں کہ اللہ تعالیٰ جملہ محامد جلال اور صفات کمال کا مالک ہے۔ حدیث شریف میں ہے: ((سُبْحَانَ اللّٰهِ نِصْفُ الْمِيْزَانِ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ يَمْلَؤُهُ)) [1] یعنی سبحان اللہ میزان عمل کو نصف بھر دیتا ہے۔ اور الحمد للہ اسے بھرپور کر دیتا ہے۔ آیت زیر تفسیر میں سبحان اللہ صرف تنزیہ کے لیے ہے۔

آیت کا تعلق پہلی آیت سے یہ ہے کہ وہ بصیرت جو رب العالمین اپنے بندگان مخلصین کو عطا فرماتا ہے۔ اسی کے نور و ضیاء میں اہل ایمان کو معلوم ہو جاتا ہے کہ اہل شرک اپنے اپنے افعال و اقوال میں جن نقائص و عیوب کو بارگاہ باری تعالیٰ سے منسوب کیا کرتے ہیں۔ وہ پاک قدوس اُن سب سے پاک و برتر ہے۔

﴿ وَ مَآ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ اِلَّا رِجَالًا نُّوْحِيْٓ اِلَيْهِمْ مِّنْ اَهْلِ الْقُرٰى. ﴾ [۱۲/ یوسف:۱۰۹]

''تجھ سے پہلے ہم نے بستی کے رہنے والوں ہی میں سے مردوں پر وحی بھیجی تھی۔''

رِجَـــال : رجل کی جمع ہے اور اس سے ثابت ہو گیا کہ نبوت مردوں سے خصوصیت رکھتی ہے۔ جنس نساء میں سے کسی کو نبوت نہیں ملی۔ اُمِ موسیٰ و امِ عیسیٰ و ہاجرہ علیہن السلام کے پاس

---

[1] ترمذی، ابواب الدعوات باب التسبیح نصف المیزان، رقم: ۳۵۱۸۔ دارمی کتاب الوضوء، مسند احمد ۴/ ۲۶۰۔

فرشتگان آسمانی کا آنا۔ کسی خاص واقعہ کے متعلق منجانب اللہ کچھ سمجھا جانا، نبوت اور رسالت کے مفہوم میں داخل نہیں۔

نبی علیہ السلام کیوں فرشتہ نہیں ہوتا؟

یہ آیت مشرکین کے اس اعتراض کے جواب میں ہے کہ نبی انسان کیوں ہوتا ہے؟ فرشتہ کو نبی بنا کر کیوں نہیں بھیجا جاتا؟ اللہ تعالیٰ نے بتلایا ہے کہ جملہ انبیاء ہمیشہ سے انسان ہی ہوتے رہے ہیں۔

قرآن مجید کے دوسرے مقام پر یہ جواب بھی دیا گیا ہے کہ اگر یہاں فرشتے آباد ہوتے۔ تو اُن کیلیے رسول بھی فرشتہ ہی ہوتا۔

اعتراض کرنے والے وہ تھے جو جنس بشر کی فضیلت سے ناواقف تھے۔ اگر وہ یہ جانتے ہوتے کہ انسان ہی ''اشرف مخلوقات'' ہے اور خلافت الٰہیہ کا تاج آدم ہی کے سر پر رکھا گیا ہے۔ تو کبھی یہ اعتراض زبان پر نہ لاتے۔ لیکن شرک وہ بری بلا ہے جو انسان کو خود اس کی نگاہوں میں ذلیل بنا دیتی ہے۔ جب کوئی مشرک کسی جانور یا درخت یا استھان بانشان کی پوجا کرتا ہے۔ تو ظاہر ہے کہ وہ ان اشیاء کو اپنے سے برتر و اعلیٰ قرار دیتا ہے۔ حالانکہ رب العالمین نے تو انسان کو سب سے برتر بنایا ہے۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بشر ہونے میں حکمت و مصلحت

اب اصل وجہ بشر کو نوع بشر کی طرف رسول بنا کر بھیجنے کی یہ ہے کہ نبی اپنے جملہ افعال و اعمال میں تمام دنیا کے لیے اسوہ حسنہ اور کمالات انسانیہ کا صحیح نمونہ ہوا کرتا ہے۔ اگر نبی کسی دوسری جنس یا نوع سے ہوتا۔ اگر وہ فرشتہ یا جن ہوتا تو اس کے اعمال و افعال نسل انسانی کے لیے نمونہ نہ بن سکتے۔

اسوہ و نمونہ

جب کسی شخص سے کہا جاتا ہے کہ تم بھی نبی اللہ کی سنت کے مطابق عمل کرو تو وہ جواب دے سکتا تھا کہ وہ تو فرشتہ تھے، ہم انسان ہیں۔ اس لیے ہم ویسے اعمال و افعال کیونکر

بجالا سکتے ہیں۔ قدرت الٰہیہ نے اب کسی شخص کے لیے یہ عذر قائم نہیں رہنے دیا۔

﴿ اَفَلَمْ يَسِيرُوْا فِي الْاَرْضِ فَيَنظُرُوْا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ﴾ [۱۲/ یوسف:۱۰۹]

''کیا یہ لوگ ملک میں چلتے پھرتے نہیں کہ وہ دیکھیں کہ ان سے پہلی قوموں کا انجام کیا ہوا۔''

اقوام ماضیہ کے انجام ہمارے لیے عبرت ہیں

مکہ کا قافلہ جب مصر کو یا شام کو جاتا۔ تو ان کی راہ میں ثمود اور اصحاب ایکہ کے تباہ شدہ شہر اور قلعے آیا کرتے تھے۔

اللہ تعالیٰ ان کو آگاہ کرتا ہے کہ ان اقوام کے ایسے انجام اس لیے ہوئے کہ انہوں نے اپنے اپنے وقت کے نبی کو حقیر سمجھا۔ اور اطاعت نہ کی۔ اب اگر اہل مکہ بھی نبی آخر الزمان کی اطاعت نہ کریں گے۔ تو وہ بھی اسی انجام کے مستوجب ٹھہریں گے۔

﴿ وَ لَدَارُ الْاٰخِرَةِ خَيْرٌ لِّلَّذِيْنَ اتَّقَوْا اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ﴾

''اور آخرت کا گھر تو تقویٰ والوں کے لیے بہت بہتر ہے۔ کیا تم اس بات کو نہیں سمجھتے۔''

پہلی آیت میں بتلایا تھا کہ نبی اللہ کی نافرمانی موجب بربادی اور سبب تباہی ہوتی ہے۔ ان پر دنیا میں بھی تباہی آیا کرتی ہے۔

اس آیت میں بتلایا کہ ان کی آخرت بھی تباہ ہوتی ہے، کیونکہ عالم آخرت تو اہل تقویٰ کے لیے ہے اور اہل تقویٰ وہی ہوتے ہیں جو نبی پر ایمان لانے والے ہوتے ہیں۔

عالم آخرت کیوں دنیا سے بہتر ہے

اب رہا عالم آخرت کا عالم دنیا سے بہتر ہونا۔

(الف) وہ اس لیے بھی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس جگہ انسان کو خلود عطا فرمایا ہے اور یہاں انسان ہر روز، ہر ساعت، ہر لحظہ فنا کی جانب جا رہا ہے اور اس لیے فنا کا روگ ہر وقت

انسان کے جسم اور جان سے لگا ہوا ہے۔

(ب) دنیا سے عالم آخرت اس لیے بھی بہتر ہے کہ وہاں کی نعمت و اقبال کو نقص و زوال نہیں۔ حالانکہ دنیا میں ہر ایک شے انہی عوارض کی تحت میں پائی جاتی ہے۔

مختصراً غور کرو کہ ہر ایک نعمت و دولت سے محظوظ ہونے کا انحصار انسان کی اپنی صحت بدن پر ہے۔ مگر صحت انسانی سینکڑوں عوارض و امراض سے گھری ہوئی ہے۔ صحت قوی اور اعتدال عناصر اول تو کسی شخص کو حقیقی معنی میں حاصل ہی نہیں ہوتے اور اگر کسی کو تھوڑے دنوں کے لیے یہ سب کچھ مل بھی جائے، تب بھی جوانی کو بقا کہاں؟

الغرض عالم آخرت کی برتری کے بیسیوں دلائل ہیں۔ لیکن ان کا تعلق فہم و افہام و تفہیم عقل پر منحصر ہے۔ اسی لیے آیت کو ﴿اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ﴾ [۱۲/یوسف:۱۱۰] پر ختم فرمایا گیا ہے۔ جو لوگ عقل نہیں رکھتے وہ عواقب امور پر نہ بحث کر سکتے ہیں۔ نہ تدبر و غور سے کام لے سکتے ہیں اور نہ کسی صحیح نتیجہ پر پہنچ سکتے ہیں۔

﴿حَتّٰۤی اِذَا اسْتَیْـَٔسَ الرُّسُلُ وَ ظَنُّوْۤا اَنَّهُمْ قَدْ كُذِبُوْا جَآءَهُمْ نَصْرُنَا فَنُجِّیَ مَنْ نَّشَآءُ﴾ [۱۲/یوسف:۱۱۰]

''اور جب رسول (منکروں سے) مایوس ہو گئے اور سمجھنے لگے کہ یہ لوگ ہم کو جھوٹا ہی سمجھتے ہیں۔ تب ہماری مدد رسولوں کے لیے آتی ہے۔ اس وقت اسی کو نجات ملتی ہے جسے ہم چاہتے ہیں۔''

اِسْتَیْـَٔسَ. یَئِسَ یَیْأَسُ. یَاْسًا وَیَآسَۃً سے ہے۔ اس کے معنی قطع امل ہیں۔ آیت کا جو ترجمہ کیا گیا ہے۔ وہ صحیح بخاری کی روایت عروہ عن ام المؤمنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی تفسیر کے مطابق ہے۔

معاذ اللہ! آیت کے یہ معنی ہرگز نہیں کہ رسولوں کو رحمت الٰہی سے کبھی مایوسی ہو جایا کرتی ہے۔ یا ان کو وعدہ ربانی میں تخلف کا وہم بھی کبھی ہو جایا کرتا ہے۔

اس معنی کی صحت خود اس سورۂ مبارکہ سے بھی ہوتی ہے۔ ذرا غور کرو! یعقوب علیہ السلام پر کبھی یاس چھائی؟ کبھی اُن کے کلام سے ناامیدی کی بو بھی آئی؟

(الف) جب پہلی دفعہ ان کے لڑکوں نے خبر دی کہ یوسف کو بھیڑیے نے کھا لیا۔ تب بھی انہوں نے یہی فرمایا۔ ﴿بَلْ سَوَّلَتْ لَكُمْ اَنْفُسُكُمْ اَمْرًا﴾ [۱۲/ یوسف:۸۳] ''نہیں! تم نے خود ایک بات بنالی ہے۔''

(ب) جب دوسری بار انہوں نے بنیامین کے قید اور روبن کے ترک وطن کی اطلاع دی۔ تب بھی یعقوب علیہ السلام نے ﴿عَسَى اللّٰهُ اَنْ يَّاْتِيَنِيْ بِهِمْ جَمِيْعًا﴾ [۱۲/ یوسف:۸۳] فرمایا تھا۔

(ج) جب بیٹوں نے ان کی یادِ یوسف علیہ السلام کو ضلالت قدیم بتلایا۔ تب بھی انہوں نے ﴿اِنِّيْٓ اَعْلَمُ مِنَ اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ۝﴾ [۱۲/ یوسف:۹۶] بتلایا تھا ''مجھے اللہ کی ذات کا وہ علم ہے جو تم کو نہیں''

(د) جب یعقوب علیہ السلام نے بیٹوں کو بار سوم مصر روانہ کیا اور تلاش یوسف علیہ السلام کا حکم دیا تھا۔ تب فرمایا تھا: ﴿وَ لَا تَايْـَٔسُوْا مِنْ رَّوْحِ اللّٰهِ ؕ﴾ [۱۲/ یوسف:۸۷] یعنی ''رحمت الٰہی سے ناامید نہ ہونا۔'' نیز فرمایا تھا: ﴿اِنَّهٗ لَا يَايْـَٔسُ مِنْ رَّوْحِ اللّٰهِ اِلَّا الْقَوْمُ الْكٰفِرُوْنَ ۝﴾ [۱۲/ یوسف:۸۷] ''رحمت الٰہی سے تو کافر لوگ ناامید ہوا کرتے ہیں۔''

(ہ) جب ان کو حیات یوسف کی بشارت اور اپنی گئی ہوئی بصارت ملی۔ تب بھی انہوں نے اپنے اسی اعتقاد محکم کی یاد اپنی اولاد کو تازہ کرائی تھی:

﴿اَلَمْ اَقُلْ لَّكُمْ اِنِّيْٓ اَعْلَمُ مِنَ اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ۝﴾ [۱۲/ یوسف:۹۶]

''کیا میں نے تم سے نہ کہا تھا کہ میں اللہ کی بابت جانتا ہوں، جو تم نہیں جانتے۔''

ان واقعات سے ثابت ہو گیا کہ سخت سے سخت مصیبت میں بھی نبی اللہ کے اعتماد و توکل اور امید فضل الٰہی میں ذرا بھی فرق نہیں آیا تھا۔ یہی وہ تعلیم ہے جو اس سورۂ مبارکہ میں دی گئی ہے۔

ہاں اسی سورۂ مبارکہ میں ﴿وَ ظَنُّوْٓا اَنَّهُمْ قَدْ كُذِبُوْا﴾ [۱۲/ یوسف:۱۱۰] کا نمونہ بھی دیکھ لو۔ یعقوب علیہ السلام کو یہ گمان ضرور ہو گیا تھا کہ اب ان کی اولاد ان کی بات پر اعتماد نہیں کرتی۔ یہی وجہ ہے کہ جب انہوں نے نکہت یوسفی کو سونگھا اور اس کی اطلاع اپنی اولاد کو دینے لگے۔ تو انہوں

نے ساتھ ہی یہ بھی فرما دیا تھا، ﴿لَوْ لَآ اَنْ تُفَنِّدُوْنِ﴾ ”یہ نہ سمجھنا کہ بڑھا سٹھیا گیا“

الغرض یعقوب علیہ السلام اور فرزندان یعقوب علیہ السلام کے حالات پر تدبر کرنے سے اس معنی کی جو بحوالہ حدیث بخاری کیے گئے ہیں۔ بخوبی توثیق و تخصیص ہو جاتی ہے۔

﴿وَلَا یُرَدُّ بَاْسُنَا عَنِ الْقَوْمِ الْمُجْرِمِیْنَ﴾ [۱۲/ یوسف:۱۱۰]

”اور ہمارا عذاب تو مجرم قوم سے لوٹایا نہیں جاتا۔“

اس آیت میں دو اصول بتلائے گئے ہیں۔

اول: عذاب الٰہی صرف مجرمین پر نازل ہوتا ہے۔

دوم: نزول عذاب کے بعد پھر اسے کوئی روک نہیں سکتا ہے۔

﴿لَقَدْ كَانَ فِیْ قَصَصِهِمْ عِبْرَةٌ لِّاُولِی الْاَلْبَابِ مَا كَانَ حَدِیْثًا یُّفْتَرٰى وَ لٰكِنْ تَصْدِیْقَ الَّذِیْ بَیْنَ یَدَیْهِ وَ تَفْصِیْلَ كُلِّ شَیْءٍ وَّ هُدًى وَّ رَحْمَةً لِّقَوْمٍ یُّؤْمِنُوْنَ﴾ [۱۲/ یوسف:۱۱۱]

”ان کے حالات میں دانش مندوں کے لیے بڑی نصیحت ہے۔ یہ بنائی ہوئی بات نہیں ہے۔ یہ تو اپنے سے پہلی کی تصدیق کرتی ہے اور ہر شے کی تفصیل ہے اور ہدایت اور رحمت ہے، ایمان والی قوم کے لیے۔“

عِبْرَةٌ: معاملات پر غور کرنا۔ دوسرے کے حالات سے نصیحت حاصل کرنا۔

اَلْبَابٌ: لُبٌّ کی جمع ہے۔ لُبّ بمعنی عقل۔ ہر ایک وہ شے جو خالص عن الشوائب ہو۔ میوہ جات کا وہ اندرونی حصہ جو کھایا جاتا ہے۔ ہر شے کا مغز۔

یُفْتَرٰی: فَرِیَ فَرِیًا سے ہے۔ جس کے معنی خراب کرنا، چمڑے کو ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالنا ہے۔ افتراء: جھوٹ بنانا، جھوٹ سے کسی کو تباہ کرنا۔

تَصْدِیْقٌ: قائل کی نسبت دل و زبان سے صدق کا استعمال۔

قَصَصِهِمْ: کی ضمیر میں انبیا، نجات یافتہ قومیں اور جرائم پیشہ لوگ شامل ہیں۔ جن کا ذکر ﴿حَتّٰۤی اِذَا اسْتَایْـَٔسَ الرُّسُلُ﴾ [۱۲/ یوسف:۱۱۰] میں آیا ہے۔ بعض نے اسے خاندان اسرائیل کی طرف بتایا ہے۔

حَدِيْثًا يُّفْتَرٰى: بنائی ہوئی بات۔ (من گھڑت، خودساختہ)

کفار مکہ جو قرآن مجید کو کلام الٰہی نہ مانتے تھے۔ وہ یہ کہہ دیا کرتے تھے کہ یہ کلام تو محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا خود ساختہ ہے۔ سورۃ سبا میں ہے کہ کفار نے قرآن مجید کو ﴿اِفْكٌ مُّفْتَرًى﴾ (ساختہ پرداختہ) بھی کہا تھا۔

قرآن مجید نے اس الزام کا جواب ایک جگہ یہ دیا ہے۔

﴿ اَمْ يَقُوْلُوْنَ افْتَرٰىهُ قُلْ فَاْتُوْا بِعَشْرِ سُوَرٍ مِّثْلِهٖ مُفْتَرَيٰتٍ وَّادْعُوْا مَنِ اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ○ فَاِلَّمْ يَسْتَجِيْبُوْا لَكُمْ فَاعْلَمُوْٓا اَنَّمَآ اُنْزِلَ بِعِلْمِ اللّٰهِ وَ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ فَهَلْ اَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ ○﴾ [۱۱/ھود:۱۳۔۱۴]

''کیا یہ لوگ کہتے ہیں کہ قرآن محمد نے بنالیا ہے۔ ان سے کہہ دو کہ تم بھی ایسی ہی دس سورتیں بنالو اور خدا کے سوا جس سے مدد لے سکتے ہو، اسے بلا لو اگر تم یہ کہنے میں سچے ہو۔ اگر یہ لوگ اس بات کو قبول نہ کریں۔ تب سب کو جان لینا چاہیے کہ اس قرآن کو تو اللہ ہی نے اپنے علم سے اتارا ہے اور اس کے سوا تو کوئی بھی معبود نہیں ہے۔ کیا تم اس کی فرمانبرداری کرو گے۔''

دوسرا جواب یہ ہے جو آیت زیر تفسیر میں دیا گیا ہے۔

یعنی کلام اللہ کی مندرجہ ذیل صفات پر غور کرو۔

کلام اللہ کے اوصاف

① یہ اولوا الالباب کے لیے عبرت ہے اور اہل دانش کے سامنے زمانہ ماضی کو ایسی صورت میں پیش کرتا ہے۔ جس سے زمانہ مستقبل میں فائدہ، نفع اور نصیحت حاصل کی جاسکے۔

② یہ ﴿تَصْدِيْقَ الَّذِيْ بَيْنَ يَدَيْهِ﴾ [۱۲/ یوسف:۱۱۱] ہے۔ یہ صفت قرآن مجید کی ایسی خاص واعلیٰ ہے جو اسے دیگر کتب سماویہ سے ممتاز و برتر ثابت کرتی ہے۔

الف: اہل ہند کا دعویٰ ہے کہ ہندوستان کے سوا اور کسی قوم پر آکاش بانی نہیں اتری۔

ب: بنی اسرائیل نے کہا کہ اسرائیلیوں کے سوا اور کسی کو نبوت نہیں ملی۔

ج: ایرانیوں کا پندار ہے کہ پارسیوں کے سوا سرِدش یزدانی سے کوئی آشنا نہیں ہوا۔

د: مصریوں کو اصرار ہے کہ جملہ علوم روحانی و مادی انہی نے نکالے اور اہرام پر لکھے۔

ہ: چینیوں نے بتلایا کہ آسمانی خدا کے فرزند وہی ہیں۔ اب ہر ایک کے دعویٰ پر غور کرو۔ ہر ایک قوم اپنے دعویٰ کے ساتھ ساتھ کل اقوام عالم کی تکذیب بھی کر رہی ہے۔

ہندو اسرائیلیوں کو جھوٹا بتاتے ہیں اور اسرائیلی ہندوؤں کو۔ ایرانی اِن دونوں کو اور یہ دونوں ایرانیوں کو لاف باف بتلاتے ہیں۔

علیٰ ہذا مصری ان تینوں کو دروغ گو کہہ رہے ہیں۔

اور چینی ان چاروں کے بطلان پر اصرار رکھتے ہیں۔

الغرض یہ تکذیب و ابطال کا سلسلہ اتنا وسیع ہو جاتا ہے کہ قوم بھی اس کے اثر سے باہر نہیں رہتی۔

قرآن مجید ہی وہ پاک کتاب ہے۔ جس نے کل دنیا کو یہ بتلایا ہے: ﴿ اِنْ مِّنْ اُمَّةٍ اِلَّا خَلَا فِيْهَا نَذِيْرٌ ﴾[۳۵/ فاطر:۲۴] ''یعنی دنیا کی ہر ایک قوم میں ایک نذیر آیا ہے۔''

یہ اصول دنیا کو محبت، اتفاق، یک جہتی و اتحاد کی تعلیم دینے والا ہے اور یہی اصول واضح کر دیتا ہے کہ ایسی پاکیزہ تعلیم کا پیش کرنے والا ہرگز ہرگز مفتری نہیں ہو سکتا۔

③ یہ کتاب ﴿ تَفْصِيْلَ كُلِّ شَيْءٍ ﴾ ''یعنی ہر ایک وہ شے، جس کا تعلق تزکیہ قلب، تنویر روح نجات اخروی اور تمدن انسانی، حیات بشری، حقوق العباد اور فرائض الٰہی سے ہے۔ اسے نہایت جامعیت اور وضاحت سے بیان کیا گیا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ:

قرآن مجید کی چند خصوصیات

الف: قرآن مجید عدالت ہائے فوج داری و دیوانی و مال کے لیے ایک بہترین قانون بھی ہے۔

ب: اور ایام اللہ کے بیان میں ایک صحیح ترین تاریخ بھی۔

ج: وہ ہدایت تامہ ہے اور کتاب اخلاق بھی۔

د: وہ مواعظ و امثال بھی بیان کرتا ہے اور انذار و بشارت بھی۔

ہ: اس میں علوم اخروی و دنیوی کے دو دریائے ذخار پہلو بہ پہلو جوش زن نظر آتے ہیں۔

و: وہ برہان کو پیش کرتا ہے اور فطرت سلیمہ کو بیدار بناتا ہے۔

ز: وہ اللہ تعالیٰ کا کلام ہے اور صحیح صحیح طریق پر اللہ کے کام بتاتا ہے۔

ح: وہ کتب سماویہ کا مہیمن ہے اور اُن کے مطالب کا جامع ہے۔

توراۃ میں صرف حلال و حرام کے احکام تھے۔

زبور مجموعۂ مناجات ہے۔

انجیل میں صرف اخلاقی سبق ہیں اور اس کی تعلیم ایسی مثالوں میں دی گئی ہے جسے اکثر اوقات مسیح علیہ السلام کے خاص شاگرد بھی نہ سمجھا کرتے تھے لیکن اقسام ہدایت کی ہر ایک قسم کو اپنی ذات میں جمع کر لینا صرف قرآن پاک ہی کا خاصہ ہے۔

قرآن ہدایت ہے

④ قرآن مجید سراپا ہدایت اور کامل رہ نما ہے۔

صحف اوّلین کی تعلیم اور حلقہ ہائے اثر

ہر ایک کتاب پر غور کرو کہ اس کی تعلیم نے کیا کیا اثر پیدا کیے۔

الف: کیا ویدکی تعلیم نے ہندوستان سے باہر کسی قوم میں کوئی وقعت پائی؟

ب: کیا ژندواُستا نے اولاد ایرج کی حدود سے باہر کبھی قدم نکالا؟

ج: کیا توراۃ کی تعلیم سے اسباط کے سوا اور کسی نے کچھ استفادہ کیا؟

د: کیا انجیل نے توراۃ سے علیحدہ ہو کر اپنے آپ کو کبھی مستقل کتاب کہلانے کا دعویٰ کیا۔

ہ: کیا مسیح کے بارہ منتخب کردہ اور تیار کردہ شاگردوں نے انجیل کو کبھی اقوام غیر کے

سامنے پیش کرنے کی سبقت کی؟

قرآن مجید کا فیض عام

و: ہاں! یہ قرآن مجید ہی ہے جس نے شروع ہی سے اپنے آپ کو کل مخلوق کا رہنما بتلایا ہے۔

ز: یہ قرآن حکیم ہی ہے جس نے دنیا کے تمام ملکوں اور قوموں کو اپنا فیض پہنچایا ہے۔

ح: یہ قرآن مبین ہی ہے جس نے زبانوں کے اختلاف، رنگوں کے تبائن، اور نسل ونسب کے امتیازات کو الگ کر کے سب کے دلوں میں ایک ہی عقیدہ اور سب کے دماغوں میں ایک ہی ولولہ اور سب کی زبانوں پر ایک ہی کلمہ جاری کر دیا ہے۔

ط: قرآن پاک کا یہ فیض عام اسی ابتدائی زمانہ سے جاری ہے جب کہ نزول قرآن کی ابتدا ہوئی۔ یہودی، عیسائی، صابی، بت پرست، دہریہ سب ہی اقسام کے لوگ اس آب حیات سے سیراب ہوئے۔ شاہ وگدا کو برابر اس کا فیضان ہوا۔

بلال وصہیب کے ساتھ اکیدر و جیفر ایک صف میں بیٹھے۔ سلمان و ابوذر جیسے بے سروسامانوں کو عمرو خزاعی اور عبدیالیل ثقفی جیسے حکمرانوں نے اپنا مقتدی تسلیم کیا۔

ی: الغرض قرآن مجید کا راہ نمائے کامل ہونا، ایشیا وافریقہ ویورپ میں اسی ابتدائی عہد میں مسلّم ہو گیا تھا جب کہ قرآن پاک کا نزول ہو رہا تھا۔

قرآن مجید رحمت ہے

قرآن مجید رحمت ہے۔ بنی اسرائیل نے نجات کے دروازے صرف اسرائیلیوں ہی کے لیے کھولے۔ ہندوؤں نے صرف برہمنوں کو مکتی پانے والا قرار دیا۔

اسی طرح ہر ایک مذہب نے نجات کے لیے ایسی ایسی قومی، ملکی اور نسلی خصوصیات کی قیود کا اضافہ کیا۔ جس سے اس مذہب کا فیض بالکل محدود ہو گیا۔ قرآن مجید نے ان قیود کو توڑا اور ﴿اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقٰكُمْ﴾ [۴۹/الحجرات:۱۳] کا فرمان جاری کیا۔ ”یعنی تم میں زیادہ عزت والا وہی ہے جو تقویٰ میں زیادہ ہے۔“

حقوق نسواں

حقوق نسواں کے حامی آنکھیں کھول کر دیکھیں کہ ﴿ وَ لَهُنَّ مِثْلُ الَّذِيْ عَلَيْهِنَّ ﴾ [۲/البقرۃ:۲۲۸] کا حکم قرآن پاک کے سوا اور کون سی کتاب نے دیا ہے۔ ترجمہ آیت یہ ہے۔

''عورتوں کے حقوق مردوں پر ویسے ہی ہیں۔ جیسے مردوں کے حقوق عورتوں پر ہیں۔''

ایمان سے کہو کہ قرآن پاک تمام جنس اناث کے لیے کس قدر رحمت ہے بلکہ زوجین کے حقوق معین کر دینے کی وجہ سے اناث و رجال دونوں کے لیے کس قدر رحمت ہے۔

حقوق انسانیت

حقوق انسانیت کی حمایت کرنے والے غور کریں کہ ﴿ فَاِمَّا مَنًّا ۢ بَعْدُ وَ اِمَّا فِدَآءً ﴾ [۴۷/محمد:۴] کا حکم قرآن پاک کے سوا کسی نے اسیران جنگ کے حق میں دیا ہے۔ ترجمہ آیت یہ ہے۔ ''جب لڑنے والوں کو پکڑ لو، تب یا تو بطور احسان چھوڑ دو یا فدیہ لے کر چھوڑ دو۔''

حالانکہ توراۃ میں اور وید میں جو سخت ترین احکام اسیران جنگ کے لیے ہیں انہیں کل دنیا خود جانتی ہے۔

اخلاق حسنہ و حرمت شراب

اخلاق حسنہ کے شیدائی بتلائیں کہ شراب کو ﴿ رِجْسٌ مِّنْ عَمَلِ الشَّيْطٰنِ ﴾ [۵/المآئدۃ:۹۰] ''پلید، شیطان کا کام ہے۔'' کس کتاب نے قرآن پاک کے سوا فرمایا ہے اور ((مَا اَسْكَرَ كَثِيْرُهُ فَقَلِيْلُهُ حَرَامٌ)) [1] ''جس شے کا بڑا حصہ نشہ آور ہو اس کا قلیل حصہ بھی حرام ہے۔'' کا حکم سیدنا و مولانا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سوا اور کس نبی نے دیا۔ اور آج جنگ عظیم کے تجربہ کے بعد امریکہ و فرانس وغیرہ ممالک شراب چھوڑنے میں کس

---

[1] ترمذی: ابواب الاشربۃ، باب ما اسکر کثیرہ، رقم ۱۸۶۵۔ نسائی: کتاب الاشربۃ، باب تحریم کل شراب اسکر کثیرہ، رقم ۵۶۱۰۔ ابن ماجۃ: ابواب الاشربۃ باب ما اسکر کثیرہ فقلیلہ حرام رقم ۳۳۹۲۔

ہادی برحق کی ہدایت پر عمل کر رہے ہیں۔

حمایت عدل وانصاف

حامیان عدل وانصاف ذیل کی آیات پر تدبر کریں اور انصاف سے کہیں کہ عدل کی حمایت اور انصاف کے استحکام میں قرآن پاک سے بڑھ کر کس کتاب میں تاکید موجود ہے۔

﴿ وَ لَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَاٰنُ قَوْمٍ عَلٰٓى اَلَّا تَعْدِلُوْا ؕ اِعْدِلُوْا ۟ هُوَ اَقْرَبُ لِلتَّقْوٰى ﴾ [۵/المائدۃ:۸]

''کسی قوم سے نفرت کا ہونا تم کو ناانصافی کی جانب نہ لے جائے۔عدل ہی کرو۔اسی میں تقویٰ وخدا ترسی ہے''

﴿ وَ لَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَاٰنُ قَوْمٍ اَنْ صَدُّوْكُمْ عَنِ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ اَنْ تَعْتَدُوْا ۘ وَ تَعَاوَنُوْا عَلَى الْبِرِّ وَ التَّقْوٰى ﴾ [۵/المائدۃ:۲]

''قوم سے یہ نفرت کہ انہوں نے تم کو خانہ کعبہ سے روک دیا تھا۔تم کو اُن پر زیادتی کرنے کی طرف نہ لے جائے۔تم نیکی اور تقویٰ میں اُن کی بھی مدد کیا کرو۔''

شہادت کی حفاظت اور عظمت

﴿ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُوْنُوْا قَوّٰمِيْنَ بِالْقِسْطِ شُهَدَآءَ لِلّٰهِ وَ لَوْ عَلٰٓى اَنْفُسِكُمْ اَوِ الْوَالِدَيْنِ وَ الْاَقْرَبِيْنَ ﴾ [۴/النسآء:۱۳۵]

''اے ایمان والو! حقوق کی حفاظت کرو، خدا لگتی گواہی دیا کرو، خواہ تمہاری گواہی خود تمہارے خلاف یا تمہارے والدین اور اقربا کے بھی خلاف ہو۔''

عفوودرگزر کی لاثانی تعلیم

عفوودرگزر کی تعلیم دینے والے ان آیات پر غور کریں۔ ایک گال پر تھپڑ کھا کر دوسرے گال پر تھپڑ کھانا، اعلیٰ تعلیم ہے؟ یا بدی کرنے والے کے ساتھ نیک سلوک کرتے رہنا اعلیٰ تعلیم ہے؟

﴿ اِدْفَعْ بِالَّتِیْ هِیَ اَحْسَنُ فَاِذَا الَّذِیْ بَیْنَکَ وَ بَیْنَهٗ عَدَاوَةٌ كَاَنَّهٗ وَلِیٌّ حَمِیْمٌ ۝﴾ [۴۱/فصلت:۳۴]

''بدی کے بدلہ میں نیکی کرو۔ جس سے تمہاری عداوت ہوگی۔ وہ بھی اس طریق سے تمہارا گرم جوش حامی بن جائے گا۔''

﴿ وَلْیَعْفُوْا وَ لْیَصْفَحُوْا اَلَا تُحِبُّوْنَ اَنْ یَّغْفِرَ اللّٰهُ لَكُمْ ﴾ [۲۴/النور:۲۲]

''تم کو لازم ہے کہ معافی دیا کرو۔ تم کو لازم ہے کہ درگزر کیا کرو۔ کیا تم خود یہ پسند نہیں کرتے ہو کہ اللہ تعالیٰ تمہارے گناہوں کو معاف کر دیا کرے۔''

تہذیب شائستگی

پاکیزہ عادات اور بہترین صفات کے شیدائی اس تعلیم کی قدر و قیمت اور وسعت کا اندازہ کریں۔

﴿ وَلَا تَقْرَبُوا الْفَوَاحِشَ مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَ مَا بَطَنَ ﴾ [۶/الانعام:۱۵۱]

''اللہ نے فحش کی تمام اقسام کو حرام کر دیا ہے خواہ وہ فحش کھلا ہو یا چھپا ہو۔''

﴿ اِنَّ اللّٰهَ یَاْمُرُ بِالْعَدْلِ وَ الْاِحْسَانِ وَ اِیْتَآئِ ذِی الْقُرْبٰی وَ یَنْهٰی عَنِ الْفَحْشَآءِ وَ الْمُنْكَرِ وَ الْبَغْیِ یَعِظُكُمْ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ ۝﴾ [۱۶/النحل:۹۰]

اللہ نے اپنے جن کاموں کے کرنے کا حکم دیا ہے۔ وہ یہ ہیں ① عدل ② احسان ③ اور اہل قرابت کے ساتھ داد و دہش۔ اللہ جن کاموں سے روکتا ہے۔ وہ یہ ہیں ① بدکاریاں ② ایسے کام جن کا انکار کیا جاتا ہے ③ بغاوت۔ یہ خدا کی نصیحت ہے تاکہ یاد رکھو۔''

حکومت جمہوری

حکومت جمہوریہ کے ذرائی اور امارت شخصیہ کے منکر غور کریں کہ ﴿ وَ اَمْرُهُمْ شُوْرٰی بَیْنَهُمْ ﴾ [۴۲/الشوریٰ ۳۸] کا زبردست حکم اور کس کتاب نے دیا ہے۔ ''حکومت کی بابت صرف یہی ایک صورت ہے کہ وہ باہمی شوریٰ پر ہوگی۔''

تمدن وحریت

تمدن وآزادی وانسانیت کے ثناخواں غور کریں کہ:

﴿وَرَهْبَانِيَّةَ ابْتَدَعُوهَا﴾[۵۷/الحدید:۲۷] کا حکم کس طرح دنیا کو ان لوگوں کے وجود سے پاک کرتا ہے۔ جونن، منک اور جوگی وتیاگی کے بھیس میں ہو کر انسانیت کے لیے باعث ننگ وعار اور تمدن کے لیے دشمن صریح بن رہے ہیں۔

یہ جملہ احکام اور ان کے اشباہ ونظائر دیگر احکام صاف طور پر واضح کرتے ہیں کہ قرآن مجید نسل انسانی کے لیے رحمت ہے۔

وہ انسان مبارک ہے جو قرآن سے ہدایت لیتا ہے

قرآن پاک اپنے نہ ماننے والوں کے لیے بھی فیض بخش وفیض رساں ہے اور ماننے والوں کے حق میں تو وہ سراسر ہدایت اور سراپا رحمت ہے۔ مبارک ہیں وہ انسان جنہوں نے قرآن کو اپنے لیے ہدایت بنایا اور اس کی رحمت سے فائدہ اٹھایا ہے۔

خاتمہ

سورۂ یوسف علیہ السلام میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

﴿ذٰلِکَ مِنْ اَنْبَاءِ الْغَیْبِ﴾ [۱۲/یوسف:۱۰۲]

''یہ غیب کی خبروں میں سے ہے۔''

یہ بھی فرمایا ہے:

﴿لَقَدْ کَانَ فِیْ قَصَصِهِمْ عِبْرَةٌ لِّاُولِی الْاَلْبَابِ﴾ [۱۲/یوسف:۱۱۱]

''اہل دانش کے لیے اس میں عبرت ہے۔''

ہر دو آیات سے یہ مستنبط ہوتا ہے کہ احوال یوسف صدیق علیہ السلام کو احوال محمدی صلی اللہ علیہ وسلم سے گونہ مماثلت ہے۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے حالات اور یوسف علیہ السلام کے حالات میں مماثلت

یعنی جو معاملات یوسف علیہ السلام کے درمیان ہوئے۔ وہی معاملات قریش اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے درمیان ہونے والے ہیں۔ سورۂ یوسف کا نزول مکہ معظمہ میں ہوا تھا۔ اس لیے یہ سورۂ مبارکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے حالات کے لیے فی الواقع ''اِخْبَار عَنِ الْغَیْب'' ہے اور واضح پیشگوئی ہے۔ ہم اختصار کے ساتھ چند واقعات مماثلت کو ذیل میں قلم بند کریں گے۔

(۱) اوّل

یوسف علیہ السلام کی روحانی زندگی کا آغاز خواب سے ہوا تھا اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کا آغاز بھی رویائے صادقہ سے ہوا تھا۔

خواب صادقہ

صحیح بخاری میں باب کیف بدء الوحی میں ام المومنین عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے:

((اَوَّلُ مَا بُدِئَ بِهٖ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم مِنَ الْوَحْيِ الرُّؤْيَا الصَّالِحَةُ

فِی النَّوْمِ فَکَانَ لَا یَرٰی رُؤْیَا اِلَّا جَاءَ تْ مِثْلَ فَلَقِ الصُّبْحِ)) ❶

''نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی وحی کی ابتدا شروع شروع میں سچے خوابوں سے ہوئی تھی۔ جو کچھ حضور صلی اللہ علیہ وسلم خواب میں دیکھ لیتے۔ وہی نورِ سحر کی طرح صبح کو آشکار ہو جاتا۔''

(۲) دوم

یعقوب علیہ السلام وورقہ بن نوفل

یوسف علیہ السلام کے خواب کو سن کر یعقوب علیہ السلام سمجھ گئے تھے کہ اخوان یوسف علیہ السلام اُن سے کید و مکر کریں گے۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک سے نزول وحی کی کیفیت سن کر پیر فرزانہ ورقہ بن نوفل نے کہا تھا:

((لَمْ یَاْتِ رَجُلٌ قَطُّ بِمِثْلِ مَا جِئْتَ بِهٖ اِلَّا عُوْدِیَ)) ❷

''کوئی شخص وہ شے قوم کے پاس لے کر نہیں آیا جو تو لایا ہے۔ مگر یہ کہ اس سے عداوت کی جاتی ہے۔''

اسی بزرگوار کا ایک فقرہ یہ ہے۔

((لَیْتَنِیْ اَکُوْنُ حَیًّا اِذَا یُخْرِجُکَ قَوْمُکَ)) [ایضا]

''کاش! میں اس وقت تک زندہ رہوں، جب تیری قوم تجھے نکال دے گی۔''

(۳) سوم

اجتباء

یعقوب علیہ السلام نے یوسف علیہ السلام کو بتلایا تھا کہ اللہ تعالیٰ ان کو درجہ اجتباء عطا فرمائے گا۔ امت محمدیہ کے لیے بھی اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

❶ بخاری: کتاب بدء الوحی، باب کیف کان بدء الوحی رقم ۳۔ مسلم: کتاب الایمان، باب بدء الوحی الی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رقم ۴۰۳۔ ❷ ایضاً حوالہ مذکور۔ مسند احمد ۶/۲۲۳۔

﴿ وَجَاهِدُوْا فِي اللّٰهِ حَقَّ جِهَادِهٖ ؕ هُوَ اجْتَبٰكُمْ ﴾ [۲۲/الحج:۷۸]

''اللہ کی راہ میں جہاد کرو جیسا کہ جہاد کرنے کا حق ہے اسی نے تم کو اجتباء بخشا ہے۔''

ظاہر ہے کہ یہ درجہ امت کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم ہی کے طفیل ملا ہے۔

(۴) چہارم

علم و تعلیم

یوسف علیہ السلام کو بتلایا گیا تھا کہ اُن کو علم تاویل الاحادیث دیا جائے گا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی شان اللہ تعالیٰ نے اس طرح ظاہر کی ہے:

﴿ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ ۚ ﴾ [۳/آل عمران:۱۶۴]

''نبی سب کو کتاب اور حکمت کی تعلیم دیتا ہے۔''

(۵) پنجم

اتمامِ نعمت

یوسف علیہ السلام کو بتلایا گیا تھا ﴿ وَيُتِمُّ نِعْمَتَهٗ عَلَيْكَ ﴾ [۱۲/یوسف:۶] اس سے مراد عطاء نبوت تھی اور اس کے تحت میں یہ بھی اشارہ تھا کہ نبوت کا جو تسلسل سیدنا ابراہیم و اسماعیل و اسحٰق و یعقوب علیہم الصلوٰۃ والسلام سے شروع ہو کر ذات گرامی یوسف علیہ السلام تک پہنچا ہے۔ وہ انہی کی ذات پر ختم ہو جائے گا۔ چنانچہ اُن کے بعد اُن کی نسل میں پھر کسی کو نبوت نہیں ملی۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات اقدس میں یہ اتمام نعمت بدرجہ اتم تھا۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿ مَا كَانَ مُحَمَّدٌ اَبَآ اَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِكُمْ وَلٰكِنْ رَّسُوْلَ اللّٰهِ وَخَاتَمَ النَّبِيّٖنَ ؕ ﴾ [۳۳/الاحزاب:۴۰]

''محمد صلی اللہ علیہ وسلم تم مردوں میں کسی کا باپ نہیں ہے۔ وہ تو اللہ کا رسول ہے اور سب انبیا کا خاتم ہے۔''

صحیحین کی حدیث اور ختم نبوت

صحیح بخاری وصحیح مسلم کی متفقہ حدیث ہے:

((إِنَّ لِي أَسْمَاءً أَنَا مُحَمَّدٌ وَأَنَا أَحْمَدُ أَنَا الْمَاحِي الَّذِي يَمْحُو اللّٰهُ بِيَ الْكُفْرَ وَأَنَا الْحَاشِرُ الَّذِي يُحْشَرُ النَّاسُ عَلَى قَدَمِيَّ وَ أَنَا الْعَاقِبُ الَّذِي لَا نَبِيَّ بَعْدَهُ)) [1]

''میرے کئی نام ہیں۔ میں محمد ہوں، میں احمد ہوں، میں ماحی ہوں، جس کے ذریعہ کفر محو کیا گیا۔ میں حاشر ہوں، قیامت کو سب لوگ مجھ سے پیچھے اٹھیں گے۔ میں عاقب ہوں، عاقب وہ ہے جس کے بعد اور کوئی نبی نہ ہو۔''

شریعت کا آغاز آدم علیہ السلام سے ہوا

اتمام کی ایک قسم یہ بھی تھی کہ دین کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات مبارک سے کمال حاصل ہوا یہ یاد رکھنا چاہیے کہ جس طرح نسل انسان کی ابتداء ابوالبشر آدم علیہ السلام سے ہوئی ہے۔ اسی طرح شریعت کا آغاز بھی انہی کی ذات سے ہوتا ہے۔ اس سے نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ فطرت انسان ہی بالطبع متقاضی شریعت ہے۔ شریعت مجموعۂ امر ونہی کا نام ہے۔ مختصر یا مفصل ہونا اس کلیہ میں کچھ تفاوت نہیں پیدا کرتا۔

امر ونہی نوح علیہ السلام

غور کرو کہ آدم علیہ السلام کے لیے جنت میں امر ونہی موجود تھے۔ یعنی جنت کے سب میوہ جات کو کھا سکنا اور ایک درخت خاص سے دور رہنا۔ نوح علیہ السلام پر دم مسفوح حرام ہوا۔

موسیٰ علیہ السلام اور احکام عشرہ

اسی طرح ترقی ہوتے ہوتے ایک دن وہ ہوا کہ موسیٰ کلیم اللہ علیہ السلام کو احکام عشرہ ملے اور ان کے بعد شریعت کے دیگر احکام بھی وقتاً فوقتاً ملتے رہے۔

[1] بخاری: کتاب التفسیر، باب من بعد اسمه احمد، رقم: ۴۸۹۶۔ ترمذی: ابواب الادب، باب ماجاء فی اسماء النبی رقم: ۲۸۴۰۔ موطا: اسماء النبی اوی رقاق ۵۹ ج۲ص/۸۰۔

داوٗد علیہ السلام اور ابواب مناجات

اُن کے بعد داوٗد علیہ السلام پر ابواب مناجات و دعا کھولے گئے اور اُن کے بعد مسیح عیسیٰ علیہ السلام کو محاسن اخلاق کی تعلیم کے لیے مثال اور نظائر کے طریقہ کا استعمال سکھایا گیا اور بالآخر نزول قرآن مجید کا آغاز ہوا۔ ۲۳ سال تک یہی سلسلہ جاری رہا اور آخر میں یہ فرمان واجب الاذعان شائع کر دیا گیا۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور اتمام نعمت و مکمل دین

﴿اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ وَ اَتْمَمْتُ عَلَیْکُمْ نِعْمَتِیْ وَ رَضِیْتُ لَکُمُ الْاِسْلَامَ دِیْنًا﴾ [۵/المآئدۃ:۳]

''آج تم پر میں نے تمہارے دین کو کامل کر دیا۔ آج میں نے اپنی نعمت بھرپور تم کو دے دی۔ میری خوشنودی یہی ہے کہ یہی اسلام تمہارا دین ہو''

خلاصہ یہ ہے کہ یوسف علیہ السلام پر بھی نعمت کا اتمام ہوا۔ وہ ان کی اپنی نسل میں تھا اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر بھی اتمام نعمت ہوا اور یہ کل دنیا کے لیے تھا۔

(۶) ششم

قتل وقید اور طرح ارض

حضرت یوسف کے قتل اور طرح ارض کے مشورے ہوئے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف بھی ایسا ہی مشورہ ہوا۔

﴿وَ اِذْ یَمْکُرُ بِکَ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا لِیُثْبِتُوْکَ اَوْ یَقْتُلُوْکَ اَوْ یُخْرِجُوْکَ﴾ [۸/الانفال:۳۰]

''جب کافر تیرے خلاف چھپ چھپ کر تدبیریں کرتے تھے کہ تجھے قید کریں، قتل کریں یا ملک بدر کریں۔''

یوسف علیہ السلام کے خلاف ۱۰ بھائی شامل مشورہ تھے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف مشورہ

کرنے میں قریش کے ۱۴ سردار شامل تھے۔ ان میں سے گیارہ تو جنگ بدر میں با حال تباہ ہلاک ہوئے اور تین کو امن ملا وہ سب اسلام کی پناہ میں داخل ہو گئے۔

دار الندوہ کا انجام

وہ دار الندوہ جہاں یہ ناپاک مشورت کی گئی تھی۔ آج صحن کعبہ میں حنفی مصلی کے نام سے موسوم ہے۔ جہاں شب و روز نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر صلوٰۃ وسلام پڑھا جاتا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دین کی اشاعت کی جاتی ہے۔

(۷) ہفتم

جُبّ اور غار

یوسف علیہ السلام کو بھائیوں کے ظلم سے غیابت الجب (کنوئیں کی تہہ میں) ٹھہرنا پڑا تھا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم بھی قریش کے ظلم سے غار ثور کی تہہ میں پناہ گیر ہوئے تھے۔

(۸) ہشتم

قافلہ مدنانیان و قافلہ انصاریان

قافلہ سیارہ کو جب یوسف علیہ السلام یکایک مل گئے تھے۔ تو انہوں نے اس پر بہت بہت اظہار مسرت کیا تھا۔

اوس وخزرج کا قافلہ بھی جب بمقام عقبہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پرانوار سے مشرف ہوا تھا تو انہوں نے بھی اس شرف خداداد کے ملنے پر نہایت شکر و امتنان کا اظہار کیا تھا۔

(۹) نہم

حسن یوسفی و جمال محمدی

یوسف علیہ السلام کے حسن کا اندازہ کرنے کے لیے یہ واقعہ موجود ہے کہ ایک با جمال و ذومال عورت نے اُن سے خود درخواست کی۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے براعتِ جمال کا اندازہ اس طرح ہو سکتا ہے کہ طاہرہ خدیجۃ الکبریٰ جیسی خاتون نے جو صاحب مال بھی تھیں اور صاحب جمال بھی۔ جو بہت سے سرداروں کی درخواست ازدواج کو رد کر چکی تھیں۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے نکاح کی خود التجا کی تھی۔

(۱۰) دہم

تہمت

یوسف علیہ السلام پر امرأۃ العزیز نے ارادہ بد کی تہمت لگائی اور دشمنان دین نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے نکاح کو جو زید رضی اللہ عنہ کی زنِ مطلقہ سے تھا، مطعون ٹھہرایا۔

(۱۱) یازدہم

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے خواب

یوسف علیہ السلام کے خواب کا ذکر، قرآن پاک میں ہے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بھی دو خوابوں کا ذکر اس پاک کتاب میں فرمایا گیا ہے۔

الف: ﴿وَمَا جَعَلْنَا الرُّؤْيَا الَّتِيْ اَرَيْنٰكَ اِلَّا فِتْنَةً لِّلنَّاسِ﴾ [۱۷/الاسراء:۶۰]

''جو خواب ہم نے تجھے دکھایا تھا وہ لوگوں کے لیے ایک آزمائش تھا۔''

ب: ﴿لَقَدْ صَدَقَ اللّٰهُ رَسُوْلَهُ الرُّءْيَا بِالْحَقِّ ۚ لَتَدْخُلُنَّ الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ اٰمِنِيْنَ مُحَلِّقِيْنَ رُءُوْسَكُمْ وَمُقَصِّرِيْنَ لَا تَخَافُوْنَ ۭ﴾ [۴۸/الفتح:۲۷]

''خدا نے اپنے رسول کا خواب راستی کے ساتھ سچا کر دکھایا۔ جو یہ تھا کہ تم ان شاء اللہ ضرور مسجد الحرام میں امن وامان کے ساتھ داخل ہو گے۔ تم کو کسی کا خوف نہ ہوگا۔ تمہارے سر منڈے ہوں گے یا بال کٹے ہوں گے۔''

(۱۲) دوازدہم

وعظ یوسف علیہ السلام

یوسف علیہ السلام کے وعظ زندانی کو دیکھو کہ اثبات توحید اور رد شرک کے متعلق کیسے

زبردست دلائل کا استعمال کیا گیا ہے۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے مواعظ پاک بھی ایسے ہی واضح، دل نشیں اور کامل ہوا کرتے تھے۔ سورۂ جن کا رکوع نمبر ۲ ملاحظہ ہو۔

تعلیم محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم

﴿ قُلْ اِنَّمَآ اَدْعُوْا رَبِّیْ وَ لَآ اُشْرِکُ بِهٖٓ اَحَدًا○ قُلْ اِنِّیْ لَآ اَمْلِکُ لَـکُمْ ضَرًّا وَّ لَا رَشَدًا○ قُلْ اِنِّیْ لَنْ یُّجِیْرَنِیْ مِنَ اللّٰهِ اَحَدٌ، وَّ لَنْ اَجِدَ مِنْ دُوْنِهٖ مُلْتَحَدًا○﴾ [۷۲/الجن:۲۰-۲۲]

''میں تو صرف اپنے رب کو پکارتا ہوں اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہیں کرتا۔ کہہ دیجئے! میں تمہارے نقصان اور نفع کا مالک نہیں ہوں، کہہ دیجئے مجھے اللہ کے سوا اور کوئی بھی پناہ نہیں دے سکتا اور مجھے اس کے سوا اور کوئی بھی پناہ کی جگہ نہیں ملتی۔''

(۱۳) سیزدہم

مصر پر حکومت یوسف علیہ السلام مصر پر حکومت خدام نبوی صلی اللہ علیہ وسلم

اللہ تعالیٰ نے یوسف علیہ السلام کو ملک مصر کی حکمرانی عطا فرمائی تھی۔

وہی ملک مصر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے خلیفۂ راشد عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے تحت فرمان آیا تھا جن کے حسن انتظام سے تمام ملک میں اسلام پھیل گیا تھا۔

خود نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات طیبہ میں حجاز، نجد، یمن، حضرموت، تحتِ حکومتِ اسلام تھے۔ بحرین خراج گزار تھا۔ شام وحبش میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا کلمہ پڑھا جاتا تھا اور اسم ستودہ کا اعلان ہر تکبیر واذان میں کیا جاتا تھا۔

قصورِ قیصر وکنوزِ کسریٰ کی مفاتیح

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے خلفا کو مغانم کثیرہ کی بشارت عطا فرمائی تھی اور اللہ تعالیٰ نے کنوزِ کسریٰ اور قصورِ قیصر کی کنجیاں [illegible] کر دی تھیں [illegible] امنِ عامہ کو

استحکام اور توحید خالص کو نفاذِ تام حاصل ہو گیا تھا۔

دین مبین اپنے جمال دلفریب کے ساتھ جلوہ افروز عالم تھا۔

(۱۴) چہاردہم

قحط مکہ وقحط مصر

حضرت یوسف علیہ السلام کے بعد برادران یوسف قحط شدید میں مبتلا ہوئے تھے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ہجرت از مکہ معظمہ کے بعد قریش بھی ایسے قحط سخت میں گرفتار ہوئے تھے کہ انہوں نے ایسا قحط شدید کبھی سنا بھی نہ تھا۔ اللہ تعالیٰ نے پہلے سے بطور پیشگوئی فرمادیا تھا۔

﴿ وَ مَا كَانَ اللّٰهُ لِيُعَذِّبَهُمْ وَ اَنْتَ فِيهِمْ ﴾ [۸/الانفال:۳۳]

''اللہ ان کو عذاب نہ دے گا۔ جب تک کہ خدا کا رسول ان میں ہے۔''

(۱۵) پانزدہم

درخواستِ ترحم از برادران

برادران یوسف علیہ السلام کو یوسف صدیق علیہ السلام کے سامنے ذلیل ہو کر درخواست ترحم کرنی پڑی تھی۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور بھی ابوسفیان اُموی نے منجانب قوم خود حاضر ہو کر زاری وخواری کے ساتھ رحم کی التجا کی تھی اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا سے قحط رفع ہوا تھا۔

(۱۶) شانزدہم

قوم کے لیے غلہ کی بہم رسانی

یوسف علیہ السلام نے پیداوار مصر کا غلہ بھائیوں کو دلایا تھا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے خادم ثمامہ بن اثال رضی اللہ عنہ حاکم نجد کو حکم بھیج کر مکہ میں غلہ بھجوایا تھا۔

(۱۷) ہفدہم

الزامات بنو اسرائیل اور الزامات قریش کا خاتمہ

یوسف علیہ السلام پر جو الزامات خاندان عزیز مصر نے لگائے تھے یا بھائیوں نے جن

مصائب کا آماج صدیق علیہ السلام کو بنایا تھا۔اُن سب کا خاتمہ اس وقت ہوا جب حضور مصر کی وزارت عظمٰی کے تخت پر شاہانہ اقتدار سے رونق افروز ہوئے تھے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات اقدس پر بھی جو الزامات قریش نے قبل از ہجرت اور بعد از ہجرت چسپاں کیے تھے۔اللہ تعالیٰ نے اُن سب کو بھی فتح مکہ کے بعد معدوم فرما دیا تھا۔

(۱۸) ہژدہم

بنواسرائیل اور قبیلہ بنوسعد بن بکر

یوسف صدیق علیہ السلام کے سامنے اُن کے دس بھائیوں نے ﴿ مَسَّنَا وَ اَهْلَنَا الضُّرُّ ﴾ کہا تھا اور ﴿تَصَدَّق عَلَيْنَا ﴾ کے الفاظ میں درخواست کی تھی اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں جنگ حنین کے بعد جب قبیلہ بنوسعد بن بکر نے اسیران جنگ کے لیے رحم کی درخواست کی تھی۔(اسی قبیلہ میں حضور نے ایام رضاع پورے کیے تھے) تب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ۶ ہزار زن و مرد کو آزاد فرما دیا اور اُن کو زادِ راہ بھی مرحمت فرمایا تھا۔

(۱۹) نوزدہم

لاتثریب علیکم

یوسف علیہ السلام نے اپنے بھائیوں کو ﴿ لَا تَثْرِيْبَ عَلَيْكُمُ الْيَوْمَ ﴾ [۱۲/ یوسف:۹۲] کے مژدہ سے خورسند فرمایا تھا۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی جملہ معاندین ومخالفین کو (جنھوں نے بیسیوں مسلمانوں کو قتل کیا، سینکڑوں کو ستایا اور ان کا گھر بار چھین کر اُن کو آوارہ بنایا تھا) از راہ کمال رحمت وعفو یہی آیت تلاوت فرما کر ان کو حیات تازہ کی تہنیت سے شادکام فرمایا تھا۔

(۲۰) بستم

مصر اور مدینہ میں ہجرت خاندان

برادران یوسف علیہ السلام بالآخر اپنے جملہ اہل وعیال کو لے کر مصر میں یوسف صدیق علیہ السلام کے پاس جا آباد ہوئے تھے۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت مبارک میں بھی قریش اور جملہ قبائل عدنان نے مکہ سے نکل کر مدینہ میں اقامت اختیار کر لی تھی۔

(۲۱) بست و یکم

تصدیق

یوسف صدیق نے اپنے وعظ میں یعقوب و اسحٰق و ابراہیم علیہم السلام کی نبوت کی تصدیق فرمائی تھی۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ہجرت مدینہ کے بعد یوسف صدیق کے فرزند عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کی تصدیق فرمائی تھی اور مجمع عام میں مشرف بالایمان تازہ ہوئے تھے۔

یہ بزرگوار وہ تھے جن کو یہودیان حجاز سیدنا وابن سیدنا مولانا وابن مولانا کہہ کر پکارا کرتے تھے۔ انہی کی صفت میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ وَمَنْ عِنْدَهُ عِلْمُ الْكِتَابِ ﴾ [۱۳/الرعد:۴۳] ''وہ شخص جس کے پاس توراۃ کا علم ہے۔''

(۲۲) بست و دوم

خالہ اور اماں کی حرمت بمنزلہ والدہ

یوسف صدیق علیہ السلام کی والدہ کا انتقال ہو چکا تھا۔ تاہم انہوں نے اپنی خالہ کا، جو اہلیہ یعقوب علیہ السلام بھی ہیں، اتنا ہی ادب و احترام کیا جتنا کہ حقیقی والدہ کا کرنا چاہیے۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی والدہ کریمہ کا انتقال بھی اس وقت ہو گیا تھا جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر ۶ سال کی تھی۔ مائی اُم ایمن رضی اللہ عنہا نے حضور کو گود کھلایا تھا نبی صلی اللہ علیہ وسلم ان کی کمال عزت فرماتے اور اُن کو اُمِّي بَعْدَ أُمِّي (ماں کے بعد یہ ماں ہے) فرمایا کرتے تھے۔

(۲۳) بست و سوم

قلب پاک صدیق اور لوا اظہر نبوی پر دنیا کا کوئی اثر نہ تھا

یوسف صدیق کے دل صداقت منزل پر دولت و اقبال دنیوی اور حکومت شہی کا کوئی اثر نہ ہوا تھا۔ وہ اس حکمرانی و فرمانِ دہی کے عالم میں بھی ﴿ تَوَفَّنِي مُسْلِمًا وَّ اَلْحِقْنِي

بالصّٰلِحِیْنَ﴾ [۱۲/ یوسف:۱۰۱] ہی زبان پر جاری رکھتے تھے۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ نے مختار فرما دیا تھا کہ خواہ قیام دنیا کو پسند فرمائیں یا سفر آخرت منظور کریں۔لیکن حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے (فداہ ابی وامی) ((اَللّٰھُمَّ الرَّفِیْقَ الْاَعْلٰی)) [1] ہی کو ورد زبان بنایا اور اسی وصال سے فائز بمرام ہونے کو دنیا و مافیہا سے ارفع و اعلیٰ قرار دیا۔

اللہ اکبر! یہ لغوتِ جلال اور محامد کمال صرف انبیا کرام ہی میں پائے جاتے ہیں۔جن کا ہر ایک فعل ہر ایک قول غور کرنے والے کے لیے ایک نور اور ہدایت ہے۔

ہم لوگ سیدنا و مولانا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پاک تعلیم کے موافق اللہ تعالیٰ کے ہر ایک نبی پر ایمان رکھتے ہیں اور اپنے آقا کو ہادی و منجی و داعی الی الحق، رحمۃ اللعالمین، خاتم النبیین اور سید المرسلین جانتے ہیں اور ختم کتاب سے پیشتر اس کلمہ شہادت سے اپنے دل و زبان کو پاک اور ایمان کو تازہ کرتے ہیں۔

کلمہ شہادت

اَشْھَدُ اَنْ لَّآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحْدَہٗ لَا شَرِیْکَ لَہٗ وَاَشْھَدُ اَنَّ مُحَمَّدً عَبْدُہٗ وَرَسُوْلُہٗ.

درود بر محمد صلی اللہ علیہ وسلم و آل محمد صلی اللہ علیہ وسلم

اَللّٰھُمَّ اجْعَلْ صَلَوَاتُکَ وَ رَحْمَتُکَ وَ بَرَکَاتُکَ عَلٰی سَیِّدِ الْمُرْسَلِیْنَ وَ اِمَامَ الْمُتَّقِیْنَ وَ خَاتَمَ النَّبِیِّیْنَ مُحَمَّدٌ عَبْدُکَ وَ رَسُوْلُکَ اِمَامِ الْخَیْرِ وَقَائِدِ الْخَیْرِ وَرَسُوْلِ الرَّحْمَۃِ. اَللّٰھُمَّ ابْعَثْہُ مَقَامًا مَّحْمُوْدًا یَغْبِطُ بِہِ الْاَوَّلُوْنَ وَالْاٰخِرُوْنَ اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی اٰلِ مُحَمَّدٍ کَمَا صَلَّیْتَ عَلٰی اِبْرَاھِیْمَ وَ عَلٰی اٰلِ اِبْرَاھِیْمَ اِنَّکَ حَمِیْدٌ مَّجِیْدٌ وَ بَارِکْ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّ عَلٰی

---

[1] بخاری: کتاب الدعوات، باب دعاء النبی صلی اللہ علیہ وسلم ۔ اَللّٰھُمَّ الرَّفِیْقَ الْاَعْلٰی، رقم: ۶۳۴۸۔ مسلم: کتاب فضائل الصحابۃ باب فی فضل عائشۃ رضی اللہ عنہا، رقم: ۶۲۹۵۔ ترمذی، ابواب الدعوات، رقم: ۳۴۹۶۔ ابن ماجہ، ابواب الجنائز، باب فی ذکر مرض رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، ۱۶۱۹۔

اٰلِ مُحَمَّدٍ کَمَا بَارَکْتَ عَلٰی اِبْرَاهِیْمَ وَعَلٰی اٰلِ اِبْرَاهِیْمَ اِنَّکَ حَمِیْدٌ مَّجِیْدٌ.

وَسَلَامٌ عَلَی الْمُرْسَلِیْنَ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ.

رَبَّنَا اغْفِرْلِیْ وَلِوَالِدَیَّ وَلِمَنْ دَخَلَ بَیْتِیَ مُؤْمِنًا وَّ لِلْمُؤْمِنِیْنَ وَالْمُؤْمِنَاتِ رَبِّ اَوْزِعْنِیْ اَنْ اَشْکُرَ نِعْمَتَکَ الَّتِیْ اَنْعَمْتَ عَلَیَّ وَ عَلٰی وَالِدَیَّ وَاَنْ اَعْمَلَ صَالِحًا تَرْضَاهُ وَاَصْلِحْ لِیْ فِیْ ذُرِّیَّتِیْ اِنِّیْ تُبْتُ اِلَیْکَ وَ اِنِّیْ مِنَ الْمُسْلِمِیْنَ، رَبِّ اغْفِرْلِیْ وَلِاَخِیْ وَاَدْخِلْنَا فِیْ رَحْمَتِکَ وَاَنْتَ اَرْحَمُ الرَّاحِمِیْنَ.

باب ذکر المشاہیر

جن ابرار کرام کے نام سورۂ یوسف کی تفسیر کے دوران میں آ گئے ہیں۔ اُن کی مختصر یادداشت ذیل میں درج کی جاتی ہے۔ تا کہ ناظرین فی الجملہ اُن کے احوال سے اطلاع حاصل کر سکیں۔

امام احمد بن حنبلؒ

ان کا نسب نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ معد بن عدنان میں جا کر شامل ہوتا ہے۔ ربیع ۱۶۴ھ کو بغداد میں پیدا ہوئے اور جمعہ ۱۲ ربیع الاول ۲۴۱ھ کو بغداد میں وفات پائی۔ مسئلہ خلق قرآن کی بابت سخت امتحان دینا پڑا۔ امام بخاریؒ و امام مسلمؒ ان کے شاگرد ہیں اور یہ امام شافعیؒ کے تلامیذ خاص میں سے ہیں۔

احمد بن یحییٰ ثعلبؒ

ابوالعباس امام لغت تھے۔ ان کی کتاب معانی القرآن نہایت مشہور ہے۔ تفسیر کشاف میں اس سے بہت استفادہ کیا گیا ہے۔ ۲۰۰ھ میں پیدا ہوئے اور شنبہ ۱۷ جمادی الاول ۲۹۱ھ کو بغداد میں وفات پائی۔

انس رضی اللہ عنہ

انس بن مالک رضی اللہ عنہ الانصاری الخزرجی۔ دس سال تک نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت کی۔ سو سال سے زیادہ عمر پائی۔ ۱۰۰ سے زیادہ بیٹے پوتے دیکھے۔ بصرہ میں ۹۱ ھ کو وفات پائی۔

ایاس بن معاویہؒ

تابعین میں سے ہیں۔ خلیفہ عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ نے اُن کو قاضی بصرہ مقرر کیا تھا۔ ان کے فیصلہ جات ان کی حیات ہی میں مدون کر لیے گئے تھے۔ ۱۲۲ھ کو بعمر ۷۶ سال وفات پائی۔

بریرہ رضی اللہ عنہا

یہ ام المومنین عائشہ صدیقہؓ کی لونڈی تھیں۔ اُن کا شوہر مغیث تھا۔ جو بنو مطیع کا غلام تھا۔ بریرہؓ آزاد ہوگئی تو اس نے نکاح مغیث میں رہنے سے آزادی کو پسند کیا۔

عبدالملک اموی کا (جو خاندان بنو امیہ کا مشہور بادشاہ ہے) بیان ہے کہ مجھے بریرہ نے کہا تھا کہ تجھ میں قابلیت سلطنت نظر آتی ہے۔ اگر تو بادشاہ ہوگیا تو خون ریزی سے اجتناب کرنا۔

اللہ اکبر! اہل بیت پاک کی لونڈیوں میں بھی کتنی فراست صادقہ اور نصیحت حقہ کی استعداد تھی۔

زبیر بن العوام رضی اللہ عنہ

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پھوپھیرے بھائی، ام المومنین خدیجۃ الکبریٰ کے بھتیجے، سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے داماد، یکے از عشرہ مبشرہ ہیں۔

پنجشنبہ ۱۰ جمادی الاول ۳۶ ھ کو شہید ہوئے۔ سیدنا علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے اُن کے قاتل کو منجانب نبی صلی اللہ علیہ وسلم دوزخ کی بشارت پہنچائی۔

زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ

لوگ ان کو ابتدا میں زید بن محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کہا کرتے۔ جب آیت ﴿اُدْعُوْهُمْ لِاٰبَآئِهِمْ﴾ [۳۳/الاحزاب:۵] کا نزول ہوا تب زید بن حارثہ صحیح پتہ سے معروف ہوئے۔ یہ ام ایمن (نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی آیا) کے شوہر ہیں۔

اور اسامہ (حِبّ رسول) کے والد ہیں۔ غزوۂ موتہ کے اولین سردار یہی تھے۔ جعفر بن ابی طالب رضی اللہ عنہ ان کی ماتحتی میں تھے۔ ان کی لاش کو دیکھا گیا تو (۹۰) زخم سامنے کی طرف تھے۔ غزوۂ موتہ ۸ھ میں شہید ہوئے۔ ان کے فضائل میں سے اعلیٰ خصوصیت یہ ہے کہ مومنین امت محمدیہ میں سے صرف ان ہی کا نام قرآن پاک میں آیا ہے۔

حاطب بن ابی بلتعہ رضی اللہ عنہ

قبیلہ لخم بن عدی سے ہیں۔ بدر و حدیبیہ میں شامل تھے۔ ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے بھی ان کو بطور سفارت مصر بھیجا تھا۔ ۳۰ھ کو بعمر ۶۵ سال مدینہ منورہ میں وفات پائی۔ سیدنا عثمان ذوالنورین رضی اللہ عنہ نے نماز جنازہ پڑھائی۔

امام حسن رضی اللہ عنہ

سبط النبی صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ نصف رمضان ۳ ھ کو پیدا ہوئے۔ ۴۹ھ میں اثر سم سے شہید ہوئے۔ مدینہ منورہ میں سیدہ بتول زہرا رضی اللہ عنہا کے پہلو میں مدفون ہوئے۔ ان کے فضائل و محاسن نہایت مشہور ہیں۔

امام حسین رضی اللہ عنہ سبط النبی صلی اللہ علیہ وسلم

۵ شعبان ۴ھ کو پیدا ہوئے۔ ۱۰ محرم ۶۱ھ یوم الجمعہ کو میدان طف میں شہید ہوئے۔

﴿وَ سَيَعْلَمُ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْۤا اَيَّ مُنْقَلَبٍ يَّنْقَلِبُوْنَ﴾ [۲۶/الشعراء:۲۲۷]

ہر دو شہزادوں کے مفصل حالات رحمۃ للعالمین ج ۲ میں درج ہیں۔ میں نے سال ولادت و وفات میں یہ قطعہ لکھا ہے۔

حسین آن زبدۂ آل محمدؐ   بزیر ظل احمد شد مباہی
ہمہ کرب و بلا برداشت از صبر   شہادت یافت دریادِ الٰہی ٦١ھ ❶

سیدنا سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ

سید الانصار تھے اور قبیلہ اوس کے مسلمہ سردار۔ غزوۂ خندق سے ایک ماہ بعد شہید ہوئے۔ بنو قریظہ نے انہی کو ثالث مقرر کیا تھا۔ انہوں نے وہ فیصلہ دیا جو فیصلہ آسمانی کے مطابق تھا۔ ﴿اِهْتَزَّ لَهٗ عَرْشُ الرَّحْمٰنِ﴾ ان کی صفت ہے۔ یعنی ''رحمٰن کا عرش ان کے لیے جھوما۔''

سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ

امام مجتہد تھے۔ ثور بن عبد مناۃ کی نسل سے ہیں۔ امام الحدیث سفیان بن عیینہ کا قول ہے کہ میری آنکھ نے سفیان سے بڑھ کر علم وتقویٰ میں کوئی شخص نہیں دیکھا۔ ٩٧ھ میں پیدا ہوئے اور ١٦١ھ میں بصرہ میں وفات پائی۔

سلطنت کی طرف سے اُن کو قاضی القضاۃ بنایا جاتا تھا لیکن ان کو حکومت سے نفرت تھی۔ اس لیے مخفی رہ کر زندگی بسر کی۔

قاضی شریح رحمۃ اللہ علیہ

شریح بن الحارث، ابو امیہ، کبار تابعین سے ہیں۔ ایام جاہلیت بھی دیکھے۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے ان کو قاضی کوفہ مقرر کیا تھا۔ جہاں ٧٥ سال تک قاضی رہے۔ ٨٧ھ میں بعمر یک صد سال وفات پائی۔

سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ

سب سے پہلے اسلام لائے۔ یار غار کے معزز لقب سے ملقب ہوئے۔ سب سے پہلے خلیفہ رسول اللہ کے لقب سے پکارے گئے۔ دو سال ٣ ماہ کی خلافت کے بعد شب جمعہ ٧ جمادی الآخر ١٣ھ کو بعمر ٦٣ سال انتقال فرمایا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پہلو میں مدفون ہوئے

❶ حضرت حسین، آل محمد کے خلاصہ ہیں، نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے سائے کے نیچے وہ فخر کرنے والے تمام مصیبت و آزمائش کو صبر سے برداشت کر کے اللہ کی یاد میں شہادت پا گئے۔

اصلی نام عبداللہ بن عثمان (ابوقحافہ) ہے۔

قفال مزوری رحمۃ اللہ علیہ

عبداللہ بن احمد بن عبداللہ الفقیہ الشافعی۔ ابوبکر کنیت، پہلے قفل سازی میں نام پایا۔ پھر ۳۰ سال کی عمر میں علم کی جانب متوجہ ہوئے اور امام کہلائے۔ ۹۰ سال کی عمر میں ۴۱۷ھ کو بمقام بجستان وفات پائی۔ امام الحرمین کے والد شیخ ابومحمد جوینی ان کے شاگرد ہیں۔ فخر رازی نے تفسیر کبیر میں ان کی تفسیر سے بہت کچھ لیا ہے۔

عبادہ بن الصامت الانصاری رضی اللہ عنہ

بزرگ صحابہ اور نقبائے محمدیہ میں سے ہیں۔ مقام عقبہ کی ہر سہ بیعت ہائے میں حاضر تھے۔ یہ جامع کمالات ہیں۔ فاضل، معلم، قاضی، فاتح تھے۔

عبدالرحمٰن بن ابویعلیٰ رحمۃ اللہ علیہ

انصاری، فقیہ، ابوعیسیٰ کنیت، مشہور بزرگ، تابعین سے ہیں۔ عثمان ذوالنورین حضرت علی مرتضیٰ اور ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہم سے روایت کرتے ہیں۔ شعبی ومجاہد وغیرہ نے ان سے روایت کی ہے۔ ۸۱ھ میں وفات پائی۔

امیر المومنین سیدنا عثمان ذوالنورین رضی اللہ عنہ

چار واسطہ سے عبدمناف کو جا ملتے ہیں جو تین واسطہ سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی پھوپھی کے نواسے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی دو دختران کے (یکے بعد دیگر) شوہر ہیں۔ یکم محرم ۲۴ھ کو خلیفہ ہوئے اور ۱۷ ذی الحجہ ۳۵ھ یوم الجمعہ کو اپنے گھر میں محصور رہ کر بحالت صوم و تلاوتِ قرآن مجید شہید ہوئے، اس وقت ۸۲ سال عمر تھی۔

عثمان بن جنی

ابوالفتح، لغت کے امام، ابوعلی فارسی کے شاگرد تھے۔ متنبی ان کی فہم وذکا کا مداح تھا۔ ۳۳۰ھ میں پیدا ہوا اور ۲۸ صفر ۳۹۲ھ کو وفات پائی۔ ان کی کتاب الخصائص ہمارے پاس ہے۔

امیر المومنین سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے حقیقی چچیرے بھائی، نبوت کا پہلا دن تھا کہ دس سال کی عمر میں اسلام لائے۔ یوم الجمعہ ۱۷ ذی الحجہ ۳۵ھ کو خلیفہ ہوئے۔ چار سال ۹ ماہ کی خلافت کے بعد یوم الجمعہ ۱۷ رمضان ۴۰ھ کو بعمر ۶۳ سال مسجد کوفہ میں زخمی ہو کر شہید ہوئے۔ سیدہ زہراء بتول رضی اللہ عنہا کے شوہر، ابوالحسنین اور خیر اہلبیت ہیں۔

ابن حزم رحمۃ اللہ علیہ

علی بن احمد بن حزم الاندلسی، ابو محمد، ان کی تصنیف سے اسی ہزار ورق خود قلم لکھے ہوئے پائے گئے۔ ان کے والد سلطنت اندلس کے وزیر تھے۔ اول شافعی المذہب تھے پھر ظاہری المذہب ہوئے۔ ولادت چارشنبہ سلخ رمضان ۳۸۴ھ۔ وفات شنبہ دوم رمضان ۴۵۶ھ۔ مشہور کتاب الفصل انہی کی تصنیف سے ہے جو بغایت نافع ہے۔

خازن رحمۃ اللہ علیہ

علی بن محمد بن ابراہیم البغدادی، الصوفی، علاء الدین، تفسیر خازن کے مصنف ہیں۔ یہ تفسیر معالم بغوی کا خلاصہ بحذف اسناد ہے۔ مؤلف نے احادیث صحیحہ کے حوالہ ایزاد کر دینے سے اس تفسیر کو معالم سے زیادہ مفید بنا دیا ہے۔ چارشنبہ رمضان ۷۲۵ھ کو تفسیر سے فارغ ہوئے۔ ۷۴۱ھ میں وفات پائی۔

امیر المومنین سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ

آٹھ واسطے سے ان کا نسب نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے نسب میں شامل ہو جاتا ہے۔ ابوحفص کنیت ۸ جمادی الاخری ۱۳ھ کو خلیفہ ہوئے۔

شب چارشنبہ ۳۰ ذی الحجہ ۲۳ھ کو مسجد نبوی میں بحالت نماز فجر مجروح ہو کر شہید ہوئے۔ دس سال ۶ ماہ ۵ دن خلافت کی۔

خواجہ فضیل بن عیاض رحمۃ اللہ علیہ

فضیل بن عیاض بن مسعود۔ بشر التمیمی الطالقانی ابوعلی کنیت، سمرقند یا ابیورد میں پیدا

ہوئے۔ کوفہ میں تکمیل حدیث کی پھر مکہ معظمہ میں رہے اور اسی جگہ محرم ۱۸۷ھ میں جاں بحق ہوئے۔ امام عبداللہ بن مبارک اور امام ابوعلی الرازی وغیرہ ائمہ حدیث نے ان کی بہت مدح کی ہے۔ قدوہ صوفیان چشت ہیں۔

ابو عبید رحمۃ اللہ علیہ

قاسم بن سلام، ابو عبید، حدیث فقہ اور تفسیر میں امام ہیں۔ فن غریب الحدیث میں سب سے پہلے انہوں نے الگ تصنیف کی۔

ان کی تصانیف ۲۰ و ۳۰ کتابوں کے درمیان ملتی ہیں۔ عبداللہ بن طاہر ان کو ۱۸ ہزار درہم ماہوار کا وظیفہ دیا کرتا تھا تاکہ فراغ خاطر سے تصنیف میں مشغول رہیں۔ امام اسحٰق بن راہویہ کہا کرتے تھے کہ ہم کو ابو عبید کی ضرورت ہے۔ اسے ہماری ضرورت نہیں وہ ہم سے زیادہ وسیع العلم ہیں۔ ولادت ۱۵۰ھ وفات ۲۲۴ھ مدینہ طیبہ میں مدفون ہوئے۔

کعب بن سور ازدی رضی اللہ عنہ

صحابی ہیں۔ امیر المومنین عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے ان کو قاضی بصرہ مقرر کیا تھا۔ یوم الجمل میں فریقین کو سمجھاتے ہوئے قبل از جنگ تیر ناگہانی سے شہید ہوئے۔

امام محمد بن ادریس الشافعی رحمۃ اللہ علیہ

یکے از ائمہ اربعہ۔ ۱۵۰ھ کو بمقام غزہ پیدا ہوئے۔ دو سال کے تھے جب مکہ معظمہ میں آئے۔ ۱۹۵ھ کو بغداد میں آئے۔ دو سال ٹھہرے، پھر مکہ معظمہ آئے، پھر ۱۹۸ھ میں بغداد آئے اور ایک ماہ ٹھہرے۔ پھر ۱۹۹ھ کو مصر گئے اور آخر وفات تک وہاں ہی رہے۔ وفات یوم الجمعہ ۲۰۴ھ کو ہوئی۔ امام مالکؒ کے شاگرد اور مجتہد مطلق ہیں۔

جملہ ائمہ حدیث وفقہ، اصول، نحو ولغت کا اُن کی ثقاہت وامانت، عدالت وزہد وورع ،نزاہت ذات، عفت ں، حسن سیرت، علو قدر اور جود وسخا پر اتفاق ہے۔

ابو ثورؒ کا قول ہے: ''آج اگر کوئی یہ کہے کہ اس نے کوئی شخص علم وفصاحت اور معرفت وثبات میں مثل شافعیؒ دیکھا ہے تو اسے جھوٹا سمجھو۔''

محمد بن جریر الطبری رحمۃ اللہ علیہ

محمد بن جریر بن یزید بن خالد الطبری ؒ، ابو جعفر، تفسیر و تاریخ اور حدیث وفقہ میں امام تھے۔ ۲۲۴ھ کو آمل طبرستان میں پیدا ہوئے۔ یوم السبت ۲۶ شوال ۳۱۰ھ کو بغداد میں وفات پائی۔

امام محمد بن اسمٰعیل بخاری رحمۃ اللہ علیہ

کتاب الصحیح الجامع کے مصنف ہیں۔ ۱۶ سال میں ۶ لاکھ احادیث میں سے انتخاب کر کے اس کتاب کو تیار کیا۔ صدق (یوم الجمعہ ۱۳ شوال ۱۹۴ھ) میں پیدا ہوئے اور نور (یوم الفطر ۲۵۶ھ) میں وفات پائی۔

امام زہری رحمۃ اللہ علیہ

محمد بن مسلم القرشی الزہری، ابن شہاب، اعلام تابعین سے ہیں۔ دس اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے علم حاصل کیا۔ ۵۱ھ میں پیدا ہوئے اور ۱۷ رمضان ۱۲۴ھ کو وفات پائی۔

سیدنا محمد حنفیہ رضی اللہ عنہ

ابوالقاسم محمد صلی اللہ علیہ وسلم، سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے فرزند ہیں۔ اِن کی والدہ کا نام خولہ ہے۔ شیخ ابواسحاق شیرازیؒ نے ان کو بذیل فقہا شمار کیا ہے۔

ولادت ۲۱ھ وفات یکم محرم ۸۱ھ طائف میں مدفون ہیں۔ فرقہ کیانیہ کا اعتقاد ہے کہ علی مرتضیٰ کے بعد یہی امام اہل بیت ہوئے۔ ان کے بعد ہاشم عبداللہ پھر محمد بن علی بن ابن عباس رضی اللہ عنہ۔ کیانیہ کا اعتقاد ہے کہ وہ جبل رضوی میں مختفی ہیں اور وہی مہدی آخر الزمان ہیں۔

فخر رازی رحمۃ اللہ علیہ

محمد بن عمر بن حسین بن حسن بن علی التیمی البکری، علم نحو وطب، فقہ واصول اور منطق میں تصانیف عدیدہ ومفیدہ کے مصنف ہیں، تفسیر کبیر انہی کی تصنیف ہے۔ ان کا سلسلہ شاگردی ۸ واسطوں سے امام شافعیؒ کو جا ملتا ہے۔ عربی و فارسی میں قادر الکلام تھے۔

ولادت ۲۵ رمضان المبارک ۵۴۴ھ وفات یوم عید الفطر ۶۰۶ھ ہوئی، ہرات میں مدفون ہیں۔

سلطان محمود غزنوی رحمہ اللہ

محمود بن سبکتگین، شب عاشوراء ۳۶۱ھ کو پیدا ہوئے۔ ۱۱ صفر ۴۲۱ھ کو وفات پائی۔ یمین الدولہ، امین الامۃ لقب ہے۔ سلطان غزنی، فاتح ہند، ان کا دربار مرجع فضلا و علما تھا۔ قفال مزوری اس کے دربار کے شیخ الاسلام تھے۔ نہایت مشہور بادشاہوں میں سے ہیں۔ متقی و پرہیز گار متبع سنت تھے۔

علامہ محمود زمخشری

تفسیر کشاف کے مصنف ہیں، معتزلی المذہب، ان کی تصنیف لغت و معانی و ادب کے لحاظ سے اس قدر مفید ہے کہ اس تفسیر کے بعد جس قدر تفاسیر لکھی گئیں، سب نے علوم بالا میں اس سے استفادہ اٹھایا ہے۔ ان کی رائے و فہم کو عقائد میں تسلیم نہیں کیا جاتا۔ نحو و لغت، فقہ و تفسیر میں نہایت مفید کتابوں کے مصنف ہیں۔ ولادت چارشنبہ ۲۷ رجب ۴۶۷ھ وفات شب عرفہ ۵۳۸ھ۔

مرثد رضی اللہ عنہ

مرثد بن ابی المرثد الغنوی، باپ بیٹا دونوں مہاجر اور بدری ہیں۔ سیدنا امیر حمزہ رضی اللہ عنہ کے حلیف۔ مرثد رضی اللہ عنہ سریہ رجیع میں شہید ہوئے۔

مسلمہ بن مخلد رضی اللہ عنہ

انصاری ہیں، وفات نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے وقت ۱۴ سال کے تھے۔ شجعانِ عرب میں سے ہیں۔ ۱۶ سال تک مصر و افریقہ کے حاکم واحد رہے۔
مجاہد کا قول ہے کہ یہ نہایت صحیح قرآن مجید پڑھنے والے تھے۔ مساجد مصر میں سب سے پہلے انہی نے مینار تعمیر کر دیئے تھے۔ ۶۲ھ میں وفات پائی۔

مسلم بن عقیل الحجاج صاحب الصحیح رح

حدیث کے لیے حجاز و عراق اور شام و مصر میں سفر کئے اور موجودہ کتاب کو تین لاکھ احادیث میں سے منتخب کر کے جمع کیا۔ ۲۵ رجب ۲۶۱ھ کو نیشاپور میں بعمر ۵۵ سال انتقال کیا۔

مقداد بن الاسود الزہری رضی اللہ عنہ

یہ ولادت کے اعتبار سے مقداد بن عمرو مالک البہراوی (من قضاعہ) ہیں۔ وہب بن عبدمناف بن زہرہ کے پوتے، اسود نے ان کو متبنّٰی بنالیا تھا۔ اس لیے ابن الاسود مشہور ہو گئے تھے۔ اظہار اسلام میں ساتویں شخص ہیں۔ بدر اور جملہ مشاہد میں ہمرکاب نبوی تھے۔ ان کا شمار فضلاء و نجباء و کبار الخیار صحابہ میں ہے۔ ۳۳ھ میں بعمر ۷۰ سال ملک مصر میں وفات پائی۔ لاش مدینہ منورہ میں لائی گئی۔ عثمان ذوالنورین نے نماز جنازہ پڑھائی۔

فراء نحوی

یحیٰی بن زیادہ الاسلمی الدیلمی، ابوزکریا، کوفہ میں پیدا ہوئے۔ بغداد میں قیام کیا۔ ۲۰۷ھ میں براہ مکہ معظمہ ۶۳ سال کی عمر میں وفات پائی۔

امام لغت ثعلب کا قول ہے کہ ''اگر فراء نہ ہوتا تو عربیت جاتی رہتی۔'' امام الفقہ محمد بن حسن رح ان کے خالہ زاد بھائی تھے۔

رَحْمَةُ اللهِ عَلَيْهِمْ اَجْمَعِيْنَ

سُبْحَانَ اللهِ وَبِحَمْدِهٖ سُبْحَانَ اللهِ الْعَلِيِّ الْعَظِيْمِ

احقر محمد سلیمان عفی عنہ

آخری گزارش

یہ تفسیر مکہ معظمہ میں جہاں سورۂ مبارکہ کا نزول ہوا تھا۔ بتوفیق الٰہی لکھی گئی۔ ۱۷ ذی الحجہ ۱۳۳۹ھ کو ختم ہوئی۔ خاتمہ بوقت واپسی جہاز موسومہ جدہ میں ۳ ربیع الاول ۱۳۴۰ھ کو لکھا گیا۔

ناظرین کرام سے امید ہے کہ غلطی ولغزش کو معاف فرمائیں گے۔ اللہ جل جلالہٗ و عم نوالہٗ بھی میری لغزشوں کو معاف فرمائے۔

دوران تفسیر میں اگر کوئی لفظ یا فقرہ ایسا لکھا گیا ہے جو اللہ عزوجل کی مراد اور رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم کے موافق نہیں ۔ میں خود اس سے بیزاری کا اعتراف کرتا اور رجوع الی اللہ کرتا ہوں۔

وَ مَا تَوْفِيْقِىْٓ اِلَّا بِاللّٰهِ عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ وَاِلَيْهِ اُنِيْبُ. ثُمَّ الصَّلٰوةُ عَلَى النَّبِيِّ فَاِنَّهٗ يُبْدِئُ بِهِ الذِّكْرُ الْجَمِيْلُ وَ يَخْتِمُ.

خاکسار

راجی شفاعت و غفران

قاضی محمد سلیمان سلمان منصور پوری

خلف مولوی حاجی قاضی احمد شاہ صاحب مرحوم ومغفور



الجمال والکمال

تفسیر
سورهٔ یوسف